Maktaba Tul Ishaat. com

تقریر بخاری شریف

اردو

حصہ اوّل، دوم، سوم

من افادات

العلامة المحدث الكبير بركة العصر ريحانة الهند صاحب الفضيلة الشيخ

مولانا محمد زکریا الکاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث بالجامعہ مظاہر العلوم سہارنفور الہند

الجمع والترتيب

فضيلة الشيخ مولانا محمد شاهد السهارنفوری حفظه الله

الناشر

مكتبة الشيخ

٣/٤٤٥ بهادر آباد، كراتشي ٥۔

الهاتف: ٠٢١-٣٤٩٣٥٤٩٣

Maktaba Tul Ishaat

تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احایث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ ودعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

maktaba.tul.ishaatofficial@gmail.com

Maktaba Tul Ishaat. com

قال اللہ تبارک وتعالیٰ
وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

تقریر بخاری شریف اردو

﴿ حصہ اول ﴾

من افادات

العلامة المحدث الكبير بركة العصر ريحانة الهند صاحب الفضيلة الشيخ
مولانا **محمد زكريا** الكاندهلوي رحمه الله تعالى
شيخ الحديث بالجامعة مظاهر العلوم سهارنفور الهند

الجمع والترتيب

فضيلة الشيخ مولانا **محمدشاهد** السهارنفوري حفظه الله

الناشر

مكتبة الشيخ
٤٤٥/٣بهادر آباد كراتشي ٥
0213-4935493
0321-2277910

Maktaba Tul Ishaat. com

جملہ حقوق کمپوزنگ وڈیزائننگ بحق مکتبۃ الشیخ محفوظ ہیں

نام کتاب : تقریر بخاری شریف اردو (حصہ اول)

افادات : حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب : حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری مدظلہ العالی

ناشر : مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵ بہادر آباد کراچی ۵

اسٹاکسٹ

مکتبہ خلیلیہ

دکان نمبر ۱۹ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ ندوہ اردو بازار کراچی
زمزم پبلشرز اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبۃ العلوم بنوری ٹاؤن کراچی
ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
مکتبۃ الحرمین اردو بازار لاہور
مکتبہ قاسمیہ لاہور
مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

مکتبہ نور محمد آرام باغ کراچی
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
مکتبہ انعامیہ اردو بازار کراچی
کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی
کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی
مکتبۃ الایمان مسجد صدیق اکبر راولپنڈی
مکتبہ حقانیہ ملتان
مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
مکتبۃ القاسم نوشہرہ، اکوڑہ خٹک

ضروری وضاحت: کتاب ہذا کی کمپوزنگ وتصحیح کا خوب اہتمام کیا گیا ہے لیکن پھر بھی غلطی سے مبرا ہونے کا کون دعویٰ کرسکتا ہے؟ اساتذہ کرام وطلبہ جس غلطی پر بھی مطلع ہوں ازراہ عنایت اطلاع فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ ادارہ

Maktaba Tul Ishaat. com

فہرست مضامین حصہ اول

مضامین	صفحہ نمبر
کلمات دعائیہ (از حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ)	۱۶
کلمات طیبات (از حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ)	۱۷
مقدمہ از مولانا تقی الدین صاحب	۲۰
مقدمہ تقریر بخاری	۲۷
ہمارے اکابر کا طریق تدریس حدیث	۲۷
ابتداء درس کی بیس اہم ابحاث	۲۸
مقدمۃ العلم وغیرہ	۲۸
بحث اول حدیث کی تعریف میں علماء کے اقوال نیز منشاء اختلاف	۲۸
بحث ثانی حدیث پاک کا موضوع	۲۹
بحث ثالث غرض وغایت	۳۰
پہلی غرض	۳۰
دوسری غرض	۳۱
تیسری غرض	۳۱
میری اپنی ذاتی آراء کے بارے میں ایک اصطلاح	۳۱
ایک جاہل پیر کے دو واقعے	۳۱
یحیی اندلسی کا شوق علم	۳۱
حدیث کی غرض وغایت کے بارے میں حضرت کی رائے عالی	۳۲
بحث رابع وجہ تسمیہ	۳۲
پہلا قول	۳۲
فقہ درحقیقت قرآن وحدیث کی شرح ہے	۳۲
دوسری وجہ تسمیہ	۳۳
حدیث وخبر کے درمیان فرق	۳۳
بحث خامس مولف کے بارے میں	۳۳
عہد نبوی میں کتابت حدیث	۳۴
علم حدیث تاریخی حیثیت سے	۳۴
حضرت عمر بن عبدالعزیز اور تدوین حدیث	۳۴
عہد صحابہ میں عدم تدوین کی وجوہ	۳۵
کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب	۳۵
مدون اول وطبقات ومدونین	۳۶
الفیہ سیوطی اور اس کے حفظ کا اہتمام	۳۶
دنیائے حدیث پر حافظ کے احسانات	۳۷
بحث سادس اجناس کے بارے میں	۳۷
بحث سابع مرتبہ حدیث	۳۸
بحث ثامن قسمۃ وتبویب اور حدیث کے ابواب ثمانیہ	۳۸
بحث تاسع حکم شرعی	۳۸
مقدمۃ الکتاب	۳۹
بحث اول مقصود بخاری	۳۹
امام بخاری کا ایک خواب	۳۹
فقه البخاري في تراجمه	۳۹
بخاری شریف کے فضائل	۳۹
بحث ثانی سمہ	۳۹
بحث ثالث مولف کتاب احوال امام بخاری رحمہ اللہ	۴۰

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
محدث داخلی کی مجلس اور امام بخاری رحمہ اللہ	۴۱
سفر حجاز اور امام بخاری رحمہ اللہ کی بعض تصانیف	۴۱
امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت یادداشت	۴۲
مسئلہ خلق قرآن	۴۲
واقعۂ امیر خالد اور حادثۂ فاجعہ	۴۳
امام بخاری رحمہ اللہ کو ابو حفص کبیر کا ایک پیغام	۴۳
تاریخ وفات اور تدفین	۴۴
تمنائے موت	۴۴
مذاہب ارباب صحاح ستہ	۴۴
زمانِ تالیف	۴۶
سبب تالیف	۴۶
جامع صحیح کی تالیف میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اہتمام	۴۶
تعداد روایات امام بخاری	۴۷
تخریج روایات میں شیخین کی شرائط	۴۷
ایک ضروری تنبیہ	۴۷
حدیث کے علیٰ شرط البخاری ہونے کا مطلب	۴۸
ثلاثیات بخاری	۴۸
فقہ حنفی ثنائی ہے	۴۸
امام اعظم رحمہ اللہ کا تابعی ہونا	۴۸
بخاری کی بائیس ثلاثیات میں بیس کے اساتذہ حنفی ہیں	۴۸
بحث رابع انواع کتب حدیث	۴۸
جامع	۴۹
سنن	۴۹
مسند	۴۹
معجم	۵۰
اطراف	۵۰
علل	۵۰
مستدرک	۵۰
مستخرج	۵۰
اربعینہ	۵۰
اجزاء ورسائل	۵۱
مشیخہ	۵۱
تراجم	۵۱
افراد وغرائب	۵۱
تخاریج	۵۲
تعالیق	۵۲
زوائد	۵۲
بحث خامس مرتبہ کتب حدیث	۵۲
حضرت گنگوہی کی مدت تدریس حدیث	۵۲
اغراض مصنفین صحاح ستہ	۵۲
صحاح ستہ کی ترتیب باعتبار تعلیم	۵۳
صحاح ستہ کی ترتیب باعتبار صحت	۵۳
بخاری ومسلم کی متکلم فیہ احادیث	۵۳
صحاح ستہ کا مصداق اور سادس ستہ کی تعیین	۵۴
بحث سادس قسمۃ وتبویب	۵۵
بحث سابع حکم شرعی	۵۵

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
بحث ثامن وجہ اختلاف وتعدد نسخ	۵۵
بخاری کے چند مشہور نسخ	۵۵
فربری کے حالات زندگی	۵۵
فربری کے نسخوں میں اختلاف کی وجوہ	۵۶
حضرت سہارنپوری کا سنت سے عشق	۵۶
بحث تاسع مراتب کتب حدیث	۵۶
پہلا طبقہ، دوسرا طبقہ	۵۷
تیسرا طبقہ، چوتھا طبقہ	۵۷
پانچواں طبقہ	۵۸
بحث عاشر سند	۵۸
امت اسلامیہ کا ایک خصوصی امتیاز	۵۸
میرا ابتدائی دور	۵۸
پہلی سند	۵۹
دوسری سند	۵۹
والد صاحب کا حادثہ انتقال	۵۹
بذل کی تالیف کا آغاز	۵۹
مظاہر میں تقرر	۵۹
تیسری سند	۶۰
تذکرہ مولانا عنایت الٰہی	۶۰
میرا چھ ماہ تک مدرسہ قدیم سے باہر نہ نکلنا	۶۰
علمی انہماک	۶۰
مولانا احمد علی صاحب کا واقعہ	۶۰
نقشہ اسانید ثلاثہ (حاشیہ میں)	۶۱

مضامین	صفحہ نمبر
سلسلہ اسناد اور حضرت شاہ صاحب	۶۱
بحث حادی عشر آداب طالب	۶۲
میرے والد صاحب کا درس حدیث میں اہتمام	۶۲
میرا درس حدیث میں اہتمام	۶۲
ائمہ فقہ کی شان میں بے ادبی سے احتراز ضروری ہے	۶۳
احناف پر حدیث سے بیگانگی کا الزام	۶۳
ایک اہم تنبیہ	۶۴
مراتب محدثین	۶۴
امام ابوداؤد کی احادیث منتخبہ	۶۴
باب کیف کان بدء الوحی	۶۵
بسملہ پر نحوی تحقیق	۶۵
ترک خطبہ کی بارہ وجوہات	۶۵
ایک مبارک خواب	۶۶
باب	۶۶
لفظ باب کی صرفی تحقیق	۶۶
کیف کان	۶۷
ترجمۃ الباب کی غرض میں مشائخ وشراح کی آراء	۶۷
بدء	۶۷
وحی کی تعریف اور اس کی اقسام	۶۸
الی رسول اللہ ﷺ	۶۹
اصل کتاب میں اصلاح خلاف اصول ہے	۶۹
محدثین کی احتیاط	۷۰
قول اللہ عزوجل انا اوحینا الیک	۷۰

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
ترجمۃ الباب سے آیت کی وجوہ مناسبت	٧٠
آیت شریف میں بطور خاص حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ اس کی چند وجوہات	٧٠
حدثنا ، اخبرنا ، انبانا اور ان میں باہمی فرق	٧٢
سند حدیث میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ	٧٢
قال حدثنا سفیان	٧٣
سند اول میں تحدیث کے طرق اربعہ	٧٣
بخاری کی پہلی حدیث اور اس کی وجہ غرابت	٧٣
صلوۃ وسلام اور ترضی کا فرق اور اس میں ائمہ کا اختلاف	٧٤
علی المنبر	٧٤
انما الاعمال بالنیات	٧٤
حدیث بالا سے احناف وشوافع کا استدلال	٧٤
ایک اشکال اور اس کا حل	٧٥
فمن کانت هجرة الی دنیا الخ	٧٦
اختصار روایت کے بارے میں حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ کا ایک اشکال اور اس کا جواب	٧٦
اخلاص کی قدر اور اس پر دو واقعے	٧٦
حدیث پاک کا شان ورود حدیث پاک و ترجمہ میں وجوہ مطابقت	٧٧
سند کا ایک لطیفہ	٧٨
ازواج مطہرات کے ام المومنین ہونے کی تحقیق و توضیح	٧٩
کیف یاتیک الوحی الخ	٧٩
وحی کی دو قسموں کے ذکر پر اکتفاء	٧٩
حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	٧٩
صلصلة الجرس کی تحقیق میں علماء کے اقوال	٧٩
حفاظت رعد کی دعاء اور ایک لطیفہ	٨٠
فرشتہ کا دحیہ کلبی کی شکل میں آنا	٨٠
حدیث کی باب سے مناسبت	٨١
ایک اشکال بابت رؤیائے صالحہ اور اس کا جواب	٨١
ثم حبب الیه الخلاء	٨٢
صوفیہ کا ارشاد	٨٢
کیا چلہ کشی شریعت کے خلاف ہے؟	٨٣
شیخین کی افضلیت	٨٣
اہل تبلیغ کے تین چلوں کا مآخذ	٨٣
اعطاء نبوت سے پہلے کی عبادت	٨٣
فقال اقرأ جب آپ ﷺ امی تھے تو قرأت کا حکم کیوں دیا گیا؟	٨٤
غطات ثلاثہ کے متعلق علمائے باطن کی رائے	٨٤
نسبت کی اقسام اربعہ	٨٤
خواجہ باقی باللہ اور ایک طباخ کا قصہ	٨٥
خلافت بلا فصل کی حکمتیں	٨٦
خلافت ثلاثہ کے متعلق حضرت اقدس کی رائے	٨٦
اول ما نزل کا مصداق	٨٦
علم وقلم میں باہمی جوڑ	٨٧
فرجع بها الخ	٨٧
تعدد ازواج کی مصلحت	٨٨
التعارض بین قوله زملونی زملونی وبین قوله وان جبینه لیتفصد عرقا	٨٨

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
لقد خشیت علی نفسی	۸۹
وجوہ خشیة	۸۹
مایخزیک الله ابدا	۸۹
انک لتصل الرحم	۸۹
وتحمل الکل	۸۹
وتکسب المعدوم	۹۰
تعین علی نوائب الحق	۹۰
ورقه بن نوفل	۹۰
فیکتب من الانجیل بالعبرانیه و اختلاف نسخ	۹۰
اسمع من ابن اخیک	۹۱
نزل الله علی موسی کتب ساویہ میں آپ ﷺ کے اوصاف کا مذکور ہونا	۹۱
یالیتنی فیھا جذعا	۹۱
او مخرجی ھم	۹۱
لم یاتی رجل قط بمثل ماجئت به الا عودی	۹۲
ایمان ورقہ	۹۲
اصابہ کی ترتیب انتقال ورقہ بن نوفل	۹۲
مدت فترۃ اوراس کی حکمتیں	۹۳
ہمیں ثقل وحی کا احساس کیوں نہیں ہوتا	۹۳
صوفیاء کا ایک معمول	۹۳
قال ابن شھاب	۹۳
وھویحدث	۹۳
فرعبت	۹۳
والرجز فاھجر اوراس پرایک اشکال وجواب	۹۳
تابعه عبدالله بن یوسف	۹۴
متابعت کی قسمیں اوراس کا فائدہ	۹۴
وقال یونس ومعمر بوادرہ	۹۴
حدیث کی باب سے مطابقت	۹۴
لا تحرک به لسانک اورحدیث کی باب سے مناسبت	۹۴
یعالج من التنزیل شدة	۹۵
عظمت وحی کا اندازہ	۹۵
وکان مما یحرک شفتیه	۹۵
قال ابن عباس فانا احرکھما	۹۵
ان علینا بیانه اوراس میں تفسیری اختلاف	۹۵
حاءتحویل میں علماء کے مختلف اقوال	۹۵
ومعمر نحوہ	۹۶
حضور ﷺ کا فقروفاقہ غایت درجہ سخاوت کی وجہ سے تھا	۹۶
حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث سے حضور ﷺ کی معیشت معلوم ہونا	۹۶
فیدارسه القرآن	۹۷
ریح مرسلہ کے ساتھ تشبیہ	۹۷
ترجمہ کے ساتھ وجوہ مناسبت	۹۸
حدثنا ابوالیمان، حدیث ہرقل	۹۸
مکی زندگی کے مصائب وآلام	۹۸
صلح حدیبیہ اورنزول سورہ فتح	۹۹
مکتوبات نبوی کی ابتداء	۹۹

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
ہرقل اور ملک فارس کی باہمی منازعت	١٠٠
دعابتر جمانه	١٠٠
قیصر کے دس سوالات	١٠١
لفظ قطُّ کا استعمال	١٠١
جوابات کا غیر مرتب ہونا	١٠١
نواں سوال اور اس کا جواب	١٠٣
جو ترقی ضعفاء سے شروع ہو کر اقویا کی طرف جاتی ہے وہی معتبر ہے	١٠٤
حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ (حاشیہ میں)	١٠٤
مکتوب سلیمانی پر ایک اشکال اور اس کے دو جواب	١٠٥
دربار ہرقل میں مکتوب نبوی ﷺ	١٠٥
کافروں کو سلام کرنے کا طریقہ	١٠٦
موافقات عمر	١٠٦
وجہ ارتداد عبداللہ بن سعد بن ابی سرح	١٠٦
لقد امر امر ابن ابی کبشه	١٠٧
ابن ابی کبشہ سے تعبیر کرنے کی وجوہات	١٠٧
ایک اشکال اور چکی کا پاٹ	١٠٨
ضغاطر کا مشرف با اسلام ہونا	١٠٩
فکان ذلک اخر شان هرقل	١٠٩
اسلام ہرقل	١٠٩
براعۃ اختتام	١١٠
حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت	١١٠
کتاب الایمان	١١١
غیر محل میں بسم اللہ کا مذکور ہونا	١١١

مضامین	صفحہ نمبر
کتاب الایمان سے ابتداء کرنے کی وجہ اور کتاب الوحی کی تقدیم کا سبب	١١١
تحقیق الایمان	١١١
ایمان کے بارے میں اہل سنت کا اختلاف صرف لفظی ہے	١١٢
امام بخاری رحمہ اللہ کے یہ تراجم احناف پر رد کرنے کے لئے نہیں ہیں	١١٣
مرجیہ پر قوت سے تنقید کرنے کی وجہ	١١٣
باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس الخ	١١٣
خیمہ کے ساتھ تشبیہ اور وجہ شبہ	١١٣
اجزاء ترجمہ	١١٣
اہل حدیث کا تجاہل	١١٣
مختلف آیات قرآنیہ سے استدلال	١١٤
امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک عادت	١١٤
ایک بزرگ کی حکایت	١١٤
وکتب عمر بن عبدالعزیز رحمه الله	١١٥
ولکن لیطمئن قلبی	١١٥
آیت کریمہ کو مستقل ذکر کرنے کی وجہ	١١٥
وقال معاذ اجلس بنا الخ	١١٥
او حیناک یامحمد و ایاه الخ	١١٦
ایک اشکال اور حافظ کی طرف سے اس کا جواب	١١٦
آیتین کے درمیان رفع تنازع	١١٦
ودعائکم ایمانکم اور اختلاف نسخ	١١٧
باب امور الایمان	١١٧
اغراض ترجمہ	١١٧
آیت کریمہ سے استدلال	١١٨

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
بضع وستون شعبة اوراختلاف روایات	۱۱۸
وادناها اماطة الاذی	۱۱۸
اذیٰ کی تفسیر	۱۱۸
الحیاء شعبة من الایمان	۱۱۸
حیاء کا تعلق شعبہ ایمانیہ سے	۱۱۹
حیاء جزء ایمان کس طرح ہے	۱۱۹
باب المسلم من سلم المسلمون	۱۱۹
اجزاء حدیث کی تشریح	۱۱۹
باب ای الاسلام افضل	۱۲۰
کتاب الایمان میں اسلام، دین کو ذکر کرنے کی وجہ	۱۲۰
ایمان اسلام کے لغوی معنیٰ	۱۲۰
باب اطعام الطعام	۱۲۱
باب من الایمان ان یحب لاخیه الخ	۱۲۱
حدیث پاک اور دعائے سلیمانی کے درمیان تعارض	۱۲۱
عن الحسین المعلم الخ	۱۲۱
سند پر اشکال اور اس کا جواب	۱۲۱
باب حب رسول الله ﷺ	۱۲۲
محبت کے اقسام	۱۲۲
میرے والد صاحب کا ارشاد	۱۲۲
تقدیم والد کی وجوہات	۱۲۲
باب حلاوة الایمان	۱۲۳
شراح کی رائے	۱۲۳
میرے والد صاحب کا ارشاد	۱۲۳

مضامین	صفحہ نمبر
معیار محبت	۱۲۳
باب علامة الایمان حب الانصار	۱۲۳
انصار کی محبت پر تحریض	۱۲۳
باب (بلا ترجمہ)	۱۲۴
باب بلا ترجمہ کی مختلف توجیہات	۱۲۴
مرجئہ وخوارج پر رد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان	۱۲۵
فضائل شرکاء بدر	۱۲۵
وهو احد النقباء الخ	۱۲۵
ہجرت سے قبل کی ایک عادت مبارکہ	۱۲۵
ایام حج میں آپ ﷺ کا قبائل پر اسلام پیش فرمانا	۱۲۵
عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ	۱۲۶
حدیث کی باب سے مناسبت	۱۲۶
بایعونی علیٰ ان لاتشرکوا الخ	۱۲۶
حدیث سے بیعت السلوک کا ثبوت	۱۲۶
ولاتاتوا ببهتان الخ	۱۲۷
اس جملۂ حدیث کے متعدد مطالب	۱۲۷
فهو کفارة له	۱۲۷
حدود کفارہ ہیں یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف	۱۲۷
احناف کے نزدیک اوفق بالقرآن کا راجح ہونا اور اس سلسلے میں دیگر ائمہ کے مسالک	۱۲۸
باب من الدین الفرار من الفتن	۱۲۸
دین، اسلام، ایمان تینوں معناً متحد ہیں	۱۲۸
باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم	۱۲۹

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
باب کی کتاب العلم سے مناسبت اور شارحین کے مختلف اقوال	۱۲۹
معرفت فعل قلب ہے مقصد باب	۱۲۹
باب من کرہ ان یعود الخ	۱۳۰
کتاب الایمان سے مناسبت	۱۳۰
باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال	۱۳۰
حنفیہ کی تائید	۱۳۰
مرجئہ وخوارج پر رد	۱۳۱
باب الحیاء من الایمان	۱۳۱
باب فان تابوا الخ	۱۳۱
غرض ترجمہ میں شراح ومشائخ کے مختلف اقوال	۱۳۱
باب من قال ان الایمان	۱۳۲
تکرار ترجمہ	۱۳۲
باب اذا لم یکن الاسلام الخ	۱۳۲
ایمان واسلام کا اتحاد اور دفع تعارض	۱۳۲
جملہ حدیث الانصاف من نفسک کی شرح	۱۳۳
انصاف نبوی کی ایک مثال	۱۳۳
والانفاق من الاقتار	۱۳۴
سخاوت صدیقی	۱۳۴
باب کفران العشیر	۱۳۴
باب کی مناسبت کتاب الایمان سے	۱۳۴
اکثر اهلها النساء اور دفع تعارض	۱۳۵
انبیاء اور اولیاء کے کشوف کا فرق اور اس کی وجہ	۱۳۵
باب المعاصی من امر الجاهلیة	۱۳۵
ترجمہ کا ثبوت	۱۳۵
ولا یکفر صاحبها اور خوارج پر رد	۱۳۶
ذهبت لانصر هذا الرجل	۱۳۶
القاتل والمقتول فی النار	۱۳۶
زہد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۶
انک امرء فیک جاهلیة	۱۳۷
باب ظلم دون ظلم	۱۳۷
غرض الباب	۱۳۷
اینا لم یظلم	۱۳۷
باب علامة المنافق	۱۳۸
آیة المنافق ثلث اور ایک اشکال وجواب	۱۳۸
باب قیام لیلة القدر	۱۳۹
غرض ترجمہ	۱۳۹
باب الجهاد من الایمان	۱۳۹
ثم احیٰ ثم اقتل	۱۴۰
باب تطوع قیام رمضان	۱۴۰
باب صوم رمضان	۱۴۰
احتساب کا مطلب اور اس کی اہمیت	۱۴۰
باب الدین یسر	۱۴۰
خوارج کی تنگ نظری	۱۴۰
ملت حنفیہ کا مصداق	۱۴۰
ولن یشاد الدین احد الخ	۱۴۱
باب الصلوة من الایمان	۱۴۱

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
تحویل قبلہ پر یہود کا اعتراض	۱۴۱
مدت نسخ قبلہ	۱۴۲
تحویل قبلہ کہاں ہوا اور کب ہوا؟	۱۴۳
مولانا محمد حسن مکی کا تعارف	۱۴۳
فدار واکماھم	۱۴۳
خبر واحد سے تحویل قبلہ ہونا	۱۴۴
باب حسن اسلام المرء	۱۴۴
مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۱۴۴
حالت کفر کے اعمال حسنہ	۱۴۴
باب احب الدین الی اللہ	۱۴۴
باب زیادۃ الایمان	۱۴۵
تکرار باب	۱۴۵
الیوم اکملت لکم	۱۴۵
اکمال کا مطلب	۱۴۵
قدعرفنا ذالک الیوم	۱۴۵
سوال وجواب میں تطبیق	۱۴۶
باب الزکوۃ من الاسلام	۱۴۶
مقصود باب	۱۴۶
نسمع دویّ صوتہ	۱۴۶
دوی کے معنی وتشریح	۱۴۶
هل علیّ غیر هاقال :"لا"	۱۴۷
احناف پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۴۷
الاان تطوع	۱۴۷
مسئلہ خلافیہ	۱۴۷
واللہ لا زید علی هذا پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۴۸
ہماری نمازوں کی حالت	۱۴۸
باب اتباع الجنائز من الایمان	۱۴۹
شعب ایمانیہ کو اتباع جنائز پر ختم کرنے کی حکمت	۱۴۹
باب خوف المومن ان یحبط عملہ	۱۴۹
فرقہ احباطیہ پر رد	۱۴۹
حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نفاق سے خوف	۱۴۹
مامنهم احد یقول	۱۴۹
ایمانی کایمان جبرئیل کا مفہوم ومطلب	۱۵۰
اصرار علی المعاصی کفر تک پہنچا دیتا ہے	۱۵۰
شاہ عبدالعزیز کا فرمان	۱۵۰
باہمی رنجش کا نتیجہ	۱۵۰
باب سوال جبرئیل الخ	۱۵۱
مقصود امام بخاری رحمہ اللہ کی وضاحت	۱۵۱
ان تعبداللہ کانک تراہ اور اس کی شرح	۱۵۱
اذا ولدت الامۃ ربتها	۱۵۱
باب (بلاترجمہ)	۱۵۲
باب فضل من استبرء لدینه	۱۵۲
غرض ترجمہ	۱۵۲
ضربات ذکر اور اس کی حکمتیں	۱۵۳
باب اداء الخمس	۱۵۳
ابو جمرہ کا خواب	۱۵۳

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
وفادة عبدالقیس دومرتبہ ہے	۱۵۴
غیر خزایا ولا ندامیٰ	۱۵۵
فامرهم باربع اشکال وجواب	۱۵۵
باب ماجاء ان الاعمال الخ	۱۵۶
غرض ترجمہ	۱۵۶
حدیث سے شوافع کا ایک استدلال اوراس کا جواب	۱۵۶
باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة	۱۵۷
حدیث پاک کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ کی رائے	۱۵۷
بیعت صوفیہ پراعتراض جہالت ہے	۱۵۷
مرید کے احوال کے مطابق بیعت	۱۵۷
براعة اختتام	۱۵۸
معروضات	۱۵۸
کتاب العلم	۱۵۹
ماقبل سے مناسبت	۱۵۹
باب فضل العلم	۱۵۹
آیات قرآنی سے استدلال کی وجوہ	۱۵۹
باب من سئل علما	۱۶۰
ایک مسئلہ	۱۶۰
ترجمة الباب کی اغراض	۱۶۰
جائه اعرابی	۱۶۰
محدثین کا کمال احتیاط	۱۶۰
کیف اضاعتها	۱۶۱
امانت کے ضائع ہونے کا مفہوم	۱۶۱
باب من رفع صوته بالعلم	۱۶۱
باب کی اغراض	۱۶۱
باب قول المحدث حدثنا واخبرنا	۱۶۱
غرض ترجمہ	۱۶۲
ان من الشجر شجرة	۱۶۲
وجوہ تشبیہ	۱۶۲
باب طرح الامام المسئلة	۱۶۳
باب القراءة والعرض	۱۶۳
ترجمہ کی غرض	۱۶۳
قراءت علی المحدث	۱۶۴
عرض علی المحدث	۱۶۴
بین ظهرانیهم	۱۶۴
باب مایذکر فی المناولة	۱۶۵
جمع قرآن پاک	۱۶۶
مکتوبات نبوی	۱۶۶
کسریٰ کے لئے بددعا اوراس کی ہلاکت	۱۶۶
اتخاذ خاتم	۱۶۸
باب من قعد حیث ینتهی	۱۶۷
باب قول النبی ﷺ رب مبلغ	۱۶۸
ترجمة الباب کی دوغرضیں	۱۶۸
علم سیکھنا ضروری ہے	۱۶۸
شامی کا ایک مسئلہ	۱۶۸
کم علمی کا ایک واقعہ	۱۶۹

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
حدیث ذکر نہ کرنے کی وجہ	۱۷۰
باب ما كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۷۰
غرض باب	۱۷۰
باب من جعل لاهل العلم	۱۷۰
غرض باب	۱۷۰
ایصال ثواب کے لئے تعیین اوقات	۱۷۰
حدیث موقوف سے استدلال	۱۷۱
باب من یرد الله به الخ	۱۷۱
غرض باب	۱۷۱
باب الفهم فی العلم	۱۷۱
غرض ترجمہ	۱۷۱
باب الاغتباط فی العلم	۱۷۱
حسد اور غبطہ کا فرق	۱۷۱
غرض مصنف	۱۷۱
وقال عمر تفقهوا قبل ان تسودوا	۱۷۲
على غير ماحدثناه الزهرى	۱۷۲
باب ماذكر فی ذهاب موسی علیہ السلام	۱۷۳
آیۃ کریمہ اور ترجمۃ الباب میں تعارض	۱۷۳
اغراض ترجمہ	۱۷۳
انه تمارى هو والحربن قيس	۱۷۴
روایات کے اختلاف پر ایک تنبیہ	۱۷۴
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم علمه الكتاب	۱۷۵
اغراض ترجمہ	۱۷۵

مضامین	صفحہ نمبر
ابن عباس کی ذہانت	۱۷۵
باب متى يصح سماع الصغير	۱۷۶
باب الخروج فی طلب العلم	۱۷۶
غرض باب	۱۷۶
باب فضل من علم وعلم	۱۷۷
جمع اضداد اور ترجمہ کی غرض	۱۷۷
مثل ما بعثنی الله به من الهدى	۱۷۷
حدیث پاک کی شرح	۱۷۷
باب رفع العلم وظهور الجهل	۱۷۸
غرض ترجمہ	۱۷۸
اضاعت نفس کے پانچ مطلب	۱۷۸
وتکثر النساء	۱۷۹
باب فضل العلم	۱۷۹
غرض ترجمہ	۱۷۹
فضل کے دو معنی	۱۷۹
باب الفتيا وهو واقف	۱۸۰
اغراض ترجمہ	۱۸۰
ماعلمک بهذا الرجل اور اس جملہ میں مختلف اقوال	۱۸۱
باب تحريض النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸۲
باب کی غرض	۱۸۲
تبلیغی جماعت پر ایک الزام اور اس کا جواب	۱۸۲
باب الرحلة فی المسئلة النازلة	۱۸۳
غرض باب	۱۸۳

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
شہادۃ مرضعہ واحدہ میں ائمہ کا اختلاف	۱۸۳
باب التناؤب فی العلم	۱۸۳
فقال قدحدث امر عظیم	۱۸۳
امر عظیم کی تفصیل	۱۸۳
باب الغضب فی المواعظة	۱۸۴
ترجمہ کی غرض	۱۸۴
اونٹ کی خصوصیت	۱۸۵
باب من برک علی رکبتیه	۱۸۵
غرض باب	۱۸۵
باب من اعاد الحدیث	۱۸۵
غرض باب	۱۸۵
باب تعلیم الرجل امته الخ	۱۸۶
تشریح حدیث	۱۸۶
ثلاثة لهم اجران	۱۸۶
دوہرا اجر ملنے کی تفصیل اور اس کی وجوہ	۱۸۶
مدارس کی کثرت اور علم کی ناقدری	۱۸۷
باب عظة الامام النساء	۱۸۷
غرض باب	۱۸۷
مدارس کے چندہ کا ماخذ	۱۸۷
باب الحرص علی الحدیث	۱۸۸
باب کیف یقبض العلم	۱۸۸
قبض علم کی کیفیت اور اس کی صورتیں	۱۸۸
باب هل یجعل للنساء یوم	۱۸۹
غرض ترجمہ	۱۸۹
باب من سمع شیئا فلم یفهمه	۱۹۰
ترجمۃ الباب کی غرض	۱۹۰
باب لیبلغ الشاهد الغائب	۱۹۱
غرض باب	۱۹۱
حرم میں حدود و قصاص کا قائم کرنا	۱۹۱
باب اثم من کذب الخ	۱۹۲
غرض باب	۱۹۲
احادیث باب میں ترتیب	۱۹۲
تسموا باسمی الخ	۱۹۳
ممانعت کی وجہ	۱۹۳
ائمہ کے مذاہب	۱۹۳
ان الشیطان لا یتمثل پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۹۳
باب کتابة العلم	۱۹۳
کتابت حدیث	۱۹۳
قلت لعلی هل عندکم کتاب	۱۹۴
روافض کی بوالعجبیاں	۱۹۴
الا وانها لم تحل لاحد لها	۱۹۵
خیر النظرین کا مطلب	۱۹۵
فجاء رجل من اهل الیمن	۱۹۶
کیا احکامات میں آپ کو اختیار تھا؟	۱۹۶
فانه کان یکتب ولا اکتب	۱۹۶
مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۹۷

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین	صفحہ نمبر
ائتونی بکتاب اکتب لکم	۱۹۷
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کی وجوہات	۱۹۸
باب العلم والعظة بالليل	۱۹۹
باب السمر فی العلم	۱۹۹
غرض ترجمہ	۱۹۹
خواجہ رتن ہندی	۲۰۰
بت فی بیت خالتي ميمونة	۲۰۰
باب حفظ العلم	۲۰۰
غرض باب	۲۰۰
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شوق علم	۲۰۱
فمانسيت شيئا بعد الخ	۲۰۱
دعائیں اوران کا مصداق	۲۰۲
باب الانصات للعالم الخ	۲۰۳
غرض ترجمہ	۲۰۳
باب من سال وهوقائم	۲۰۴
غرض ترجمہ	۲۰۴
باب السوال والفتياء	۲۰۴
غرض ترجمہ میں مختلف اقوال	۲۰۴
باب قول الله تعالیٰ وماأوتيتم	۲۰۴
مقصد ترجمہ	۲۰۴

مضامین	صفحہ نمبر
مسئلہ علم غیب	۲۰۴
عالم امر و عالم خلق	۲۰۵
باب من ترک بعض الاختيار	۲۰۵
غرض ترجمہ	۲۰۵
باب من خص بالعلم قوما	۲۰۶
غرض ترجمہ	۲۰۶
دونوں ترجموں میں فرق	۲۰۶
باب الحياء في العلم	۲۰۷
غرض ترجمہ	۲۰۷
احتلام مرأة اور فلاسفہ کے اقوال	۲۰۷
اولاد کا ماں باپ کے مشابہ ہونا	۲۰۷
باب من استحيى فامر غيره	۲۰۸
غرض ترجمہ	۲۰۸
اختلاف روایات	۲۰۵
باب ذكر العلم	۲۰۸
مقصد باب	۲۰۸
باب من اجاب باكثر مماساله	۲۰۸
غرض باب	۲۰۸
براعة اختتام	۲۰۹

Maktaba Tul Ishaat. com

کلمات دعائیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس ناکارہ کی بخاری شریف کی تقریر کا حصہ اول عزیز شاہد سلمہ نے دوسال قبل طبع کیا تھا۔ جس کی تفصیل میں اس کی تمہید میں لکھ چکا ہوں۔ اس وقت مدینہ منورہ میں معلوم ہوا کہ میرے مخلص دوست مولانا الحاج محمد یحیٰ صاحب مدنی (مدیر مکتبۃ الشیخ بہادرآباد کراچی پاکستان) اس کو دوبارہ طبع کرا رہے ہیں۔ اور مجھ سے چند کلمات دعائیہ لکھوانے کی فرمائش کی ہے۔ یہ ناکارہ اپنی نااہلیت کے باوجود بالخصوص حدیث پاک کی خدمت کو تو بہت اہم سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے موصوف کو ان کی مساعی جمیلہ کا دونوں جہاں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور کتاب کے فوائد سے لوگوں کو زائد سے زائد متمتع فرمائے اور جو خطاء ولغزش اس سیہ کار سے یا ناقلین سے ہوئی اس کو اپنے فضل سے معاف فرمائے اور لوگوں کو اس سے محفوظ فرمائے۔ فقط۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا الحاج) **محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ**

مدینہ منورہ

۸ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ

Maktaba Tul Ishaat. com

کلمات طیبات

از حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا الحاج محمد زکریا صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ثم مہاجر مدنی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہوا جن کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل
وہی گل ہوائے خزاں کھا رہے ہیں

یہ ناکارہ ۴۴ھ میں دوسری مرتبہ اپنے حضرت مرشدی ومرشد عالم مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کی ہمرکابی میں حجاز مقدس حاضر ہوا تھا اور شروع ۴۶ھ میں وہاں سے واپسی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے حقیقتاً تو اپنی گندگیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اور ظاہراً مدرسہ کے تدریسی وانتظامی مشاغل کے علاوہ اپنے تالیفی مشاغل کی وجہ سے (جس کا چسکہ بذل المجہود کی تالیف کے سلسلہ میں پڑ گیا تھا) حاضری میسر نہ ہوئی۔ میرے مخدوم، مخدوم العالم شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ نے بھی دو مرتبہ بہت ہی شدید اصرار اس نابکار کی ہمرکابی پر کیا۔ اور قدوۃ التواضع والمراحم حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے آخری سفر میں اس سیہ کار کی ہمرکابی پر بہت ہی اصرار فرمایا۔ بلکہ حضرت رائے پوری قدس سرہ کا یہ آخری سفر اس سیہ کار کے حج کرانے کے لئے ہی ہوا تھا۔ جیسا کہ غالباً آپ بیتی میں کسی جگہ لکھوا بھی چکا ہوں۔ تجویز ہوائی جہاز سے جانے کی تھی جس کو حکومت مصر نے عین وقت پر اپنی سرحد سے پرواز کرنے کی ممانعت کر دی اور یہ نابکار اپنی جوانی میں بھی یعنی ۳۸ھ میں جب کہ میرا پہلا سفر حج ہوا تھا اور اس وقت میری عمر ۲۲، ۲۳ سال کی تھی بحری جہاز کی ہواؤں اور بدبوؤں کا تحمل نہ کر سکا تھا کہ ہر وقت دوران سر کی وجہ سے پڑا رہتا تھا۔

اس لئے اس موقعہ پر ہمرکابی کی ہمت نہ کر سکا۔ اور چونکہ حضرت رائے پوری کے عزم وارادہ کی وجہ سے بہت سے خدام نے اپنے حج فرض کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر میں ارادہ ملتوی کرتا ہوں تو ان سب کا حج فرض ملتوی ہو جائے گا۔ اس لئے باوجود ضعف وپیری کے حضرت نے بحری جہاز سے سفر فرمایا اور یہ محروم محروم ہی رہا۔ لیکن ۸۳ھ میں عزیز گرامی قدر ومنزلت قرۃ العین وفلذۃ الکبد مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ہمرکابی میں ہوائی جہاز سے لے جانے پر اتنا شدید اصرار کیا کہ میرا کوئی عذر قبول نہیں کیا۔ اس کی تفصیل بھی غالباً میں آپ بیتی میں سفر حج کے سلسلہ میں لکھوا چکا ہوں۔ مرحوم اپنی غایت محبت کی وجہ سے اہل حجاز اور اہل مطہرہ سے یہ وعدہ بھی کر آئے کہ ہر تیسرے سال میں بھی آؤں گا اور شیخ الحدیث کو بھی ساتھ لایا کروں گا۔ وہ مرحوم تو وعدہ کر کے دار البقاء تشریف لے گئے اور ان کے در اثر سے اس سیہ کار کے سفر حجاز کا راستہ کھل گیا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

اس کے بعد کئی مرتبہ حاضری ہوئی اور بعض مرتبہ طویل قیام کی بھی نوبت آئی جس کی تفصیل اگر مقدر میں ہوئی اور آپ بیتی کا کوئی حصہ بعد میں لکھا گیا تو اس میں آجائے گی۔ کہ یہاں تو مضمون دوسرا ہے۔ وہ یہ کہ میں اپنے طویل قیام میں اس کتب خانہ کی کنجی جس کو میں نے اپنی زندگی اور حیات میں کسی کو بھی نہیں دی بلکہ اپنی غیبت میں اپنے کتب خانہ میں کسی کا قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہاں میری عمر بھر کی کمائی، علمی خطوط، سلوکی خطوط، اکابر کے خطوط کا ذخیرہ پلندوں میں بندھا ہوا رکھا ہے۔ میری غیبت میں میرے اس فقرے سے فائدہ اٹھا کر کہ بارش وغیرہ میں کمرے کو دیکھتے رہیو، میرے دامادوں بالخصوص میرے نواسہ عزیز شاہد سلمہ نے بہت بری طرح اس پر قبضہ کیا میں حجاز میں بھی سنتا رہا اور واپسی پر بھی معلوم ہوا کہ میرے اہم خطوط اور علمی خزانے عزیز شاہد نے سارے ہی چھان ڈالے۔

میں نے حجاز کے قیام میں عزیز شاہد کو لکھا کہ یہ ساری چیزیں غیر مربوط مسودے ہیں۔ اتنے اس پر کسی معتمد کی نظر ثانی نہ ہو ہرگز طبع نہ کرائیں۔ اور میں اب اس قابل نہیں رہا کہ ان پر نظر ثانی کر سکوں۔ اور غور کر سکوں۔ لہٰذا جب تک مفتی محمود صاحب گنگوہی عزیزان مولوی عاقل و مولوی سلمان میں سے کوئی غور سے نظر ثانی نہ کرے اتنے کوئی چیز طبع نہ کی جائے مگر عزیز موصوف کی نوعمری کا زور اور میرے بعض دوستوں کا حسن ظن کہ انہوں نے بغیر نظر ثانی کی ضرورت کے اس کو طبع کرنے کی اجازت دیدی جس کا مجھے قلق ہے مگر چونکہ کئی چیزوں کی کتابت بھی ہو چکی۔ اور اختلاف الائمہ کا ایک نہایت مختصر اور ابتدائی حصہ طبع بھی ہو چکا جس کے متعلق میرے دوستوں نے کہا کہ جتنا بھی ہو جائے بہت کار آمد ہے طبع کرا لیا جائے میرے تعجب کی انتہاء نہ رہی۔ جب لندن، افریقہ، حجاز، ہندو پاک سے اس ناقص حصہ کے بہت زیادہ مفید ہونے کے میرے پاس خطوط پہنچے اور ہندو پاک کے بعض احباب نے دوبارہ مجھ سے اس کی طباعت کی اجازت منگائی میں نے ان کو ضابطہ کا تو یہ جواب دیدیا کہ میری اردو عربی کی ہر کتاب کے طبع کرنے کی شوق سے اجازت ہے۔ مگر عزیز شاہد نے چونکہ اس کو طبع کرایا ہے۔ اس لئے ضابطہ کی اجازت اس سے لیں۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو دارین میں بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس نے اجازت دینے میں کسی کو بخل سے کام نہیں لیا۔

اسی سلسلہ میں اس ناکارہ نے ۱۳۹۰ھ میں یہ خبر سنی کہ عزیز موصوف نے میری بخاری شریف کی تین تقاریر سب سے اول میرے مخلص دوست الحاج مولوی احسان الحق لائل پوری حال مدرس مدرسہ عربی رائے ونڈ ضلع لاہور جنہوں نے ۷۹ھ میں اس سیہ کار سے بخاری شریف پڑھی۔ اور بہت اہتمام سے اس کی تقریر لکھی۔ اور دوسری تقریر میرے مخلص مولوی محمد یونس صاحب جونپوری حال شیخ الحدیث مظاہر علوم جنہوں نے مسلسل ۸۰ء و ۸۱ء میں دو سال اس سیہ کار سے بخاری شریف پڑھی اور سب سے آخری میرے خواہر زادے اور داماد عزیزم مولوی حافظ محمد سلیمان سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم کی تقریر جنہوں نے ۸۶ھ میں مجھ سے ہی بخاری پڑھی۔ ان سب تقریروں کو سامنے رکھ کر عزیزم مولوی شاہد سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم نے ایک مکمل اور مسلسل تقریر جمع کرنی شروع کی اور فرط شوق میں اس کا اشتہار بھی قبل از وقت دے دیا اور اپنے اعتماد پر میری نظر ثانی کی اطلاعات بھی

Maktaba Tul Ishaat. com

اشتہار میں شائع کردیں۔آں عزیز کو یقین تھا کہ جب میں اصرار کروں گا تو وہ رد نہیں کرے گا اور یہ خیال صحیح بھی تھا لیکن امراض کی کثرت، ضعف دماغ، اور معذوری کی وجہ سے میں نے اپنے سننے سے تو معذوری ظاہر کردی لیکن یہ ضروری سمجھا کہ اس منتخب مجموعہ کو عزیزم مولوی یونس سلمہ ضرور ملاحظہ کر کے اس کی تصحیح کردیں۔ مولانا موصوف نے اس کو قبول بھی فرمالیا لیکن وہ اپنے امراض کی کثرت کی وجہ سے نیز مدرسہ کے اسباق کی وجہ سے بہت ہی تاخیر سے نظر ثانی فرماسکے حتی کہ دوسال میں اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس کو تقریر کا حصہ اول قرار دیا جائے۔ ادھر عزیز شاہد کے قبل از وقت اشتہار دیدینے کی وجہ سے مجھ پر اور خود اس پر فرمائشوں کی بھرمار شروع ہوگئی۔ اس لئے اب میں نے یہ تجویز کیا کہ جتنا بھی ہوچکا گو مختصر ہے اسے حصہ اول قرار دے کر شائع کردیا جائے۔ اور اس کے بعد حصہ ثانی سے مولوی محمد یونس صاحب اپنی دونوں تقریروں پر نظر ثانی فرما کر حذف واضافہ کے ساتھ عزیز شاہد کے حوالہ کرتے رہیں تاکہ آں عزیز اس کو اصل قرار دے اور اگر مولوی احسان الحق صاحب یا عزیز مولوی سلیمان کی تقریر میں کوئی اضافہ ملے تو اس کا حاشیہ میں اضافہ کردیا جائے اور ان حواشی کی نظر ثانی عزیزان مولوی اظہار الحسن کاندھلوی مدرس حدیث مدرسہ کاشف العلوم دہلی اور عزیزم مولوی محمد عاقل سلمہ صدر المدرسین مظاہر علوم اور عزیز مولوی سلیمان سلمہ مدرس مدرسہ میں سے کوئی کرتا رہے تاکہ سب تقریروں پر نظر ثانی کا انتساب مولوی یونس صاحب کی طرف نہ ہو اور تاخیر بھی نہ ہو۔ اس لئے آئندہ جلد ثانی سے یہی ترتیب تجویز ہوگی جو لکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ عزیز شاہد سلمہ کی مساعی جمیلہ کو مثمر ثمرات بنائے۔ اور اس کو ان مساعی جمیلہ کا دونوں جہان میں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے کہ بہت مبارک جذبہ ہے اگرچہ عجلت میں ناتجربہ کاری ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ میری اور میرے ان سب معاونین اور دوستوں کی اور عزیز شاہد سلمہ کی لغزشوں سے درگزر فرما کر ان سب دوستوں کو ان کی مساعی کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے ان دوستوں کو جو مجھ ناپاک سے مالک کی ستاری کی وجہ سے حسن ظن ہے اس کی لاج رکھتے ہوئے ارشاد عالی انا عند ظن عبدی بی کے مطابق ان سب کے ساتھ ان کے حسن ظن کے موافق معاملہ فرمائے۔

واللہ الموفق لمایحب ویرضی واٰخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

(حضرت مولانا الحاج) محمد زکریا نوراللہ مرقدہ

۱۸ صفر ۱۳۹۲ھ

Maktaba Tul Ishaat. com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری شیخ الحدیث (سابق) فلاح دارین گجرات

علم حدیث درحقیقت نبی کریم کی مبارک زندگی کی نہایت مستند و معتمد تاریخ ہے۔ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے جو عشق و محبت کا تعلق ہے۔ دیگر امتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسی لئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر خد و خال کو کمال دیانت و احتیاط سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے آج اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تصویر اور کامل زندگی کا نقشہ دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے احادیث کی کتابیں کافی ہیں۔ اپنے اس غیر معمولی تعلق کی بناء پر مسلمانوں نے الہامی طور پر علم حدیث کی حفاظت و صیانت کے لئے جو محیر العقول کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں۔ انہوں نے اس علم کی حفاظت و تدوین، نقل و اشاعت اور جمع و ترتیب، ضبط و اتقان اور ان تمام علوم پر خصوصی توجہ صرف کی جس کا اس علم سے کوئی تعلق یا رشتہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی عنایت خاصہ جو اس علم کی حفاظت و صیانت کے ساتھ رہی ہے اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب ایک غیبی نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اس امت میں ایسے غیر معمولی ذکی و ذہین افراد کا ایک سیلاب نظر آتا ہے جو اس علم کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی طلب میں براعظموں و سمندروں کو پار کر لینا، مصائب کو برداشت کر لینا اور دشوار گزار راستوں کو طے کر لینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات بن گئی۔ انہوں نے علم کی خدمت و اشاعت کا ایسا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا کہ گزشتہ امتوں اور سابق تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ وہ اپنے شغف اور عشق و بلند ہمتی اور خدمت علم اور اپنے ایثار و قربانی میں بے نظیر تھے۔

یہ محض امر اتفاقی نہیں بلکہ قدرت الٰہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر بین مادہ پرست انسانوں کے لئے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کی پیشانی پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیونکر ہوا؟ درحقیقت اسرار الٰہی میں سے ایک سر اور ایک روشن دلیل ہے کہ یہ رسالت آخری ہے۔ اور اس شریعت کے تا قیامت بقاء و دوام کا فیصلہ ہے۔

یہی غیبی انتظام اس امت کے لئے علم حدیث کی حفاظت اور مسائل کے استنباط و استخراج اور تمام علوم اسلامیہ اور اس کے متعلقات کی تدوین اور تالیف و تصنیف اور قیام مدارس کا سبب بنا۔ تمام بلاد اسلامیہ جہاں جہاں مسلمان فاتحین و مجاہدین، صوفیا و مبلغین، اساتذہ و مدرسین، فقہاء اور محدثین کے قدم پہنچے وہ اپنے ساتھ اپنے قرآن اور علم حدیث اور دیگر علوم کو لے گئے اور ان کی نشر و اشاعت کی۔

اسلام کی کرنیں سرزمین ہند میں قرن اول میں پہنچ چکی تھیں ان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تھے۔ تاریخ میں خصوصیت سے ربیع بن صبیح سعدی بصری رحمۃ اللہ کا اسم گرامی ملتا ہے جو تبع تابعی بھی ہیں جو اس ملک میں تشریف لائے جن کے بارے علامہ چلپی کشف الظنون میں لکھتے ہیں۔ ھو اول من صنف فی الاسلام اسلام کے پہلے مصنفین میں ان کا شمار ہے گجرات کے ضلع بھروچ کے مقام بہاڑ بھوت میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

اگرچہ پہلی صدیوں میں اس ملک میں علم حدیث کا چرچا نہیں ہوا تھا جو بتدریج بعد کی صدیوں میں ترقی کر کے آگے بڑھتا رہا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ ملک محدثین کے وجود اور ان کے حلقہائے درس سے خالی تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا سلسلہ

Maktaba Tul Ishaat. com

مضامین ''ہندوستان میں علم حدیث''۔

خصوصیت کے ساتھ نویں ودسویں صدی میں خاصی تعداد اس ملک میں محدثین کرام کی وارد ہوئی۔ اور شاہان گجرات کی علم کی قدر دانی کی بناء پر اکثر کا قیام احمد آباد میں رہا اور وہیں مدفون ہوئے۔ اللہ کی توفیق سے بہت سے علماء حرمین شریفین اس کے مرکز میں سفر کر کے حاضر ہوئے اور علم حدیث کو حاصل کیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور شیخ حسام الدین علی متقی صاحب کنز العمال م ۹۷۵ھ اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد بن طاہر پٹنی صاحب مجمع بحار الانوار م ۹۸۶ھ ہیں۔ ان حضرات کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ کا دور آیا۔ انہوں نے علماء حجاز سے اس علم کو حاصل کیا اور ہندوستان میں دلی کو اس کی نشر واشاعت کا مرکز بنایا۔ انہوں نے اور ان کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ اور اولا دو احفاد نے تعلیم وتدریس شرح وتعلیق کے ذریعہ ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ اس ملک میں اس علم کا عام چرچا ہو گیا۔

ان کے بعد مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب م ۱۱۷۶ھ کا دور آیا۔ انہوں نے یہاں سے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ بالخصوص شیخ ابو طاہر مدنی کی خدمت میں چودہ مہینے قیام کر کے اس علم کو حاصل کیا۔

واپسی پر ہمہ تن علم حدیث کی نشر واشاعت میں مشغول ہو گئے اور ان کے بعد اس علم میں ہندوستان کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا اور اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس اور دورۂ حدیث کا رواج ہوا حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ ایک بڑی جماعت ان سے فیضیاب ہوئی ان میں سے سب سے زیادہ مشہور وممتاز حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی م ۱۲۶۲ھ کی ذات بابرکت ہے جو آپ کے نواسے بھی ہیں جن کی ذات گرامی اپنے دور میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ روئے زمین کے اطراف واکناف سے تشنگان علم ان کے در پر حاضر ہوتے اور فیضیاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بھی ان کی نظیر اس دور میں شاید نہ مل سکے۔

ان کے ممتاز تلامذہ میں جن کے اسمائے گرامی سرفہرست لکھے جا سکتے ہیں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی م ۱۲۹۶ھ مہاجر مدنی ہیں۔ ان کے درس حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی۔ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو اس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ان مخلصین کے درس وتدریس تصنیف وتالیف کی برکت سے ہندوستان اس علم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

ان کے ارشد تلامذہ میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی م ۱۲۹۷ھ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی م ۱۳۲۳ھ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت واصلاح اور درس وتدریس وافتاء کا مرکز بنایا حضرت قطب الارشاد کے محبوب شاگرد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب متوفی ۱۳۳۴ھ ہیں جن کے سبب سے حضرت کے آخری دور کے دورۂ حدیث کی بہار دنیا نے دیکھی۔ حضرت اقدس تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اپنے درس میں ضبط واتقان اور نادر تحقیقات کے موتی بکھیرتے تھے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت کے درس کے افادات کو عربی زبان میں قلمبند فرمایا تھا۔ جو درحقیقت حضرت کے عمیق ووسیع مطالعہ اور طویل عرصہ کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مرشدنا واستاذنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم العالیہ کے والد بزرگوار ہیں

Maktaba Tul Ishaat. com

حضرت شیخ نے مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ (سوائے ابن ماجہ کے) ان سب کتابوں کو اپنے والد صاحب سے بحث وتحقیق سے پڑھا۔ نیز حضرت والد صاحب کے علاوہ حضرت شیخ نے اپنے استاذ ومرشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری م ۱۳۴۶ھ سے دوبارہ ان سب کتابوں کو سوائے ابن ماجہ کے کہ اس کا ابتدائی حصہ پڑھ کر اجازت لی تھی) پورے انہماک اور غیر معمولی دلچسپی سے پڑھا۔ اس کے علاوہ حضرت سہارنپوری کی معرکۃ الاراء شرح "بذل المجهود فی حل ابی داود" میں شریک رہے اور حضرت کے دست راست کی حیثیت سے کام کیا حضرت سہارنپوری کو اپنے لائق وسعید شاگرد پر غیر معمولی اعتماد تھا۔ مقدمہ بذل المجہود میں حضرت سہارنپوری نے قرۃ عینی وقلبی کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔ بلکہ حضرت نے مسودہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ "هو جدير بان ينسب هذا التعليق اليه" کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت ان ہی کی جانب کی جائے۔ مگر حضرت شیخ فرماتے تھے کہ اس عبارت کو دابا میں نے حذف کر دیا۔

حضرت شیخ اسی طرح اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارنپوری ان دونوں بزرگوں کے علوم وکمالات اور روحانیت کے سچے وارث وجانشین ہیں حضرت شیخ کی جس نورانی ودینی ماحول میں تعلیم وتربیت ہوئی اور جس روحانی وعلمی فضا میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور اس کے بعد آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا آغاز فرمایا جس کی تفصیل خودنوشت سوانح "آپ بیتی" سے معلوم ہو سکتی ہے حضرت کے حالات زندگی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے اس دور میں امت اسلامیہ کی رہنمائی، اصلاح وتربیت اور علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کی عظیم الشان خدمت واشاعت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت خاصہ جو آپ کے ساتھ ہے اس کی بنا پر جو علمی کارنامے آپ نے انجام دیئے اور تاہنوز اس کا سلسلہ روز افزوں ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ قرون متاخرہ میں اس کی بہت ہی شاذ ونادر مثالیں ملیں گی۔ بالخصوص علم حدیث کی جو بیش بہا محدثانہ ومحققانہ خدمت انجام دیں وہ اہل علم واہل نظر کے سامنے ہے جس کا شمار اس دور کے نوادر میں سے ہے۔ قطع نظران مخطوطات کے جو ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آسکے۔ کتب فضائل کے علاوہ جو کتابیں مطبوع ہو چکی ہیں ان میں مؤطا مالک کی ضخیم شرح "اوجز المسالک" اور مقدمہ لامع الدراری اور لامع اور الکوکب الدری (۱) کے حواشی اور جزء حجۃ الوداع، الابواب والتراجم اور حاشیہ بذل المجہود، یہ وہ کتابیں ہیں جو اسلامی کتب خانہ کی زینت اور اہل علم ومدرسین کے لئے زاد راہ ہیں۔

---

(۱) حضرت اقدس رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا اور ان کے علمی اور تالیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے وہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے۔ اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا میرے پاس آدمی پہنچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا۔ ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا۔ لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ ومعانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا۔ اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے ترمذی پڑھانے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ انتهى بلفظه جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر 1:35 بجے آئے تھے چھ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

ہمارے اس ملک کے تقریباً تمام اعلیٰ مدارس میں دورۂ حدیث کے پڑھانے کا رواج ہے جبکہ مصروشام کے بڑے بڑے جامعات میں حدیث کے صرف منتخبات پڑھائے جاتے ہیں۔ حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ نے تقریباً پینتیس سال تک مدرسہ مظاہر علوم میں ابوداؤد شریف کا درس دیا ہے اور بخاری شریف تقریباً نصف صدی تک حضرت والا کے زیر درس رہی۔ ان تمام خصوصیات کی بناء پر حضرت اقدس کا درس اس دور کا ممتاز ترین درس تھا۔ افسوس آنکھوں میں نزول ماء کی شکایت کی بناپر ۱۳۸۸ھ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر تصنیف وتالیف کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ بہت سے وہ حضرات جنہیں حضرت اقدس کے درس حدیث میں شرکت کا موقع نہیں ملا وہ کف افسوس ملتے ہیں اور آرزومند ہیں کہ کاش! حضرت کے درس بخاری کی تقریر طبع ہو جاتی تو شاید اس سے تسکین کا موقعہ ملتا بہت سے علماء وفضلاء اور اہل تعلق کا شدید اصرار وتقاضہ اس کی طباعت پر تھا۔ عزیز گرامی مولوی محمد شاہد سلمہ علمی حلقے کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں جنہیں حضرت اقدس کی کتابوں کی نشرواشاعت سے عشق ہے۔ انہوں نے اس پر مستقل محنت شروع کر رکھی ہے اور بخاری شریف کی متعدد تقاریر بالخصوص برادر محترم مولانا محمد یونس صاحب مدفیوضہم اور عزیز گرامی مولانا سلمان صاحب سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم اور برادر محترم مولانا احسان الحق لاہوری مدفیوضہم ان تینوں حضرات نے حضرت کی تقاریر کو مبسوط قلم بند کیا تھا۔ اس لئے ان سب کو سامنے رکھ کر وہ ترتیب دے رہے ہیں۔ اور مسودہ پر محترم مولانا محمد یونس صاحب نظر ثانی فرما رہے ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ تقاریر ہر طرح قابل اعتماد ہوگیا۔ حضرت اقدس جس انہماک، دلسوزی، نشاط وسرگرمی، تیاری وپابندی سے درس دیتے تھے اب اس کی صحیح تصویر کشی مشکل ہے ایک مرتبہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ساری سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا۔ یہ ناکارہ مدرسہ قدیم میں کتاب لئے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کم ہو تو سبق میں حاضر ہوں مگر بارش اسی زور وشور سے ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا اسعد اللہ مدظلہ (ناظم مدرسہ مظاہر علوم) اس وقت مدرسہ قدیم میں تشریف رکھتے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت اقدس آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے انہوں نے فرمایا کہ بظاہر تو مشکل معلوم ہوتا ہے باہر معلوم کر لو میں مدرسہ کے دروازہ پر آیا وہاں فروٹ بیچنے والے سائبان میں بیٹھے ہوئے تھے ان سے جب میں نے دریافت کیا تو ان لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے یہ بے بضاعت جلدی جلدی دارالحدیث میں حاضر ہوا وہاں بجلی بھی غائب تھی دارالحدیث میں اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا یہ ناکارہ چپکے سے جا کر بیٹھ گیا کہ مبادا نظر نہ پڑے۔ مگر حضرت نے دیکھ لیا فرمایا جانتے ہو کیسے آیا ہوں؟ اپنے مکان سے چلا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے اصرار سے مجھے بٹھایا اور یہاں لاکر میرے پیروں کو اور پائجامہ کے نیچے کا حصہ دھویا اور دارالحدیث پہنچا گیا۔ یہ ناکارہ یہ سن کر پانی پانی ہوگیا۔ حضرت اقدس کا درس گرمی، سردی، صحت، بیماری ان تمام حالات میں اسی نشاط وتازگی، سرگرمی وپابندی سے ہوتا تھا۔ حضرت کے دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی پورا دارالحدیث عطر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا۔ ادب ووقار وسکینت کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی کہ ایسا معلوم ہوتا کہ نبی کریم ﷺ مجلس میں تشریف رکھتے ہیں جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا وہ محسوس کرتا۔

باد صبا آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پر کھلی زلف یار ہے

اب میں مختصراً حضرت اقدس کے درس بخاری کی چند خصوصیات کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں ناظرین کرام اس تقریر کے مطالعہ کرنے سے بیشتر ان باتوں کو پیش نظر رکھیں:

(۱) حضرت اقدس کا درس عشق نبوی وحب رسول ﷺ کا نمونہ ہوتا تھا جس کیف وسوز وگداز سے پڑھاتے تھے وہ ناقابل

Maktaba Tul Ishaat. com

بیان ہے۔

زبان پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے میری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر غیر معمولی ہوتا تھا۔ کبھی آہ و بکاہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

خصوصا مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے تو تھوڑی دیر کے لئے ایسا محسوس ہوتا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔ حضرت اقدس پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی اور طلبہ و سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا تھا۔

الٰہی دردوغم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت اقدس کے درس میں جملہ ائمہ سلف اور ائمہ مجتہدین ومحدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب وعظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے اور حافظ صاحب کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انہوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور حنفیہ کی دلیل سے آنکھ بچا کر اس طرح نکل جاتے ہیں گویا انہیں اس کی کچھ خبر ہی نہیں۔ حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے مگر اس کے باوجود حافظ صاحب کا ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔ امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم سے دشوار ہو جاتا ہے مگر حضرت اقدس اس موقع پر عام طور سے امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ان کی عظمت شان وجلالت قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو۔ خصوصا **کتاب الحیل و کتاب الاکراہ** میں حضرت اقدس کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا اردو میں ترجمہ دشوار ہے۔ اردو زبان کا دامن عربی کے مقابلے میں تنگ ہے اس لئے ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے حضرت اقدس ان الفاظ کا خصوصیت سے اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوئی ہے اور شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ وتشریح کے بعد بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت سے دور فرماتے تھے ان تمام تحقیقات کو اگر جمع کیا جائے تو مستقل ایک کتاب بن جائے گی۔ مثال کے طور پر باب القسامہ بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۰۱۸ میں **فقرنت یدہ بیدہ** میں ضمیر کے مرجع اور اس کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی تک سے وہم واقع ہوا ہے حضرت اقدس اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل سے بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع وعبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ لامع الدراری ۳/۳۹۱

(۵) اگر کتاب میں مولف سے یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے تھے اور اس راوی وروایت کی اصل حیثیت کو واضح فرماتے تھے حافظ ابن حجر عسقلانی کی معرکۃ الآراء کتاب "**تہذیب التہذیب**" پر حضرت اقدس کا مبسوط ذیل ہے کاش وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا بالخصوص احناف پر احسان عظیم ہوتا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

(۶) ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اوران کے دلائل خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے اگر روایت حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل بطور خلاصہ کے بیان فرمادیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ ابحاث ہیں اوران کی قدرے تفصیل فرماتے ان میں سے جن مسائل سے امام بخاری تعرض فرماتے ان کی مزید تشریح فرماتے تھے۔ رفع یدین، آمین بالجہر، کسوف وغیرہ میں اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

(۸) شراح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ کے نہایت دلنشین انداز میں بیان فرماتے۔ پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر کو ملا کر دیکھے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ہے۔ اور بعض مواقع میں وہ اس کو بھی جانے گا کہ دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصاً سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات کبھی کبھی موقع کی مناسبت سے سناتے تھے یہ واقعات اصلاح وتربیت کے لئے بہت موثر ہوتے تاکہ طالب اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھے۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

(۱۰) حضرت امام بخاری کے تراجم ابواب ہر دور میں مشکل ترسمجھے گئے ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ بخاری شریف کی شرح اس امت پر قرض ہے لیکن حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ میرے شیخ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری لکھ کر امت سے اس قرض کو ادا فرمادیا۔ مگر حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمے باقی ہے۔ چنانچہ حضرت نے تراجم ابواب پر ایک مختصر سا رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا مگر افسوس مکمل نہ ہوسکا۔ اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ حضرت اقدس مدفیوضہم نے ان دونوں رسالوں کو اور شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے تراجم کے سلسلے کی تحقیقات، ان سب کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ غور وفکر کرکے اپنی ذاتی تحقیق وتنقیح کے بعد ان اصول کی تعداد الابواب والتراجم للبخاری میں ستر تک بیان فرمائی۔ اوران اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب وکتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے اس طرح تراجم ابواب کی شرح کا قرض اس امت سے ادا فرمادیا۔

حضرت اقدس اپنے درس بخاری میں بھی خصوصیت سے تراجم کی شرح اور بخاری کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر سارے شراح خاموش ہیں۔ مگر حضرت اقدس فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر وباریک بینی سے خالی نہیں مثلاً امام موصوف کا ترجمہ ہے باب الصلوة الی الحربة، یہاں سارے شراح ساکت ہیں مگر حضرت اقدس کی نگاہ دورس نے یہاں بھی بخاری کی شایان شان ایک دقیق بات نکال لی اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل وتحقیق لامع اوراس کے حاشیہ میں موجود ہے وہ یہ کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہتھیاروں واوزاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ اس لئے اس ترجمہ سے امام موصوف دفع وہم فرمارہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حل تراجم کے سلسلہ میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی رائے کو پسند فرمایا۔ یا اپنی رائے میں منفرد ہیں تو اس کو مع امام بخاری کے استدلال کے بیان فرماتے اوراس کے بعد جمہور

Maktaba Tul Ishaat. com

کی طرف سے روایت کا مطلب بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مدلل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں اگر چہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقت نظر اس کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت اقدس اس پر طلبہ کو خصوصیت سے تنبیہ فرماتے اور ایسی دلنشین تقریر کرتے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری معلوم ہوتے اور تکرار مرتفع ہو جاتا مثلاً صفحہ چھپن (۵۶) پر جلد اول پر دو باب، باب من لم یتم السجود و باب یبدی ضبعیه ویجافی جنبیه یہ دونوں ترجے دوبارہ صفحہ گیارہ سوتیرہ (۱۱۱۳) پر انہیں الفاظ کے ساتھ آرہے ہیں مگر ان کے تکرار کو اس طرح دفع فرمایا ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری۔

(۱۳) حضرت امام بخاری کو حدیث نبوی ﷺ سے غیر معمولی عشق ہے اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر بار بار نگاہ ڈالتا ہے تو ہر مرتبہ اس کو ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے امام موصوف کا بھی یہی حال ہے بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے۔ اس پر حضرت خصوصیت سے طلبہ کو متوجہ فرماتے تھے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض ایسے جملے ہیں کہ ان کا مطلب لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے بھی فن کو کسی ماہر فن استاذ سے پڑھنا ضروری ہے حضرت ان الفاظ و جمل کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت کی ضرورت ہوتی وہاں اس کی عملی صورت بھی عمل کر کے دکھاتے مثلاً بخاری جلد اول صفحہ انہتر (۶۹) پر ووضع خده الایمن علی ظهر کفه الیسری وشبک بین اصابعه بغیر صورت مثالی بتائے ہوئے محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا۔ اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس اس اختلاف واضطراب کو اس طرح دفع فرماتے تھے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ ملاحظہ ہو۔ لامع جلد ثانی ص ۶۸

یہ میں نے حضرت اقدس کے درس بخاری کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ اس کی تفصیل لامع الدراری اور الابواب والتراجم للبخاری اور زیر طبع اردو تقریر بخاری میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ اس کے سلسلۂ اشاعت کی تکمیل فرمائے اور مرتب و معاونین کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور حدیث پاک بالخصوص بخاری شریف کی عظمت اور اتباع سنت سے قارئین کو سرفراز فرمائے اور حضرت اقدس مدفیوضہم کے سایۂ عاطفت کو صحت وعافیت کے ساتھ تادیرامت کے سر پر باقی وقائم رکھے۔ اور قدر دانی وفیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تقی الدین ندوی مظاہری
مقیم حال مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
(یوم جمعہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ)

Maktaba Tul Ishaat. com

مقدمہ تقریر بخاری

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

اللہ رب العالمین سورۃ الحمد کے اندر ارشاد فرماتے ہیں الحمدللہ رب العالمین. رب کے معنی پرورش کرنے والا، پالنے والا ہے۔اور تم اس آیت کو بار بار روزانہ پڑھتے ہو۔اور پرورش کسی کی یہ ہوتی ہے کہ اس کی ساری ضروریات کی کفالت کی جائے۔ جیسے ماں بچے کی پرورش کرتی ہے، کھانا پینا، سونا، اٹھنا بیٹھنا، صحت و مرض کے اسباب غرض کہ ہر چیز کا خیال رکھتی ہے تو جب کہ اس ادنیٰ درجہ کے مربی کا حال یہ ہے تو جو سارے عالم کا مربی اور رب الارباب ہے اس کی شان تربیت کیسی کچھ ہوگی؟ من جملہ اسی شان تربیت کے یہ بھی ہے کہ جیسا جیسا زمانہ آتا گیا اسی قسم کے اسباب مہیا فرماتے رہے انہیں میں سے یہ ہے کہ پہلے یہ مروجہ طریق تعلیم نہیں تھا، بلکہ شیخ محدث احادیث بیان کرتا تھا اور طلبہ اس کو یاد کرلیا کرتے تھے اس کے بعد جب قویٰ کچھ کمزور ہو گئے اور ان کے اندر ضعف آگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سبیل پیدا فرمائی کہ یہ علوم کتابی شکل میں آگئے۔ اللہ نے متعدد کتب اور ان کی شروح پیدا فرمائیں۔ ہمارے زمانے یعنی ۱۳۳۲ھ میں جب کہ میں نے دورہ پڑھا ہے۔ حدیث پاک کے واسطے تین گھنٹے تھے اول میں ترمذی اس کے اختتام کے بعد بخاری شریف اور دوسرے میں ابوداؤد پھر مسلم شریف پھر نسائی ہوا کرتی تھی اور ابن ماجہ ششماہی امتحان کے بعد صبح کو ہوتی تھی۔ اس کے بعد جب انحطاط شروع ہوا تو حدیث شریف کے لئے چار گھنٹے کر دیئے گئے۔ لیکن جب یوما فیوما انحطاط بڑھتا ہی رہا تو اب پورے چھ گھنٹے دورۂ حدیث کے اسباق کے لئے کر دیئے گئے نیز ہمارے زمانے میں دورہ کے صرف دو استاذ تھے۔ ہر استاذ کے پاس کئی کئی اسباق ہوتے تھے۔ جب ایک استاذ ایک مسئلہ پر کسی کتاب میں بحث کر لیتا تو پھر دوسری جگہ اس پر کلام نہیں کرتا تھا۔ چونکہ میرے پاس بخاری شریف اور ابوداؤد شریف دونوں ہوتی تھیں تو اگر بخاری کے اندر کوئی مسئلہ گزر جاتا تو پھر اس مسئلہ پر ابوداؤد میں کلام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بعد میری تجویز اور اصرار پر تین مدرس مستقل ہو گئے تا کہ ہر مضمون مکرر ہوتا رہے۔ میرے پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ آسانی کی صورتیں بہم پہنچائی ہیں۔ اگر تم قدر نہ کرو گے تو ناشکری ہوگی اور اگر اس کی قدر کرو گے تو شکر ہوگا۔ اور یہ تم کو بھی معلوم ہے کہ شکر کا اللہ کے یہاں کیا مرتبہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيْدٌ

تقریر اسباق میں اکابر کا عمل:

میرے اکابر کے یہاں ہمیشہ یہ دستور رہا اور یہ بہت مبارک ہے وہ یہ کہ ان حضرات کے یہاں لمبی چوڑی تقریروں کا رواج نہیں تھا اور نہ وہ لوگ اس کو پسند فرماتے تھے۔ میرے والد صاحب رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ حضرت مدنی رحمہ اللہ وغیرہ کے یہاں بھی یہی دستور تھا۔ آخر میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی لمبی چوڑی تقریریں شروع فرما دی تھیں لیکن حضرت کو اس میں بڑی کلفت ہوتی تھی۔ اس سے قبل ہمیشہ ان حضرات کے یہاں نہایت مختصر لیکن نہایت جامع اور پر مغز تقریریں ہوا کرتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ یہی تقاریر مفید اور کارآمد بھی ہیں، لمبی تقریر کا ضبط کرنا ہی بہت مشکل ہے۔ لمبی چوڑی تقریروں کی ابتداء حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب سے ہوئی اس سے پہلے یہ کسی کا معمول نہیں تھا میں نے حضرت اقدس مدنی کی متعدد تقریریں جو چھپی ہیں دیکھیں تو ان میں بہت سے غلطیاں

Maktaba Tul Ishaat. com

کاتبوں کی طرف سے پائی گئیں۔ لہٰذا اگر تقریر مختصر و جامع ہو تو بہت کار آمد اور نافع ہو۔

اکابر کا طرز عمل اور مقدمہ علم:

کتابوں کے شروع میں میرے اکابر ہمیشہ صرف تین ہی باتیں مختصر بتایا کرتے تھے ایک اس علم کا موضوع دوسرے اس علم کی تعریف تیسرے مصنف کے مختصر حالات۔ وجہ اس اختصار کی یہ تھی کہ پہلے جو استاذ بیان کرتے تھے اس سے کہیں زیادہ طلبہ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ مگر چونکہ اب توانی و تساہل بہت بڑھ گیا ہے اور جو باتیں اساتذہ بتاتے ہیں وہ بھی ذہن میں نہیں رہتیں اس لئے ضرورۃ ان تین میں چند کا اور اضافہ کرنا پڑا۔

چنانچہ میں نے بھی ابتداء میں چند ابحاث بیان کرنی شروع کر دی ہیں۔ اور تسہیل حفظ اور ذہن میں محفوظ رکھنے کے واسطے ان تمام ابحاث کو بیان کرنے سے قبل یہ اجمالاً بتا دیا کرتا ہوں کہ مجھے کیا کیا کہنا ہے؟ یہ صورت اوقع فی النفس بھی ہوتی ہے اور مفید بھی بہر حال یہاں پر بیس ابحاث ہیں۔ ان میں سے نو تو علم کے متعلق ہیں اور سات کتاب کے متعلق اور چار متفرقات میں سے ہیں۔ اب ان کی تفصیل سنو علم کے متعلق جو نو ابحاث ہیں وہ یہ ہیں: اول علم کی تعریف، دوم موضوع، سوم غرض و غایت، چہارم سمۃ (وجہ تسمیہ)، پنجم مؤلف، ششم اجناس، ہفتم مرتبہ، ہشتم قسمۃ و تبویب، یہ آٹھ امور تو ہر علم سے متعلق ہو سکتے ہیں اور انہیں کا نام مناطقہ و حکماء کے یہاں رؤوس ثمانیہ ہے لیکن نواں امر ہم مسلمانوں کے یہاں ایک اور ہے وہ یہ کہ اس علم کا شرعی حکم کیا ہے اور شریعت کے اعتبار سے اس کا کیا مرتبہ ہے؟ آیا سنت ہے یا واجب، حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز وغیرہ۔ مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن و حدیث واجب ہے ان نو علوم میں سے اول دو یعنی تعریف و موضوع کو نکال کر باقی جو سات امور رہ گئے ہیں ان کا تعلق جس طرح علم سے ہے اسی طرح کتاب سے بھی لہٰذا یہ امور کل سولہ ہو گئے اب چار اور بیان کرتا ہوں بڑے کام کے ہیں یہ مت سوچنا کہ شروحات میں سے تلاش کر لیں گے۔ یہ تو مدتوں کی کمائی اور برسوں کا ذخیرہ ہے ان چار میں سے ایک اختلاف نسخ ہے۔ مؤطا امام مالک کے سولہ نسخے مشہور ہیں۔ بخاری کے بھی بہت سے نسخے ہیں۔ ان پر آگے چل کر کلام کروں گا۔ دوسری چیز مراتب کتب حدیث ہیں، تیسری چیز سند ہے، یہ بھی اہل اسلام کے لئے ایک مایہ ناز قابل صد افتخار شے ہے کیونکہ کسی اور نبی کے اقوال کو اس طرح جمع نہیں کیا گیا کہ اس کے سارے رواۃ اور سارے طرق کی تحقیق و تفتیش ہوئی ہو۔ اب رہی بیسویں بحث اس کو خواہ آداب طالب علم کا عنوان دیدو یا خصوصیات مدرس سمجھ لو یا آداب علم سمجھو۔ اب یہ تمام ابحاث تفصیل سے سنو۔

بحث اول "علم حدیث کی تعریف میں":

پہلے زمانے میں محدثین کا طریقہ و دستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب کے لکھا کرتے تھے بہت سے بہت یہ کر لیا کرتے تھے کہ اگر کوئی لفظ محتاج تفسیر و قابل تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کر دیا کرتے تھے اس کے بعد جب متاخرین کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اس کو مہذب بنایا۔ رواۃ کی چھان بین فرمائی ضعیف رواۃ کو ثقہ رواۃ سے ممتاز فرمایا اسی وجہ سے علم حدیث کی تعریف میں فرق و اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ متقدمین میں سے بعض نے کہا کہ علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے جناب نبی کریم ﷺ کے اقوال و احوال و افعال کی صحت و سقم معلوم ہو۔ لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہیں رہی بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی

Maktaba Tul Ishaat. com

تعریف ہوگئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی جس کا نام اصول حدیث ہے۔ دوسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ فن ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہو جائے لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہلائے گی بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کو علم علل حدیث کہا جاتا ہے۔ تیسری تعریف یہ کی گئی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے جناب نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال واحوال کی شرح معلوم ہو جائے لیکن اب یہ تعریف درایت حدیث کی کہلاتی ہے مطلق حدیث کی نہیں۔ چونکہ فن حدیث کی ساٹھ انواع ہو چکی ہیں اس لئے ہر ایک کی تعریف الگ الگ ہوگی۔ روایت حدیث اور ہے درایت حدیث اور، اسی طرح اصول حدیث اور ہے علل حدیث اور، اسی طرح اس کے علاوہ بھی، اور یہ جو تم پڑھو گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں بلکہ یہ صرف علم روایت الحدیث ہے۔ جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ علم ہے جس سے حضور اکرم ﷺ کے اقوال، افعال، احوال معلوم ہو جائیں۔ اب تمہیں یہاں یہ اعتراض کرنا چاہئے کہ اقوال وافعال صحابہ وتابعین پر بھی تو علم حدیث کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں سارے صحابہ وتابعین ہی کے اقوال وافعال وغیرہ ہیں احادیث مرفوعہ تو بس شاذ ونادر ہی ہیں باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے بعض محدثین نے اس کا جواب یہ دیا کہ صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے یا غیر مدرک بالقیاس۔ اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ کے ہی حکم میں ہیں۔ اور جو حیثیت اور جو مرتبہ آپ ﷺ کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہوگا۔ اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو ان کو احادیث مرفوعہ اور اقوال شریفہ پر پرکھا جائے گا۔ اور بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ صحابہ وتابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخائر میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ حضور پاک ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں تو گویا حضور ﷺ کے صحابی ہونے کی وجہ سے تبعاً ان کے اقوال مذکور ہیں ہاں جن کتابوں میں احادیث مرفوعہ کم ہیں اور زیادہ تر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال شامل ہیں تو اس کا نام علم حدیث ہے ہی نہیں بلکہ اس کا نام محدثین کے نزدیک علم الاثار ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے حضور پاک ﷺ کے اقوال وافعال واحوال اور صحابہ وتابعین کے اقوال، افعال واحوال معلوم ہوں۔

بحث ثانی "موضوع":

عام طور پر تمام علما نے حدیث کا موضوع آپ ﷺ کی ذات پاک کو لکھا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات بابرکت سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا یہ سب امور کیسے اور کس طریقے سے ہوتے تھے، لیکن ایک جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کافیجی کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے لہٰذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع کیسے خلط ہوگیا؟ یہ اعتراض اگرچہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا لیکن علماء نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہوگیا۔ اس مقام پر ایک دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے۔ ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال وافعال شامل ہونے چاہئیں۔ بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال کو بھی موضوع میں شامل کرلیا اور بعض دوسرے محدثین نے یہ

Maktaba Tul Ishaat. com

جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت ﷺ کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے تو گویا اس نسبت نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت ﷺ کے فرمودات شریفہ اور متعلقات مبارکہ میں سے ہوگئے۔ اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے بس اتنا فرق ہے کہ جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں ردوبدل کر دیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

بحث ثالث ''غرض وغایت'':

غرض کہتے ہیں اس قصد اور نتیجہ کو کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے مثلاً بازار جا کر کوئی چیز خریدنا اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو لہٰذا بازار کسی شے کے خریدنے کے لئے جانا تو غرض ہے اور اس شے کا خریدنا غایت ہے تو غرض وغایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں۔ صرف ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے۔ چنانچہ عقلاء اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض وغایت ایک ہی ہے کیونکہ ان کے یہاں اکثر غرض پر غایت مرتب ہو ہی جاتی ہے۔ مثلاً اسٹیشن جانا یہ تمہاری غرض ہے تو اگر تم ہوشیار ہو تو اسی سڑک سے جاؤ گے جو اسٹیشن کو جاتی ہے۔ اس صورت میں یقیناً پہنچ جاؤ گے اور اگر بیوقوفی کی وجہ سے بجائے اسٹیشن کی سڑک اختیار کرنے کے قبرستان حاجی شاہ (۱) کی طرف نکل پڑے تو غرض (یعنی اسٹیشن جانا) تو موجود ہے۔ لیکن راستہ انجان اختیار کرنے کی وجہ سے غایت مرتب نہ ہوگی۔

پہلی غرض :

اب علم حدیث کی غرض وغایت کیا ہے؟ علماء اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلت حاصل کرنا ہے جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں مثلاً حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: نضر الله امرأ سمع مقالتی فوعاها واداها او کماقال صلی الله علیه وسلم اس قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں لیکن اس جملہ کے اندر علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے یا خبریہ؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اگر دعائیہ ہے تو پھر آپ ﷺ کی دعا کا کیا پوچھنا، سرتاپا خیر ہے۔ اور اگر جملہ خبریہ ہے تو اس پر اشکال ہوگا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ پژمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں لہٰذا یہ خبر ان پر کہاں صادق آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر بین ہیں۔ اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقروفاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے لیکن فقروفاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں ورنہ جناب نبی کریم ﷺ فقروفاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے؟ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں، وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں ایک حدیث میں ہے: اللھم ارحم خلفائی قیل ومن خلفائک یارسول الله! قال الذین یروون احادیثی او کما قال علیہ السلام ۔ اس حدیث پاک میں علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا۔ غور تو کرو اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور کتنا شور ہوتا ہے اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے اور یہاں تو سید الکونین ﷺ کی خلافت مل رہی ہے اس کے علاوہ اور بہت سی روایات تم مشکوٰۃ میں پڑھ چکے ہو اور بہت سی ابواب العلم کے

---

(۱) شہر سہارنپور کا ایک مشہور قبرستان جو مدرسہ مظاہر علوم سے بجانب شمال تین فرلانگ پر واقع ہے اور چونکہ حاجی کمال شاہ نامی بزرگ یہاں مدفون ہیں اس لئے قبرستان ''حاجی شاہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

اندر اپنے مقام پر آئیں گی جس کو امام بخاری باب فضل العلم اور باب فضل فلاں وغیرہ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

دوسری غرض :

علماء نے علم حدیث کی یہ بیان فرمائی کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین اور توضیح کی ضرورت ہے اور وہ احادیث ہی سے ہوسکتی ہے قرآن پاک میں نماز، زکوٰۃ کا ذکر تو ہے لیکن ان کی رکعات اور تعداد وغیرہ کچھ مذکور نہیں یہ سب احادیث سے ثابت ہیں اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے کیونکہ قرآن پاک اصل دین اور مدار شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟ اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہوگیا۔

تیسری غرض :

میرے نزدیک علم حدیث کی ایک جداگانہ غرض ہے اس سے پہلے کہ میں اپنی غرض بتلاؤں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر سن لو وہ یہ کہ میں کہیں بسا اوقات درس بخاری میں بڑے زور سے یہ کہوں گا کہ یہاں ایک چکی کا پاٹ ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ جو بات میں نے نہ تو اپنے بڑوں سے سنی ہو اور نہ ہی کسی کتاب میں دیکھی ہو بلکہ اپنی ذاتی رائے ہو اس کو میں چکی کا پاٹ سے تعبیر کرتا ہوں۔

میری اپنی ذاتی آراء کے بارے میں ایک اصطلاح :

اور دراصل یہ ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ ایک جاہل آدمی کو چند لوگوں نے اپنا پیر بنالیا اور ہر بات اس سے دریافت کرتے اور پوچھتے کہ حضرت یہ کیا چیز ہے؟ ایک دن کا واقعہ ہے کہ لوگ ان کے پاس بھڑوں کا ایک بڑا سا چھتہ لے کر آئے اور عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ انہوں نے بہت غور وفکر کے بعد فرمایا! او ہو سمجھ میں آگئی بات۔ چاند کو ایک مرتبہ گھن لگ گیا تھا تو صاف کر کے اس کو پھینک دیا یہ وہ گھن ہے۔

دوسرا قصہ اسی ضمن میں یہ سن لو کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا اور اگر کہیں سے آبھی جاتا ہے تو ایک تماشہ بن جاتا ہے حتی کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت امام مالک کے سبق میں دو سو شاگرد تھے ان کو علم ہوا کہ شہر میں کہیں سے ہاتھی آگیا تو سب لوگ سبق چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے سوائے یحیی اندلسی کے کہ وہ تنہا رہ گئے اتنے میں امام مالک درس کے لئے تشریف لے آئے اور درسگاہ خالی دیکھ کر فرمایا لڑکے کہاں چلے گئے۔ یحیی اندلسی نے کہا ہاتھی دیکھنے گئے ہیں اس پر امام مالک نے فرمایا تم کیوں نہیں گئے؟ یحیی نے جواب دیا کہ میں اندلس سے ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں آیا بلکہ میں تو آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ اس پر امام مالک نے فرمایا انت اعقل الاندلس یہ دوسرا قصہ تو میں نے اپنے مضمون کی مناسبت سے سنا دیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا ایک مرتبہ کہیں سے آگیا اور کسی جنگل میں ریت پر گزرا جس کی وجہ سے اس کے پیر کے بڑے بڑے نشانات ریت پر جم گئے۔ ان پیر صاحب کے چیلوں کو وہ نشان نظر پڑا ان کے لئے تو وہ ایک عجیب چیز تھی فوراً اپنے گرو کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت ایک چیز ہے اس کو بتلا دیجئے۔ انہوں نے پہلے تو جانے کے لئے عذر کیا مگر مریدوں کے اصرار پر چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر خوب غور سے اس کو دیکھا۔ اس کے بعد پہلے تو روئے پھر ہنسے۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت پہلے تو ایک بات قابل دریافت تھی اب تین باتیں قابل اشکال ہیں اول یہ کہ آپ ہنسے، کیوں دوسرے یہ کہ پھر

Maktaba Tul Ishaat. com

روئے کیوں؟ تیسرے یہ کہ یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رونا مجھے اس پر آیا کہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں جب مرجاؤں گا تو ان اہم اشیاء کا پتہ تم کو کون دے گا؟ میرے بعد تو کوئی ایسا ہے نہیں، اور ہنسا اس پر کہ مجھے خود بھی اس کا علم نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ اتنی تواضع نہ فرمایئے آپ کو تو ضرور معلوم ہوگا پیر صاحب نے بہت غور کے بعد فرمایا! اب میری سمجھ میں آگیا یہ چکی کا پاٹ ہے اور واقعہ اس کا یہ ہوا ہوگا کہ کوئی عورت چکی کا پاٹ بھول گئی ہوگی وہ یہاں پڑا تھا ایک ہرن ادھر سے بھاگتا ہوا گزرا اس کا پیر اس میں پھنس گیا وہ اس کو لے کر بھاگا جس کے یہ سب نشانات ہیں۔ بہر حال جہاں میں یہ کہوں کہ یہاں چکی کا پاٹ ہے تو سمجھ لو کہ وہ میری اپنی رائے ہے اور بھائی تواضع سے نہیں کہتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میری تحقیقات ایسی ہی ہیں میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے ایک باپ تھا علامہ میرے جیسا اور ایک لونڈا تھا نالائق تیرے جیسا۔

بہر حال بحث ثالث غرض وغایت کے متعلق چل رہی ہے اور دو غرضیں جو علمائے سلف سے منقول ہیں وہ اوپر گزر چکیں اب یہاں چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اگر علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی بھی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی ثواب بھی نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا کلام ہے۔ ہم محب رسول ہیں اور آپ ﷺ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قسم کی لذت حلاوت و رغبت پیدا ہوگی جیسے اگر کوئی عشق میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آجائے تو اگر وہ حدیث پاک کے سبق میں بھی ہوگا تو بھی اسی کو پہلے پڑھے گا اور اگر کھانے کے درمیان آئے تو کھانا بند کردے گا اور نماز کے اوقات میں جیب پر ہی نظر جائے گی تو جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق اور ذوق ہے تو پھر حضور پاک ﷺ کا کلام تو اس سے بدرجہا قابل صد اہتمام ہے۔ یہاں تک تم کو تین بحثیں معلوم ہوگئیں یعنی علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض جس کا خلاصہ لذت ہے۔ تو جب تم حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی اور اگر التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔

بحث رابع ”وجہ تسمیہ“:

اس فن کا نام حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں: اول یہ کہ حدیث حادث کے معنی میں ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں ایک قدیم وہ تو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے جو اس کی صفت ہے اور جب ذات باری قدیم ہے تو اسؑ کی صفت بھی قدیم ہوگی۔ دوسری قسم حضور ﷺ کا کلام ہے۔ لامحالہ یہ حادث ہوگا اس لئے کہ حضور پاک ﷺ کا کلام خود حضور کی صفت ہے اور آپ ﷺ حادث ہیں لہٰذا آپ کی صفت بھی حادث ہوگی ان کے ماسوا اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔ اب تم کو اشکال ہو رہا ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ کو بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم (یعنی قرآن وحدیث) سے بالکل الگ تھلگ ہے تو سنو میں کٹر حنفی ہوں جیسے کہ حافظ ابن حجر کٹر شافعی ہیں فقہ قرآن وحدیث سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ درایت الحدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ میں سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کر کے یہ لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہئے دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنا دیا تو درحقیقت فقہ وقرآن وحدیث کوئی الگ الگ چیز نہیں ہوئی۔ جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں میری رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ علم فقہ قرآن وحدیث

Maktaba Tul Ishaat. com

کے معارض ومنافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے کہ فقہاء نے غور وفکر کر کے قرآن وحدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا جس کا نام ''علم فقہ'' ہو گیا اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس وجہ سے کیا کہ ایک عالم کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا جیسے حدیث میں بحالت صیام اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی۔ یہاں عامی کیا کر سکتا ہے اس کے سامنے تو مسائل کی شکل وہ ہونا چاہئے جس پر وہ عمل کر سکے۔ چنانچہ مجتہدین نے غور وفکر کر کے بتلایا کہ حدیث نہی جوان کے لئے ہے اور حدیث اباحت بوڑھے کے لئے کیونکہ جوان بے قابو ہو سکتا ہے مگر بوڑھا نہیں ہوگا۔ (۱)

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی صرف قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں بلکہ اس کے اندر فقہ کے دلائل اور مسائل مزبورہ فی کتب الفقہ مذکور ہیں واللہ اعلم۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ بتلائی گئی ہے کہ حدیث کے معنی بات کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم ﷺ کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ احادیث میں صرف حضور ﷺ کی باتیں کہاں ہیں بلکہ آپ ﷺ کے افعال اور احوال بھی مذکور ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے احوال وافعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

حدیث وخبر :

اب یہاں پر ایک علمی گفتگو ہے وہ یہ کہ حدیث کے معنی کلام اور بات کے ہیں اور خبر کے معنی بھی بات کے ہیں تو آیا اب اس علم حدیث کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس کو علم الاخبار کہا جا سکتا ہے جیسے کہ علم الحدیث بھی اس کا نام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خبر وحدیث میں کیا نسبت ہے؟ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے وہ اس طرح پر کہ حدیث تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ ﷺ اور دوسرے اخبار ملوک پر بھی ہوتا ہے چنانچہ اخبار ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے۔

اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ اگر حضور ﷺ کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کا مآخذ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہٰذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواباً ہم کہیں گے کہ کلام تو خبر وحدیث دونوں سے عام ہے مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن وعلم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے اس لئے کلام کا اطلاق بخوف التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا ہے۔ یہی میرے نزدیک بھی راجح ہے کہ ان دونوں میں عام وخاص کی نسبت ہے۔

بحث خامس ''مؤلف کے بارے میں'':

مؤلف دو ہوتے ہیں: ایک مؤلفِ فن دوسرے مؤلفِ کتاب۔ یہاں مؤلفِ فن اور اس کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے اور مؤلفِ کتاب کا ذکر آگے آرہا ہے عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور ﷺ کے انتقال کے ایک سو برس بعد ہوئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانے میں ہوئی بلکہ اس کی تالیف اور یادداشت وغیرہ تو خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تھی۔ چنانچہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو

---

(۱) ھکذا فی التقریرین وقد وقع تصریح الشیخ والشاب فی نفس الحدیث۔ کماھو فی ابی داؤد وغیرہ

Maktaba Tul Ishaat. com

انہوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔ اس مجموعہ کی چھ احادیث حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعے کی کوئی حدیث ابوداؤد میں آتی ہے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ ہوتے ہیں اما بعد فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اما بعد قال وغیرہ کے الفاظ ہوتے ہیں۔ اور اسی مجموعے کی سو کے قریب احادیث مسند بزار میں ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے طور پر قلمبند کر رکھے تھے ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے خطوط کی شکل میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں۔ لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ ہاں البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا گیا۔ یہ بحث کوئی مہتم بالشان بحث نہیں تھی۔ مگر حمقاء زمانہ نے اس کو مہتم بالشان بنا دیا اور تم کو یہاں تو نہیں البتہ باہر جا کر اس کی سخت ضرورت پڑے گی۔ کیونکہ عام طور سے فرقہ قرآنیہ اور آوارہ قسم کے روشن خیال حضرات خاص طور سے یہ اچھالتے ہیں کہ بھلا ایسی حدیث کا کیا اعتبار جو ایک سو برس بعد لکھی گئی لیکن یہ لوگ بکواس محض کرتے ہیں ورنہ میں اوپر بتلا ہی چکا ہوں کہ جمع وکتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہو چکی تھی البتہ تصنیف وتبویب بعد میں ہوئی۔

علم حدیث تاریخی حیثیت سے :

یہ ایک تاریخی اور مسلم مسئلہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جو خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں اور پہلی صدی کے مجدد ہیں انہوں نے امرائے اجناد کو لکھا کہ میں علم حدیث کے اندراس اور ذہاب علم کا خوف کرتا ہوں لہٰذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں ان کو جمع کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مختصری تاریخ یہ ہے کہ وہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) ہوئے اس کے بعد ۹۹ھ میں خلیفہ وقت (سلیمان بن عبدالملک) کا انتقال ہوا اس کے جانشین کی حیثیت سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا گویا کل مدت خلافت دو سال ہے۔ یہی مدت کم وبیش حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی بھی ہے چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا اگرچہ مؤرخین تو جانبین کے کسر کو حذف کر کے انتالیس سال ہی بتلاتے ہیں۔ منکرین حدیث یہاں یہ اشکال کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین وترتیب خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیوں نہیں کی؟ پہلا جواب اس کا یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سینکڑوں دھندے تھے۔ جہاد کی مشغولیت، مسائل سیکھنا سکھانا، اور پھر حسب ضرورت کسب معیشت وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سینکڑوں مشاغل کے دوران جن میں فتنہ ارتداد وغیرہ بھی شامل ہے۔ احکام فرعیہ کی تدوین کا موقعہ نہیں ملا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی دوسرا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف (۱) کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تم صرف قرآن پاک کو لکھا کرو۔ میری احادیث مت لکھو اور جو کچھ تم نے احادیث لکھ لی ہیں ان کو مٹا دو۔

---

(۱) مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں: عن ابی سعید الخدری قال کنا قعودا نکتب ما نسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج علینا فقال ماھذا یکتبون؟ فقلنا مانسمع منک. فقال اکتاب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ واخلصوہ قال فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احرقناہ. (مسلم) شاہد غفرلہ

Maktaba Tul Ishaat. com

تو چونکہ اس حدیث سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس لئے علماء سلف میں کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب ہو گئے۔ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ جب اباحت اور ممانعت میں تعارض ہو جائے تو ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ چونکہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے اس وجہ سے حدیث کا لکھنا لکھانا جائز ہے۔مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صحابی حضرت ابوشاہ یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا لابی شاہ (۱) اس خطبہ کے اندر کیا تھا؟ احادیث ہی تو تھیں۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (کمافی ابن ابی شیبہ) فرماتے ہیں کہ میری عادت یہ تھی کہ حضور ﷺ کی تمام باتیں حتی کہ حرکات وسکنات لکھ لیا کرتا تھا۔لوگوں نے منع کیا کہ حضور ﷺ بشر ہیں اور بشریت کے مقتضی کی بناء پر بعض مرتبہ غلط بات یا غیر مناسب جملہ بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکل سکتا ہے لہٰذا ہر بات مت لکھا کرو۔انہوں نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا کہ مجھے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام باتیں لکھنے سے منع کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس زبان (۲) سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔اگر میں یوں کہوں کہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں کتابت کا حکم دیا ہے تو بے جا نہ ہوگا ورنہ کم از کم اجازت تو ضرور ہے ایسے ہی ایک مرتبہ (۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض حضرات نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ احکامات ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے لکھ کر دیئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور اس فہم کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور کوئی شے نہیں۔اور اس صحیفہ میں حضور ﷺ نے زکوٰۃ، دیات، قصاص، امان وغیرہ کے احکامات لکھے تھے۔اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دی ہے۔اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے انہی میں سے ایک صحیفہ ہمام ابن منبہ ہے جس سے حضرت امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں ھذا ما حدثنا ابوھریرہ کر کے روایت نقل فرماتے ہیں۔انہی مذکورہ احادیث سے اس دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کے لئے لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے۔لیکن اب جمہور سلف اور خلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ یہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا جائز ہے۔چنانچہ خود امام بخاری رحمہ اللہ باب کتابۃ العلم کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمائیں گے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں روایات کے محفوظ رکھنے کا اہتمام بہت زیادہ تھا لکھنے کا اہتمام اتنا نہیں تھا۔ان لوگوں کے حافظے نہایت قوی تھے۔ہزاروں لاکھوں حدیثیں وہ لوگ اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔امام

---

(۱) یہ ایک طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کتابۃ العلم کے ذیل میں بیان فرمایا ہے۔

(۲) حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں: عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت اکتب کل شی اسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم ارید حفظه فنهتنی قریش وقالوا تکتب کل شی تسمعه ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضاء فامسکت عن الکتاب فذکرت ذلک الی رسول الله صلى الله عليه وسلم فاومی باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده مایخرج الاحق. اخرجه ابوداؤد فی کتابة العلم.

(۳) بخاری شریف (باب کتابة العلم) میں یہ حدیث اس طرح مذکور ہے: عن ابی جحیفة قال قلت لعلی هل عندکم کتاب قال لا الا کتاب الله او فهم اعطیه رجل مسلم او مافی هذه الصحیفة قال قلت وما فی هذه الصحیفة قال العقل وفکاک الاسیر ولایقتل مسلم بکافر (مرتب)

Maktaba Tul Ishaat. com

ترمذی کا واقعہ تم نے سنا ہوگا کہ جنگل میں تشریف لے جارہے تھے ایک جگہ پر خود ہی جھک گئے۔شاگردوں نے عرض کیا حضور! کیوں جھکے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ یہاں کوئی کیکر کا درخت نہیں ہے؟ تلامذہ نے عرض کیا کہ کہیں نہیں ہے۔امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اتنا کمزور ہے تو میرا احادیث نقل کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے لیکن جب تحقیق کی گئی تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بتلایا کہ یہاں بہت مدت پہلے ایک کیکر کا درخت تھا جواب نہیں رہا۔امام ترمذی اخیر زمانے میں نابینا ہوگئے تھے۔بینائی کے زمانہ میں کبھی اس جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے کو ہو کر گزرے ہوں گے جوان کو اب تک یاد رہا۔تو جب اللہ نے ان کو اتنے زبردست حافظے دیئے تھے۔تو ان کو جمع کر کے تصنیف وتالیف کرنے سے کیا فائدہ ہوتا؟ بلکہ ان کا سینہ خود ایک علم کا گھر تھا۔اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں وہ یہ کہ سب سے پہلے کس نے اس فن کو مدون اور مبوب کیا۔عامہ محدثین اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حدیث کے مدون امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے اور بعض محدثین ومحققین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدون محمد بن ابی بکر حزم رحمہ اللہ ہیں اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے۔جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے باب کیف یقبض العلم کے ذیل میں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط نقل کیا ہے ان میں انہی کا نام مذکور ہے۔اور مؤطا امام مالک بروایۃ محمد میں یہ ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا۔لیکن میرے نزدیک ان دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے امرائے اجناد کو خط لکھ کر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا تو بہت ممکن ہے کہ ایک امیر نے ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو حکم دیا ہو زمانہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔بہر حال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں لیکن تاریخ میں اس کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اول مدون ہیں۔مثلاً حضرت امام مالک، معمر، ابن جریج، ابن المبارک، ہشیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ان سب کے تراجم میں تم کو بھی ملے گا کہ یہ لوگ اول مدون ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں تار برقی، ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جواب ہے ایسے ہی نہ ریل تھی نہ ہوائی جہاز، نہ موٹریں وغیرہ بلکہ دستور یہ تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا کوئی حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام وخیریت کہلانی ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے واسطے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کر کے لوگ واپس جاتے تو ان کے ہاتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے جب کبھی وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کر کرا کر دیدیا کرتا۔اس میں بسا اوقات ایک دو سال بھی لگ جایا کرتے تھے غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی کوئی کتاب کسی طرح دوسری جگہ حدیث کی پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدون ہوگا اس لئے کہ ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جاچکی ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا اور پھر جوں جوں زمانہ گزرا تہذیب وتنقیح وتبویب ہوتی چلی گئی اور اس فن کے اندر جلا پیدا ہوتا گیا۔اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ الگ جمع کردیں مثلاً زکوٰۃ کی کتاب الزکوٰۃ میں اور نماز کے متعلق روایات کتاب الصلوٰۃ میں وغیرہ وغیرہ۔علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک الفیہ لکھا ہے جو الفیہ سیوطی کے نام سے مشہور ہے اور ایک الفیہ حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ عراقی کا ہے جو الفیہ عراقی کے ساتھ مشہور ہے بہت سخت ہے اور بہت مشکل۔یہ الفیہ میرے والد صاحب کے زمانہ میں داخل درس تھا جس کو وہ حفظ سنا کرتے تھے۔یہ دونوں حدیث کے اندر ہیں اور ایک تیسری الفیہ نحو کے اندر ہے جو ابن مالک کی ہے۔انکو الفیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے اندر ایک ایک ہزار اشعار ہیں۔بہر حال علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جو الفیہ لکھا ہے اس کے اندر ان حضرات

Maktaba Tul Ishaat. com

کے اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں جن کو اول مدون کہا گیا ہے۔ اور چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے اس وجہ سے ان کا نام بھی مذکور ہے وہ اشعار یہ ہیں ۔

اول جامع الحدیث والاثر ابن شهاب آمر له عمر
واول الجامع للابواب جماعة فی العصر ذو اقتراب
کابن جریج وهشیم مالک ومعمر وولد المبارک
واول الجامع باقتصار على الصحيح فقط البخاری
ومسلم بعده والاول على الصحيح في الصحيح افضل

عمر سے مراد عمر بن العزیز رحمہ اللہ ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی رحمہ اللہ نے اول مدون ابن شہاب کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ زہری رحمہ اللہ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کو بھی تو اول مدون کہا گیا ہے تو علامہ ان دونوں میں جمع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں **واول الجامع** الخ یعنی امام مالک وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب پر احادیث کو مرتب کیا۔ جمہور کا بھی یہی جواب ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: **واول الجامع باقتصار على الصحيح فقط البخاری** چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔ تیسری وجہ اس تعارض کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ارشاد فرمائی ہے حافظ کٹر متعصب شافعی ہیں ان کے تعصب کی حد یہ ہے کہ اگر کوئی راوی حنفیہ کے مستدل میں آجائے تو اس کی ساری تجریحات ان کو یاد آجاتی ہیں لیکن اگر اسی نوع کا راوی ان کے مستدل میں آجاتا ہے تو بالکل اس طرح خاموش چلے جاتے ہیں کہ خبر بھی نہیں ہوتی اسی بناء پر احناف ان سے ناراض ہیں مگر کچھ بھی ہو سارے حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر ان کے احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے آج رجال کی جتنی کتابیں ہیں وہ سب حافظ کی ہیں سوائے دو چار کے۔ اسی وجہ سے جہاں کوئی حافظ کی بات آجاتی ہے میں خاموش ہو جاتا ہوں اور مجھے ان کے کلام کو رد کرنے میں بڑی جھینپ ہوتی ہے۔ بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس تعارض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ کے اندر امام مالک رحمہ اللہ بصرہ کے اندر ابن جریج رحمہ اللہ اور رے (ایران) میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ یمن میں معمر بن راشد رحمہ اللہ سب سے اول احادیث کو جمع کرنے والے ہیں۔

بحث سادس ''اجناس کے بارے میں'':

اس میں کلام مختصر ہے علوم کی اجناس مقرر ہیں اور مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی تقسیم مختلف حیثیات واحوال کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً ایک تقسیم علم کی باعتبار عقلیات ونقلیات کے ہے کہ آیا یہ عقلی ہے جیسے منطق وفلسفہ یا نقلی ہے جیسے جغرافیہ وغیرہ اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس کی تقسیم الگ الگ ہے ایک باعتبار علوم عقلیہ ونقلیہ ہونے کے۔ چنانچہ علم حدیث نقلی ہے۔ ایک تقسیم باعتبار فرعیات

Maktaba Tul Ishaat. com

واصلیات کے ہے اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس اصلی ہے۔ ایک تقسیم علم حدیث کی شرعی وغیر شرعی ہونے کے اعتبار سے ہے اس نوعیت سے علم حدیث کی جنس شرعی ہوئی تو اب خلاصہ یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس اصلی نقلی شرعی ہوئی۔

علماء نے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً کشف الظنون اس میں اصل تذکرہ تو کتابوں کا ہے مگر تبعاً اجناس پر بھی بحث کی گئی ہے اور جیسے نواب صدیق حسن خاں امام اہل حدیث کی ابجد العلوم اور مولانا محمد اعلیٰ صاحب تھانوی محدث کی کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون وغیرہ'' اس فن میں سے زیادہ جامع یہی کشاف ہے۔ اوجز کے مقدمہ کے اندر میں نے اس سے بہت مدد لی ہے۔ یہ کتاب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے کتب خانہ میں تھی جب مجھے ضرورت پڑتی میں وہیں جا کر دیکھ آتا۔ یہاں اس وجہ سے نہیں لاسکتا تھا کہ خود حضرت کو بھی اس کی ضرورت رہتی تھی۔ تقسیم پاکستان کے بعد جب حضرت کا کتب خانہ پاکستان منتقل ہوا تو یہ کتاب بھی چلی گئی۔

بحث سابع ''مرتبۂ حدیث'':

علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے: ایک باعتبار فضیلت کے، دوسرا باعتبار تعلیم کے۔ فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم سے آخر میں ہے جیسا کہ تم بھی دیکھتے ہو کہ ہر درس نظامی میں دورۂ حدیث شریف کو جملہ کتب کے آخر میں رکھا گیا ہے سب سے پہلے صرف، نحو اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر۔

بحث ثامن ''قسمت وتبویب'':

جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم وتبویب ہوتی ہے جیسے کہ آئندہ مقدمۃ الکتاب میں آرہا ہے ایسے ہی علم کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے چنانچہ حدیث پاک کے آٹھ ابواب ہیں یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھوں ابواب میں سے کسی ایک میں داخل ہو وہ آٹھ یہ ہیں: عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، رقاق، آداب، مناقب، فتن۔ جو کتاب ان آٹھ ابواب کو مجتمع و مشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں۔ بخاری شریف جامع ہے نیز ان اقسام ثمانیہ کے اندر مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں مثلاً امام بیہقی کی کتاب ''الاسماء والصفات'' اس میں بیہقی نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ترمذی کے اندر اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے اس کے اندر اگرچہ ابواب ثمانیہ موجود تو ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو کتاب الطہارۃ سے شروع فرمایا نہ کہ کتاب الایمان سے۔
جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انہوں نے تو اس کو جامع بتلا دیا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف بر طریق سنن ہے اس کو ''سنن ترمذی'' بتلایا۔

بحث تاسع ''حکم شرعی'':

علم حدیث کا شرعی حکم یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے یہی حکم علم فقہ کا ہے کیونکہ احادیث کی تفصیل تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔ یہ نو بحثیں تو ختم ہوئیں جن کا عنوان تھا ''مقدمۃ العلم''۔

Maktaba Tul Ishaat. com

مقدمۃ الکتاب

(اس میں گیارہ بحثیں ہیں)

بحث اول :

جیسا کہ علم حدیث کی ایک غرض وغایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی بھی ایک غرض وغایت ہوتی ہے جو خصوصیات مصنف میں شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کی بھی ایک غرض اس کتاب سے ہے وہ یہ کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ایک خواب بچپن میں دیکھا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور میں ان کو اڑا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے استاذ اسحاق بن راہو یہ کو سنایا۔ انہوں نے یہ تعبیر دی کہ انت تذب الکذب عن احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تم کسی وقت میں انشاء اللہ حضور اکرم ﷺ کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو نکالو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ان کے استاد نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم ایک کتاب لکھو جس میں صحیح احادیث ہوں ان کو بھی ولولہ اور شوق ہوا تو حدیث کے اقسام ثمانیہ کو انتقاء کر کے احادیث صحیحہ بخاری کے اندر جمع فرمائیں۔ یہ تو غرض اصلی ہے اور اولین داعیہ۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت جو امام بخاری کی ساری کمائی قرار دی جاسکتی ہے وہ ان کے تراجم ہیں۔ یعنی احادیث سے مسائل کا استنباط کرنا ورنہ نفس احادیث تو تم مشکوٰۃ میں پڑھ چکے ہو۔ اسی وجہ سے حضرات علماء نے باقاعدہ اس میں تصنیفات فرمائی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ''تراجم بخاری'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ایسے ہی ایک رسالہ اردو میں حضرت شیخ الہند نے الابواب والتراجم کے نام سے لکھا ہے۔ ایسے ہی میرے اساتذہ اور مشائخ کے یہاں بھی اسی بات کا اہتمام رہا کہ اصل مقصد ترجمۃ الباب ہے۔ علماء نے بخاری شریف کی بہت سی فضیلتیں اپنے تجربات کے بعد لکھی ہیں مثلاً یہ کہ جس جہاز میں بخاری شریف کا کوئی نسخہ ہو وہ جہاز سمندر میں نہیں ڈوبے گا اور مثلاً یہ کہ کسی مشکل کے واسطے بخاری شریف کا ختم بہت مجرب ہے۔ کسی مریض کے لئے اس کا پڑھنا بہت نافع ہے۔ بارہا ہم نے تجربہ کیا ہے کہ مریض کے واسطہ بخاری شریف کا ختم ہوا تو وہ شفایاب ہو گیا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ ابو زید مروزی (ایک بڑے فقیہ) نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمارہے ہیں کہ شافعی کی کتابیں کب تک دیکھتے رہو گے میری کتاب کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی کونسی کتاب ہے؟ فرمایا بخاری شریف۔

بحث ثانی سمہ :

یعنی کتاب کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ پہلے یہ سنو کہ اس کا نام الجامع المسند الصحیح من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ ہے۔ جامع تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر آٹھوں ابواب مذکور موجود ہیں اور مسند اس وجہ سے کہ جتنی روایات ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے بالرفع منقول ہیں اور آثار وغیرہ جو ذکر فرمائے ہیں وہ بالتبع آ گئے۔ اور صحیح اس وجہ سے فرمایا کہ اس کے اندر احادیث صحیحہ کا ہی ذخیرہ مذکور ہے اور کوئی راوی اس کے اندر ضعیف نہیں ہے۔ اور من حدیث رسول اللہ ﷺ کی قید کو تو تم جانتے ہی ہو کہ ساری اس کے اندر احادیث ہیں اور سننہ اس لئے بڑھایا کہ تا کہ حضور اکرم ﷺ کی تقریرات بھی اس

Maktaba Tul Ishaat. com

میں داخل ہو جائیں۔اور ایامہ سے مراد وہ وقائع اور حالات ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے مقدس زمانے میں پیش آئے۔ بہت سی احادیث امام نے ایسی ذکر فرمائی ہیں جو نہ تو قولی ہیں نہ فعلی اور نہ تقریری۔ وہاں بہت سے شراح کو اشکال ہو رہا ہے بعض جگہ میں وہ اشکالات بتلا بھی دوں گا لیکن اگر وہ لوگ بخاری شریف کا پورا نام ذہن میں رکھتے تو ان کو یہ اشکال نہ پیش آتا۔

بحث ثالث مؤلف کتاب :

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ایک فن کا مؤلف ہوتا ہے دوسرے کتاب کا مؤلف۔اول کا ذکر تو آچکا، اب مؤلف کتاب کا تذکرہ سنو۔اس کتاب کے مؤلف امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری ہیں۔ان کا سلسلۂ نسب محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی البخاری۔ جعفی نسبت ہے جعف کی طرف اور عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔

بردزبہ باء مفتوحۃ بعدہ راثم دال مکسورہ بعدہ ھا یہ فارسی کی لغت ہے اور فارسی بھی ملک بخارا کی۔ بردزبہ فارسی زبان میں کاشتکار کو کہتے ہیں یہ کھیتی کرتے تھے اور مجوسی تھے حالت کفر میں ہی انتقال ہوا۔ان کے صاحبزادے مغیرہ ہیں یہ مسلمان ہیں اور یمان جعفی جو اس وقت کابل و بخارا اور سمرقند کے حاکم اور عرب کے باشندے تھے یہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یہ تمام علاقے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مفتوح ہو چکے تھے۔عرب کے اندر جس طرح ولاء معاقدہ اور ولاء موالات کی نسبت ہوتی ہے اسی طرح موالات اسلام کی بھی نسبت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو مغیرہ جعفی کہتے ہیں۔ ابراہیم، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا اور یاد رکھو میں تو خاص طور سے ان لوگوں میں ہوں کہ جس چیز کے متعلق حافظ ہتھیار ڈال دیں اور لاعلمی کا اظہار کریں تو وہاں میری تتبع اور تلاش کی ہمت نہیں ہوتی اگرچہ بہت سی چیزیں مل بھی گئیں ہیں۔ اسماعیل یہ حضرت امام بخاری کے والد ماجد ہیں اور امام مالک کے تلامذہ میں سے ہیں ان کا ذکر کتب تواریخ ورجال میں ملتا ہے۔

احوال امام بخاری :

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تیرہ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے یہی قول مشہور ہے۔اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شب جمعہ میں پیدا ہوئے مگر راجح اول ہی ہے۔امام بخاری کی بصارت بچپن ہی میں جاتی رہی تھی۔ان کی والدہ نے خوب دعائیں کیں، خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی، فرمایا: اللہ نے تیرے بچے کی آنکھیں درست کردیں۔ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ حضرت امام بخاری بالکل تندرست ہیں۔امام بخاری نے بمقام خرتنگ جو سمرقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے، شنبہ کی رات میں جو کہ عید الفطر کی بھی شب تھی۔ ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔تنگ آکر رمضان شریف میں دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی کل عمر باسٹھ سال ہوئی۔ یاد رکھو کہ جمعہ کے بعد اس دار فانی میں تشریف لائے اور شنبہ کی رات میں انتقال ہو گیا یہ دنیا کی کل مدت ہے۔جس میں باسٹھ سال کی عمر آگئی، یہ بچے کے کان میں ولادت کے بعد جو اذان ہوتی ہے اور نماز جنازہ بلا اذان ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ وہ اذان اس نماز کی ہوتی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ مدت عمر اذان سے لے کر نماز تک ہے۔غنیمت سمجھو اور جو کچھ کرنا ہو اس مدت میں کرلو۔

Maktaba Tul Ishaat. com

محدث داخلی کی مجلس اور امام بخاری:

حضرت امام بخاری کے والد ماجد (اسماعیل) کا انتقال اسی وقت ہو چکا تھا جب کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بالکل بچے تھے والد نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرے مال میں ایک پیسہ بھی مشتبہ نہیں ہے۔ اسی مال سے امام بخاری رحمہ اللہ کی پرورش اور تربیت ہوئی اور باقاعدہ جیسا کہ شرفاء کا دستور ہوتا ہے حضرت امام کو مکتب میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ مکتب میں جانے لگے اور امام داخلی محدث کی ''مجلس تحدیث'' جو اس وقت ہوا کرتی تھی اس میں بھی شرکت کرنے لگے۔ یہ مجلس خوب وسیع ہوتی تھی بڑے بڑے علماء اس میں شرکت کرتے تھے۔ یہ بیچارے بھی ایک کونے میں بیٹھ جاتے۔ رفتہ رفتہ ایک شوق اور ولولہ پیدا ہوا۔ ایک بات بطور جملہ معترضہ کے سنو وہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس درس میں شریک ہونے کے لئے ایک شرط حافظ ہونا بھی تھی ایک مرتبہ امام محمد رحمہ اللہ کو مجلس درس سے اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ وہ حافظ (قرآن) نہیں تھے، بہرحال ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت استاد داخلی رحمہ اللہ نے کسی حدیث کی سند اس طرح پڑھی عن سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم الخ امام بخاری رحمہ اللہ دور ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے وہیں سے فرمایا عن ابی الزبیر صحیح نہیں ہے داخلی رحمہ اللہ نے دریافت کیا ''بچے کیا غلطی ہوئی؟'' حضرت امام نے رحمہ اللہ فرمایا کہ ابوزبیر کا لقاء (ملاقات) ابراہیم سے ثابت نہیں بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہ سن کر محدث داخلی رحمہ اللہ مکان میں تشریف لے گئے۔ کتاب دیکھی تو فی الحقیقت اس میں عن ابی الزبیر کے بجائے عن الزبیر تھا۔ استاد نے فرمایا تم نے صحیح کہا اور پھر اسی دن سے امام بخاری رحمہ اللہ اپنے استاد (داخلی رحمہ اللہ) کی نظر میں مقبول اور وقیع بن گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک واقعہ اور پیش آیا وہ یہ کہ امام بخاری ایک دوسری مجلس میں بھی جایا کرتے تھے۔ وہاں دوسرے علماء بھی احادیث قلم بند کیا کرتے تھے مگر امام صاحب نہیں لکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ تم خالی ہاتھ آکر بیٹھ جاتے ہو اس بیکار بیٹھنے اور وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ اول اول تو بخاری خاموش رہے لیکن جب لوگوں نے خوب برا بھلا کہنا شروع کیا اور تنگ کرنے لگے تو حضرت امام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنی احادیث لاؤ ان کو امام بخاری نے ایک طرف سے سنانا شروع کیا۔ جن کی تعداد ۱۵۰۰۰ پندرہ ہزار تھی، یہ سن کر سب منہ دیکھتے رہ گئے۔

سفر حجاز:

۲۱۰ھ میں جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عمر سولہ برس کی ہوئی تو اپنے والد ماجد کی پاک کمائی سے اپنی والدہ اور بڑے بھائی احمد کے ہمراہ حج کو تشریف لے گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا سفر اس وقت ہوا جب کہ ان کی عمر سولہ برس کی تھی اور اساتذۂ حجاز سے حدیث کے حاصل کرنے میں تاخیر واقع ہوئی۔ حج کرنے کے بعد ان کی والدہ محترمہ اور بڑے بھائی صاحب تو واپس آگئے۔ اور حضرت امام رحمہ اللہ بغرض تعلیم وہیں رہ گئے۔ اس قیام کی مدت بقول بخاری چھ سال ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مدت قیام اتنی ہی ہو، ممکن ہے ایک دو سال کسی اور جگہ تشریف لے گئے ہوں۔ جس وقت امام بخاری رحمہ اللہ اٹھارہ سال کے تھے تو ایک کتاب ''قضایا صحابہ وتابعین'' کے نام سے مدینہ پاک میں لکھی۔ یہ کتاب اب کہیں نہیں ملتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور وکیع کی تمام کتابیں حفظ یاد ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر لکھی۔ یہ ان کی دوسری تالیف ہے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں روشنی وغیرہ کا تو انتظام تھا نہیں اس لئے میں نے اس کتاب کو چاند کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہ سارے واقعات اٹھارہ سال کی عمر کے لگ بھگ اور ۲۱۲ھ کے قریب کے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

تاریخ کبیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر سے نہیں گزری البتہ کافی مدت ہوئی حیدر آباد مرحوم میں طبع ہو چکی۔ میں نے مرحوم اس وجہ سے کہا کہ اب حیدر آباد پہلے جیسا حیدر آباد نہیں رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت یادداشت :

حضرت امام رحمہ اللہ کی قوت حفظ ضرب المثل ہے۔ تم کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ دس سال کی عمر میں اپنے استاذ (داخلی رحمہ اللہ) کو لقمہ دیا جس کا یہ حال بچپن میں ہو تو بڑا ہو کر جب کہ اس کو اس میں توغل بھی ہو جائے کیا حال ہوگا اور جب کسی کو کسی شئے میں توغل ہوتا ہے تو اچھی طرح سے اس کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے اور قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی خاص چیز میں مشہور ہو جاتا ہے تو پھر اس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے چنانچہ دو واقعے ایک سمرقند، دوسرا بغداد کا امام کے امتحان کا پیش آیا۔ بغداد کا قصہ زیادہ مشہور ہے کہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان کی شہرت بہت ہے آج ان کا امتحان لیں۔ چنانچہ دس علماء نے مل کر سو احادیث تلاش کیں اور ہر ایک نے دس دس احادیث اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیں اور ان کی سند اور متن (مضمون حدیث) کو ایک دوسری کی جگہ ردوبدل کر دیا جب امام صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو ہر ایک نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھانپ لیا کہ کچھ دال میں کالا ہے اصل میں ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی اطراء کرتا ہے تو حقیقت خود بخود کھل جاتی ہے۔ بہرحال ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کچھ احادیث حضرت کو سنانا چاہتے ہیں امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا سنادو۔ اس پر ہر ایک نے نمبروار احادیث سنا کر دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ امام بخاری ہر ایک کے جواب میں لا ادری فرماتے رہے۔ یعنی مجھے معلوم نہیں جب سب سنا دیں تو اب ان لوگوں نے اشارے شروع کر دیئے کہ یہی ہیں وہ جن کا بڑا شہرہ ہے بس جی پیراں نمی پرند مریداں می پرانند والا قصہ ہے۔ جب سب معاملہ نمٹ گیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اول سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے حدیث اس طرح پڑھی ہے یہ غلط ہے صحیح یہ ہے اور پھر ہر ایک کو نمبروار اس کی غلط حدیث اور اپنی صحیح حدیث سنائی یہاں کمال یہ نہیں کہ پوری سو احادیث مع سند کے سنا دیں بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ ان کی اسانید واحادیث منقلبہ کو صحیح کر کے نمبروار سنا دیا۔

مسئلہ خلق قرآن اور امام بخاری رحمہ اللہ :

جس طرح آج کل ہم لوگوں سے کسی معاصر کی رفعت نہیں سنی جاتی اسی طرح پہلے زمانے میں بھی یہی دستور تھا چنانچہ امام بخاری کے معاصرین کو بھی امام صاحب رحمہ اللہ سے حسد پیدا ہوا اور جہاں جہاں ان کا شاندار استقبال ہوتا وہیں کچھ حاسدین اس کا ردعمل بھی کرتے چنانچہ بہت سی جگہ سے مار پیٹ کر نکالے گئے۔ بہت سے لوگوں نے گالیاں دیں۔ اس زمانہ میں ایک مسئلہ خلق قرآن کریم کا بہت زور شور سے چل رہا تھا اور ہر خواص وعوام کی زبانوں پر جاری وساری تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ دونوں ایک مرتبے کے ہیں اس لئے دونوں ہی کو اس مسئلہ میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سی مرتبہ جیل میں گئے اور بھی بہت سے علماء نے اس مسئلہ میں کوڑے کھائے تکلیفیں اٹھائیں مگر جمے رہے۔

اب چکی کا پاٹ یہ ہے کہ بہت سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی ایذاء رسانی اور تکلیفوں کا مبنی ایک ہی تھا حالانکہ ایسا نہیں دراصل بات یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اس لئے ان

Maktaba Tul Ishaat. com

کا زمانہ پہلے کا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا بعد کا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں معتزلہ کا بہت زور تھا اور سلاطین وقت بھی انہی کے ساتھ تھے۔ معتزلہ کا کہنا تھا کہ یہ قرآن حادث ہے مخلوق ہے۔ لفظ کــــن سے پیدا کیا گیا ہے ان پر رد کرنے کے واسطے حنابلہ حضرات کو میدان میں آنا پڑا اور ان لوگوں نے کھل کر معتزلہ کا رد کیا اور کہا کہ قرآن پاک قدیم ہے، اور یہ قاعدہ تم کو معلوم ہی ہے کہ جیسا کہ آج کل کا بھی دستور ہے کہ جب کوئی مقتدا کسی چیز کے متعلق رد کرتا ہے تو بہت ہی زور وشور اور مبالغہ کے ساتھ تردید کرتا ہے اور جو لوگ اسکی پارٹی کے خدام اور مرید ہوتے ہیں وہ اپنے لیڈر اور بڑے کی بات کو خوب زور وشور سے اچھال کر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام کے معتقدین اور متعلقین نے ایک قدم اس سلسلہ میں اور بڑھایا وہ یہ کہ قرآن جو موجود ہے یہ بھی قدیم ہے اور اس کے الفاظ بھی قدیم ہیں اور یہ دُفَّتَيْنِ (گتہ) اور کاغذ بھی قدیم ہے۔ ان مبالغہ آرائیوں کو اور ان نقوش کو جب امام بخاری رحمہ اللہ نے دیکھا تو بڑی شدت سے حنابلہ کا رد کیا اور فرمایا لفظی بالقرآن مخلوق یعنی جو الفاظ قرآن پاک کے میں اپنی زبان سے بول رہا ہوں یہ مخلوق اور حادث ہیں اور جو اس کے خلاف کہے وہ کافر ہے۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا اتنا اختلاف ہوا کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کو دیکھا جائے تو اس سے امام احمد رحمہ اللہ کی تکفیر لازم آتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالتصریح ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہوں بلکہ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو معتزلہ کے مقابلہ میں تشدد فرمایا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حنابلہ کے مقابلہ میں اس پر حنابلہ نے امام بخاری کی خبر لی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ جہاں جاتے ابتلاء میں پھنس جاتے حتی کہ آخر میں سب جگہ سے مایوس ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا واپس تشریف لے گئے۔

واقعہ امیر خالد اور حادثۂ فاجعہ :

اس وقت وہاں کا امیر خالد نامی ایک شخص تھا۔ وہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بعض لوگوں نے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اگر بکری کا دودھ دو بچے پی لیں تو ان میں رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بعض حاسدین نے اس کا خوب شور مچایا۔ ابو حفص کبیر حنفی رحمہ اللہ نے ان سے کہلا بھیجا کہ تم حدیث پر رہو فقہ دانی نہ کرو۔ فقہ اور اس کے مسائل ہم لوگوں کے لئے رہنے دو۔ تم صرف اپنے حدیث کے مشغلے میں منہمک رہو۔ اس کے بعد وہاں کے امیر خالد نے امام صاحب کو کہلا بھیجا کہ میرے لڑکے آپ سے حدیث پڑھنا چاہتے ہیں کسی وقت آ کر ان کو پڑھا دیا کیجئے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے جواباً کہلا بھیجا کہ مجھے حدیث پاک کو ذلیل نہیں کرنا جسے پڑھنا ہو میرے پاس آ کر پڑھے۔ امیر نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ میں بچوں کے ہمراہ ضرور حاضر ہوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت دوسرے لوگ وہاں تعلیم کے لئے موجود نہ ہوں صرف میرے لڑکے تعلیم حاصل کریں گے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا اور کہا سب بچے پڑھنے میں برابر ہیں۔ امیر کو اس بات پر غصہ آ گیا اور اس نے امام صاحب رحمہ اللہ کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نکل گئے اور نکلتے وقت دعا کی کہ اے اللہ! جس طرح اس امیر نے مجھ کو نکالا تو بھی اس کو ذلیل کر کے یہاں سے نکال دے۔ چنانچہ ایک ماہ سے پہلے ہی اس امیر سے کوئی حاکم اعلیٰ کسی غلطی کی بنا پر ناراض ہو گیا اور حکم دیا کہ اس معزول امیر کو کالا منہ کر کے گدھے پر سوار کرا کر پورے شہر میں چکر کراؤ۔ بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے وہاں سے سمرقند کا قصد فرمایا۔ راستہ میں خرتنگ مقام پر کچھ رشتہ دار تھے۔ رمضان کی آمد کی وجہ سے وہاں قیام

Maktaba Tul Ishaat. com

فرمایا۔ اسی دوران سمرقند سے اطلاع آئی کہ یہاں فضا تمہارے موافق نہیں ہے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے جب یہ سنا تو بہت رنج وغم ہوا اور یہ دعا فرمائی اللھم ضاقت علی الارض فمارحبت فاقبضنی الیک یہ دعا آپ نے اخیر عشرہ میں فرمائی اور یہ قبول ہوگئی چنانچہ عید کی رات میں وفات ہوئی اور عید الفطر یوم شنبہ ۲۵۶ھ کو بعد نماز ظہر اس مجسمۂ نور کو اسی مقام خرتنگ میں دفن کر دیا گیا دفن کے بعد سنا ہے کہ مدتوں آپ کی قبر مبارک سے نہایت زوردار خوشبو مہکتی رہی۔

اب اشکال یہ ہوگا کہ حضرت امام رحمہ اللہ نے اپنی موت کی تمنا کیوں فرمائی جب کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اپنے دین پر فتنہ کے خوف سے دعا فرمائی اور چکی کا پاٹ یہ ہے کہ اپنے اوپر نہیں بلکہ حاسدین پر رحم کھاتے ہوئے فرمائی، کیونکہ وہاں جا کر اگر لوگ تنگ کرتے تو ان حاسدین کا بیڑا غرق ہو جاتا تو گویا امت پر رحم کھاتے ہوئے آپ نے موت کی دعا فرمائی۔ رضی اللہ عنه وجعل الجنة مثواه.

امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات یاد رکھنے کے لئے میرے نزدیک آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ جملہ یاد کر لیا جائے صدق حمید نور یہ مادہ تو پہلے سے موجود تھا مگر اس کو جملہ کی شکل میں نے دیدی اور لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے کہ سچ کہا حمید نے کہ وہ نور تھے یعنی مجسمۂ نور تھے۔ ان تین لفظوں میں سے اول کے بحساب ابجد ایک سو چورانوے نمبر جو نکلتے ہیں وہ تو سن پیدائش ہے اور دوسرے لفظ کے جو باسٹھ نمبر نکلتے ہیں وہ ان کی کل عمر ہے اور نور کے کل نمبرات دو سو چھپن ہیں یہ حضرت امام کا سن وفات ہے۔

مذاہب ائمہ ستہ :

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اہل حدیث اور ائمہ محدثین مقلد تھے یا غیر مقلد؟ پھر مقلد ہونے کی صورت میں کس کی تقلید کرتے تھے؟ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جو آدمی بڑا ہوتا ہے اس کو ہر شخص چاہتا ہے کہ ہماری پارٹی میں شامل ہو جائے کیونکہ اس میں تجاذب اور کشش بہت ہوتی ہے اور ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے چنانچہ امام بخاری کے متعلق غیر مقلدین تو کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین ان کو مقلد مانتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے شوافع نے اپنے طبقات میں ان کو شافعی تحریر کیا ہے چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری پختہ طور پر مجتہد تھے۔ اگرچہ فقہائے شافعیہ نے ان کو طبقات شافعیہ میں اور غیر مقلدین نے اپنا کہا ہے لیکن چونکہ امام بخاری احناف سے زیادہ ناراض ہیں اس لئے نمایاں طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شافعی ہیں حالانکہ امام بخاری جتنے احناف سے ناراض ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ شافعیہ کے خلاف ہیں۔

چنانچہ وضو من القبلة اور قنوت فجر کا باب انہوں نے اپنی کتاب میں نہیں باندھا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ امام بخاری کے پاس روایت موجود نہیں بلکہ قنوت فجر اور درود شریف کی احادیث موجود ہیں۔ ایسے ہی قلتین اور درود شریف کا بھی باب نہیں باندھا حالانکہ درود فی الصلوۃ شافعیہ کے یہاں واجب ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔ اور اگر امام صاحب رحمہ اللہ کو مقلد مان ہی لیا جائے تو یہ ہمارے جیسے مقلد نہیں کہلائے جائیں گے کہ بس جو امام نے کہہ دیا اسی پر عمل کر لیا بلکہ چونکہ ان کے پاس ایسے ذرائع تھے جن سے وہ اقوال ائمہ کو دلائل کی روشنی میں پرکھ سکتے تھے تو انہوں نے مقابلہ کر کے امام کے قول کو جہاں احادیث کے خلاف پایا ترک کر دیا۔ خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ جب تک تم کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے کہاں سے بیان کیا ہے اس

Maktaba Tul Ishaat. com

وقت تک میری بات قبول نہ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے بہت سی جگہ ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے لیکن ہم جو تقلید کو ضروری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں جو ان لوگوں کے پاس تھے۔اب رہ گئے حضرت امام مسلم رحمہ اللہ ان کو بعض شافعی اور اکثرین نے مالکی قرار دیا ہے امام ابوداؤد کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ وہ پکے حنبلی ہیں چنانچہ حنابلہ نے ان کو طبقات حنابلہ میں شمار بھی کیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں البول قائما کا باب منعقد فرما کر اس کا جواز ثابت فرمایا ہے جو کہ حنابلہ کا مذہب ہے حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں مکروہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا اس کی تصدیق مت کرنا۔ایسے ہی وضو ممامسته النار سب کے نزدیک منسوخ ہے سوائے حنابلہ کے۔اسی وجہ سے امام ابوداؤد نے ترک وضو کے باب کو مقدم کر کے پھر اس باب کو ذکر کیا ہے اور آگے چل کر التشدید فی ذالک کے عنوان سے مزید تاکید فرمائی ہے۔اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں من مامسته النار سے وضو کو ترک کر دیا تھا اس کی تاویل امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے یہ فرمائی ہے کہ وہ ایک خاص واقعے کے متعلق ہے۔نسائی اور امام ترمذی کے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں اور میری بھی یہی رائے ہیں البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ پکے حنفی ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

کتاب بخاری شریف

سن تالیف :

بخاری شریف کے متعلق مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ اس کو سولہ سال میں لکھا گیا۔ خود امام صاحب رحمہ اللہ سے بھی یہی مدت نقل کی گئی ہے۔ اب یہ کہ بخاری شریف کب تصنیف فرمائی اور کب ختم ہوئی، اس کے متعلق مجھے تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اس وقت امام بخاری رحمہ اللہ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور ۲۳۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ یہ میرا اپنا استنباط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب کو لکھ کر اپنے اساتذہ کے سامنے پیش کیا اور ان اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، یحی بن معین، علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام نامی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اور یحی بن معین رحمہ اللہ کی وفات ۲۳۳ھ میں ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ۲۴۱ھ میں اور علی بن المدینی رحمہ اللہ کی ۲۳۴ھ میں۔ بہر حال ہمیں یحی بن معین رحمہ اللہ کی وفات کے سن سے استدلال کرنا ہے تو جب ان کے سامنے پیش کی گئی تو یقیناً ۲۱۷ھ میں لکھنی شروع کر دی ہوگی اسی حساب سے سولہ سال پورے ہوتے ہیں واللہ اعلم۔

سبب تالیف :

بخاری شریف کی تالیف کی وجہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے بدن پر سے مکھیاں اڑا رہا ہوں ان کے استاد ابو اسحاق بن راہویہ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تم کسی وقت میں حضور پاک ﷺ کے احادیث کے ذخیرہ سے ان حدیثوں کو علیحدہ کرو گے جو ضعیف یا موضوع ہیں چنانچہ اس خواب کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب بخاری شریف تالیف فرمائی۔

اپنی تالیف میں امام بخاری کا اہتمام :

عام طور سے بخاری شریف کے متعلق دو قسم کی روایات ملتی ہیں۔ اول یہ کہ امام نے اس کو روضة من رياض الجنة میں غسل کر کے لکھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حطیم میں لکھی۔ اب اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مدت قیام سولہ سال نہیں ہے بلکہ زائد سے زائد تین چار سال ہیں لہٰذا ان دونوں میں جمع کس طرح سے ہوگا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ سولہ برس تو ساری کتاب کے لکھنے کے ہیں اور تراجم سارے کے سارے ایک ہی مرتبہ روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں بیٹھ کر لکھے۔ اس کے بعد جتنی جتنی احادیث ملتی رہیں ان کو چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے۔ اس کی تائید خود حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اس مقولہ سے ہوتی ہے کہ میں نے ایک حدیث مدینہ میں سنی اور اس کو بصرہ میں لکھا، اور ایک حدیث بصرہ میں سنی تو اس کو شام میں لکھا اور ایک حدیث شام میں سنی تو اس کو کوفہ میں لکھا۔ رہا یہ سوال کہ حطیم، کعبہ اور روضہ مطہرہ میں تو کافی فاصلہ ہے یہاں کس طرح جمع کریں گے؟ تو اس کے جمع کا طریقہ یہ ہے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف تین بار تصنیف کی۔ اور یہ مصنفین کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی تصنیف مہتم بالشان ہو تو بار بار اس میں نظر ثانی ہوتی ہے تبییض نئی تسوید کی جاتی ہے تو بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تسوید حطیم میں کی ہو اور تبییض روضہ اطہر علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کی ہو یا اس کے برعکس ہو۔ اگر ان اقوال میں جمع کی یہ صورت اختیار کی جائے جو میں نے بیان کی تو پھر اختلاف نسخ کی

Maktaba Tul Ishaat. com

ایک بڑی وجہ معلوم ہو جائے گی کہ یہ جو نسخوں میں اختلاف ملتا ہے کہ کہیں باب ہے لیکن روایت نہیں اور اس کے شراح متعدد جوابات میں سے ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ تراجم سارے کے سارے ایک مرتبہ لکھے پھر روایات تلاش کر کے لکھیں۔

تعداد روایات بخاری :

امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے بخاری لکھی۔ اب ان روایات کی تعداد میں اختلاف ہے جن کا انتخاب کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل احادیث مکررات کو شمار کر کے ساڑھے سات ہزار ہیں اور بغیر مکررات کے ساڑھے تین ہزار، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل احادیث نو ہزار ہیں اور مکررات کو حذف کر کے صرف ڈھائی ہزار باقی رہ جاتی ہیں۔ گویا چھ لاکھ احادیث سے صرف ڈھائی ہزار کا انتخاب ہوا۔ لیکن یاد رکھو کہ بخاری کی احادیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ بقیہ کتابوں میں جو احادیث ہیں وہ غلط ہیں بلکہ وہ بھی صحیح ہیں۔ فرق صرف شرائط کا ہے۔ اس پر کلام میں آگے چل کر بھی کروں گا۔ البتہ یہاں اتنا ضرور سن لو کہ ہر حدیث کے صحیح ہونے اور بخاری شریف میں ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث تعارض سے سالم بھی ہو۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو قباء کی مسجد میں چوبیس روز قیام فرمایا لیکن خود بخاری میں دوسری روایت ہے کہ چودہ دن قیام فرمایا تو ظاہر ہے کہ مطابق للواقع ایک ہی حدیث ہوگی لیکن صحیح باعتبار سند وقواعد کے دونوں ہیں یہ عدم مطابقت للواقع تعارض کی ہی ایک فرع ہے اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

اخذ روایات میں شیخین کی شرائط :

تم اکثر جگہ سنتے ہو گے کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور فلاں حدیث نہیں۔ ان شرائط کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ کیا شرائط ہیں؟ خود ائمہ حدیث اور مصنفین حضرات نے اپنی کتابوں کی کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی بلکہ ان کے بعد کے علماء نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا اور تتبع وتلاش کے بعد اس کی شرائط انہی کی کتابوں سے بیان فرمائی ہیں اور اس کے اندر مستقل تصانیف کی گئی ہیں۔ آج کل دو رسالے ملتے ہیں ایک حازمی کا جو بہت مشہور ہے دوسرا رسالہ ایک اور ہے۔ امام بخاری نے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے وہ مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ ہر روایت کے درمیان دو چیزیں ہوا کرتی ہیں ایک راوی کی اپنی حیثیت اور اس کا ذاتی جوہر یعنی اس کا عادل ہونا ثقہ ہونا وغیرہ اور دوسری چیز یہ کہ اس کا تعلق اس کے استاد سے ہو تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں شرطیں ہیں۔ یعنی وہ راوی عادل، حافظ، ثقہ ہو اور دوسرے یہ کہ اپنے استاد کے ساتھ اس کا لقاء (ملاقات) بھی ثابت ہو اور اس کے ساتھ سفر وحضر میں رہا ہو ورنہ کم از کم حضر میں تو ملازمت رہی ہو کیونکہ جو آدمی سفر وحضر کا ساتھی ہوگا اس سے غلطی کا امکان بہت کم ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ بھی پہلی شرط میں تو امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں یعنی عادل اور ثقہ ہونا البتہ دوسری شرط یعنی لقاء ان کے یہاں ضروری نہیں بلکہ صرف امکان لقاء کافی ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

اکثر مصنفین ومحدثین حضرات جا بجا یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث بخاری کی شرط کے مطابق ہے اور وہ لوگ اس کے لئے یہ کافی

Maktaba Tul Ishaat. com

سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں مثلاً کوئی حدیث اس سند کے ساتھ بیان کی جائے عن الحمیدی عن مسدد بن مسرھد تو اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ علی شرط البخاری ہے کافی نہیں بلکہ اس حدیث کا علی شرط البخاری ہونا اس وقت ہوگا جب کہ بخاری میں بھی کوئی روایت اسی سند کے ساتھ مذکور ہو مقصد کہنے کا یہ ہے کہ اگر وہ دونوں راوی کسی حدیث کی ایک ہی سند میں ہیں تو وہ علی شرط البخاری ہوگی، کیونکہ دونوں رواۃ کے یکجا ہونے سے معلوم ہوگیا کہ دونوں راوی ثقہ ہیں اور لقاء بھی ایک دوسرے سے ثابت ہے لیکن اگر وہ دونوں رواۃ بخاری میں ہوں لیکن ایک کسی سند میں اور دوسرا کسی اور حدیث کی سند میں ہو تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا لقاء ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ دونوں کا ثقہ ہونا ثابت ہو جائے گا اب رہے امام ابوداؤد اور نسائی دونوں امام بخاری کی صرف شرط ثانی میں شریک ہیں اور شرط اول (یعنی عادل ہونا) کا ان دونوں کے یہاں کوئی اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل شرط یہی ہے کہ اس لئے یہ دونوں مسلم سے نیچے ہیں اور ترمذی شریف میں دونوں شرطیں مفقود ہیں اس لئے وہ ان دونوں سے بھی نیچے ہے اور ابن ماجہ میں چونکہ احادیث ہی گڈمڈ ہیں اس لئے وہ بیچاری سب سے آخری درجہ کی ہے۔

ثلاثیات بخاری :

بخاری شریف میں بائیس ثلاثیات ہیں اور یہ ثلاثیات ان ستائیس انواع کتب حدیث سے ہیں جو لامع میں مذکور ہیں۔ ثلاثیات کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اور حضور پاک ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں ایک تبع تابعی دوسرا تابعی اور تیسرا صحابی کا اور یہ حدیث کی بہت اعلیٰ نوع شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں اور تابعین اور تبع تابعین یہ سب خیر القرون کے حضرات ہیں۔ علماء نے ثلاثیات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور مستقل شروحات اور تراجم لکھے۔ خود تمہاری بخاری شریف کے حاشیہ پر بھی جابجا اول الثلاثیات، ثانی الثلاثیات موٹے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ تو اب مجھے کہنا یہ ہے کہ جب ثلاثیات اتنی مفخم ہیں کہ ان کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئیں اور ان کو اعلیٰ نوع میں شمار کیا گیا ہے تو فقہ حنفی تو اس سے بھی مہتم بالشان ہے کیونکہ وہ تو ثنائی ہے یعنی اس میں ایک واسطہ تابعی کا ہے دوسرا صحابی کا۔ کیونکہ امام اعظم رحمہ اللہ احناف کے نزدیک روایۃ بھی تابعی ہیں اور رویۃ بھی، البتہ غیر حنفیوں کے یہاں اگر روایۃ تابعی نہیں ہیں تو رویۃ تابعی ہونا ان کو بھی تسلیم ہے اور پھر ان دو واسطوں کے بعد حضور پاک ﷺ ہیں ہی۔ ایک بات یہاں یہ بھی سن لو کہ کہیں کہیں تم کو امام صاحب رحمہ اللہ اور حضور پاک ﷺ کے درمیان چار، چار، پانچ، پانچ واسطے بھی ملیں گے مگر وہ جزوی طور پر آجاتے ہیں ورنہ کلی طور پر ثنائی ہیں جیسے کہ میں تم کو اربعینہ میں بتلا چکا ہوں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اربعینہ ایسا لکھا ہے کہ جس میں امام مسلم رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ پر فائق ہیں وہ اس طرح سے کہ امام مسلم رحمہ اللہ اور حضور ﷺ کے درمیان چار واسطے ہیں اور امام بخاری اور حضور اقدس ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہیں لیکن اس سے امام مسلم کی بخاری پر فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ یہ فضیلت جزئی ہے۔ دوسری بات یہاں یہ بھی سن لو کہ بخاری کی جو ثلاثیات ہیں اس میں بیس کے تو استاد حنفی ہیں اور دو کے متعلق میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ حنفی ہیں یا کوئی اور۔ انشاء اللہ حنفی ہی ہوں گے۔ مجھے کتب رجال میں ان دو کے متعلق کچھ معلومات نہیں مل سکیں۔

بحث رابع "انواع کتب حدیث":

علم کی اجناس ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔ انواع کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat. com

محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کے لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت اختیار کی ہے اور طرح طرح کی گلکاریاں کی ہیں اور مختلف طریقوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں اس کے متعلق میرے اکابر مختصر کلام فرمایا کرتے تھے اور کل تین قسمیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع، سنن، مسند یہی تم حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے اور دوسرے اکابر کے کلام میں پاؤ گے لیکن مسند الکل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں جس میں انہوں نے جوامع اور سنن کو ایک شمار فرما کر اس طرح تقسیم فرمائی ہے جوامع، مسانید، معجم، اجزاء رسائل، اربعینات، جب میں نے ابتدائے تدریس حدیث کے وقت مشکوٰۃ شریف پڑھائی تو تلاش وتتبع شدید کے بعد معلوم ہوا کہ بارہ کے قریب ہیں۔ اس کے بعد مزید تلاش کرنے سے پندرہ سولہ معلوم ہوئیں۔ لیکن جب لامع کا مقدمہ لکھا تو ستائیس کے قریب یہ انواع ہوگئیں۔ اب یہاں میں مشہور مشہور انواع کو شمار کراتا ہوں وہ یہ ہیں: جامع، سنن، مسند، معجم، اطراف، علل، مستدرک، مستخرج، اربعینہ، اجزاء، مشیخہ، تراجم، غرائب، تخاریج، تعالیق زوائد، چونکہ تم لوگوں کو حاشیہ وشروحات میں اس کی ضرورت محسوس ہوگی اس لئے ان کی تشریح بھی کئے دیتا ہوں۔

جامع :

اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثمانیہ کو جامع ہو یعنی عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب، رقاق، مناقب، فتن، بخاری اور ترمذی جامع ہیں۔ کیونکہ اس میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہیں لیکن ترمذی شریف کو سنن ترمذی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے۔ البتہ مسلم شریف میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں کیونکہ باب التفسیر اس میں بہت مختصر ہے جن لوگوں نے اس کو بھی جامع کہا ہے تو وہ صرف اس بنا پر کہ مختصر التفسیر کا باب موجود تو ہے اور دوسرے لوگوں نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میرے نزدیک مسلم شریف جامع ہے کیونکہ باب تفسیر گو مختصر ہے لیکن موجود تو ہے۔

سنن :

اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقے سے ہوں یعنی جیسے فقہ کی کتابوں میں ابواب فقہیہ ہوتے ہیں ایسے ہی اس میں بھی ہوں جیسے سنن نسائی، ترمذی کو بعض لوگوں نے سنن میں داخل کیا ہے کیونکہ اس میں ابواب فقہیہ کا خاص لحاظ اور اسی کو اصل قرار دیا گیا ہے۔

مسند :

پہلے زمانے میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھی ہیں۔ مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات ہوں اور ہر صحابی کی ہر روایت کو ایک جگہ ذکر کیا جائے خواہ وہ کسی مسئلہ سے متعلق ہو لیکن اس کی ترتیب مختلف طرح سے ہوتی ہے۔ بعض تو افضل کو مقدم کرتے ہیں۔ اس صورت میں اولاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات ہوں گی اور بعض حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کرتے ہیں اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرف العین میں آئیں گے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند اقبال حرف الالف میں ہوں گے اور بعض تقدم اسلام کے لحاظ سے جمع کرتے ہیں یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی مرویات کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔ مگر مسند کی یہ قسم ثالث مقصود ہے اور بعض محدثین نے مراتب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعتبار سے مسانید لکھی ہیں ان میں سب سے پہلے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بعد اہل بدر پھر بیعت الرضوان کے شرکاء اس کے بعد فتح مکہ والوں

Maktaba Tul Ishaat. com

کے نام سے احادیث بیان کیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے اکثر اساتذہ نے مسانید لکھیں ہیں جیسے مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابی داود طیالسی، مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ ہمارے یہاں دو مسندیں ملتی ہیں ایک مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جو مراتب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعتبار سے ہے اور دوسری مسند ابوداؤد طیالسی یہ ابھی کچھ دن پہلے طبع ہوئی ہے۔

معجم (۱) :

وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو ذکر کیا جائے اور میرے نزدیک معجم وہ ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے روایات مذکور ہوں خواہ علی ترتیب الصحابہ ہوں یا علی ترتیب الشیوخ ان میں ہمارے یہاں معجم طبرانی ہے۔

اطراف :

اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا ذکر کر کے اس کی وہ تمام سندیں جو کتابوں میں مروی ہیں جمع کردی جائیں۔ مثلاً انہوں نے عنوان باندھا انما الاعمال بالنیات (الحدیث) اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے سب کو جمع کردیا جائے اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ کہاں کہاں ہے اور غلطی بھی جلدی معلوم ہو جاتی ہے۔

علل :

یہ بہت مشکل فن ہے۔ اس کے اندر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ علت ہے۔ علل اور اطراف میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ اطراف میں تو حدیث کی ساری اسانید کو یکجا کر دیا جاتا ہے خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح اور علل میں اسانید ضعیفہ کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے نقائص پر تنبیہ کی جاتی ہے۔

مستدرک :

یہ کسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف کو سامنے رکھ کر اس پر ایک کتاب مستدرک لکھی جائے۔ مستدرک کہتے ہیں کہ کسی کتاب کے شرط کے مطابق کوئی روایت ہو۔ اور اس کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو خواہ عمداً یا سہواً۔ جیسے مستدرک حاکم یہ بخاری اور مسلم دونوں پر ہے اور جیسے مشکوٰۃ شریف کہ یہ علامہ بغوی کی مصابیح پر تخریج ہے اور فصل ثالث اس پر استدراک ہے اس کے بالمقابل ایک نوع اور ہے وہ ہے مستخرج یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو۔

اور فائدہ اس کا تقویت ہے کیونکہ جو حدیث کسی سند کے ساتھ اصل کتاب میں ہے تو مستخرج والا اپنی مستخرج میں وہ حدیث دوسری سند سے ذکر کرے گا۔ جیسے مستخرج ابوعوانہ یہ مسلم شریف پر ہے۔

اربعینہ :

جس کو ہمارے یہاں "چہل حدیث" کہتے ہیں۔ اس کے متعلق علماء نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) وفی تقریر اخر للشیخ والمعجم ما جمعت الروایات فیہ علی ترتیب حروف التھجی ولہ ثلاثۃ اقسام فبعضھم یرتبہ علی ترتیب الاساتذۃ مثلا یقدم روایۃ اکابر مشائخہ علی صغارھم وبعضھم یرتب علی ترتیب الصحابۃ باعتبار التھجی. والثالث معجم الاحادیث وھو الذی جمعت الاحادیث فیہ علی ترتیب حروف التھجی فی اوائل الاحادیث. کالجامع الصغیر للسیوطی.

Maktaba Tul Ishaat. com

کا ارشاد ہے جو شخص میری امت کے لئے چالیس حدیثوں کو محفوظ کرلے وہ قیامت کے دن علماء کے زمرے میں ہوگا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن علمائے حدیث قاطبۃ کہتے ہیں کہ کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چالیس احادیث نہ لکھی ہوں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے جو بہت مختصر ہے اور میرے والد صاحب کے یہاں وہ مفید الطالبین کی بجائے داخل درس تھی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث دو جملوں پر مشتمل ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے اور اس میں یہ جدت پیدا کی ہے کہ تمام احادیث مسلم شریف کی اس طرح ذکر فرمائی ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ کو سند میں امام بخاری رحمہ اللہ سے اوپر رکھا ہے وہ اس طرح پر کہ مثلاً امام مسلم رحمہ اللہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار واسطے (استاد) ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے ہیں۔

اجزاء ورسائل :

اجزاء تو وہ ہیں جن میں کسی خاص استاد کی مرویات ذکر کردی جائیں جیسے کسی نے جزء امام مالک لکھ دیا۔ اور رسائل وہ ہیں جن میں کسی خاص مسئلہ پر روایات کو جمع کردیا گیا ہو۔ ان (اجزاء ورسائل) کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے الگ الگ دو قسمیں شمار کی ہیں مگر میرے نزدیک دونوں ایک ہیں متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کردیا۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جزء رفع الیدین مشہور ہے۔ حالانکہ وہ ایک مسئلے سے متعلق ہے لیکن شاہ صاحب کے قول کے موافق اس کو رسالہ کہنا چاہئے۔

مشیخہ :

کسی استاد یا شیخ کی روایات کو یکجا جمع کردینا خواہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو۔

تراجم :

یہ ہے کہ کسی خاص سند کو لے کر اس سند کی روایات مرویہ کو جمع کردیا جائے جیسے شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

افراد وغرائب :

یہ دونوں ایک ہی ہیں بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے، غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی جگہ پر رواۃ میں صرف ایک راوی رہ جائے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط میں یہ بات ہے کہ حدیث کی سند غریب نہ ہو بلکہ عزیز ہو لیکن محققین محدثین نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے اس لئے کہ بخاری کی پہلی ہی روایت اس کی تغلیط کرتی ہے کیونکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحیی بن سعید الانصاری تک تفرد واقع ہوا ہے اور جو بعض علماء اس کی کچھ متابعات ذکر کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا جب تم ھدایہ میں جا بجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے یہ لکھا ہوا دیکھو قلت غریب تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں اور اللہ کے فضل سے بخاری شریف کی پہلی ہی حدیث

Maktaba Tul Ishaat. com

انماالاعمال بالنیات اورآخری حدیث کلمتان حبیبتان دونوں غریب ہیں۔

تخاریج :

اس کااطلاق ان کتابوں پر کیاجاتا ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلاسند کے مذکور ہوں۔

تعالیق :

یہ متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے اوراس کی صورت یہ ہے کہ روایات کوسند کے ساتھ ذکر کیا جائے خواہ صحابی مذکور ہو یا نہ ہو۔

زوائد :

یہ مستدرک کے ہی قریب ہے اوراس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پرزوائد روایات کااضافہ کردیا جائے جواس پہلی کتاب میں نہ ہوں جیسے زوائد ابن حبان علی الصحیحین حافظ مغلطایہ کی تصنیف۔

بحث خامس ''مرتبہ کتب حدیث'' :

کتب حدیث کامرتبہ دوحیثیت سے ہے ایک فضیلت کے اعتبار سے دوسرے تعلیم کے اعتبار سے۔ تعلیمی اعتبار سے جو درجہ ہے وہ میرا خودگھڑا ہوا ہے لیکن اب اس دور میں وہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے ہمارے اکابر کے یہاں دورہ عام طور سے ایک ہی استاد کے یہاں ہوتا تھا لیکن آج صحاح کی ہرکتاب الگ الگ استاد کے پاس ہوتی ہے حالانکہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ۱۳۰۱ھ سے لے کر ۱۳۰۹ھ کے اختتام تک تمام دورہ خود ہی پڑھایا۔ اسی طرح انکے استاد حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ اوران کے بھی استاد حضرت مولانا شاہ اسحاق رحمہ اللہ نے دورہ کی تمام کتب تن تنہا پڑھائیں ہیں۔ اس لیے ان حضرات کے یہاں ایک ترتیب تھی وہ اس طرح کہ سب سے پہلے ترمذی پھرابوداؤد پھر بخاری شریف پھر مسلم اس کے بعد نسائی اور پھرابن ماجہ۔ اس ترتیب کا بنی ان کتابوں کی تصنیف کے اغراض پر ہے کیونکہ ہرمصنف کا تالیف وتصنیف کے وقت ایک خاص مطمح نظر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی تصنیف کے اندر اور بہت سے امور کالحاظ رکھتا ہے۔ مگر خاص منشاایک ہی ہوا کرتا ہے۔

اغراض مصنفین صحاح ستہ :

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے پیش نظر اختلاف ائمہ کو بتلانا ہے اسی لئے وہ ہرباب میں ائمہ کااختلاف نقل کرتے ہیں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا وظیفہ مستدلات ائمہ کو بتلانا ہے چنانچہ جتنے مستدلات ابوداؤد میں ملتے ہیں اتنے کسی اور کتاب میں نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگرکوئی قرآن مجید اور ابوداؤد کوحفظ کرلے گا تو مجتہد ہو جائے گا۔ اورامام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اور غرض تالیف استنباط ہے اور یہ بتلانا ہے کہ احادیث سے مسائل کیسے مستنبط ہوتے ہیں اور مسلم شریف کاوظیفہ صحیح احادیث کاجمع کرنا ہے اسی وجہ سے امام مسلم ایک باب میں متعدد احادیث لاتے ہیں تاکہ جو امام بھی اس حدیث سے مسئلہ مستنبط کرے تو اس کی دلیل کی تقویت کسی حدیث سے ہوجائے۔ بخلاف امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے کہ وہ ہرباب میں صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خط میں جواہل مکہ کولکھا ہے اور مصر میں طبع ہوا ہے تحریر فرمایا ہے کہ ''میں نے ہرباب میں ایک حدیث ذکر کی ہے اور اگرمیں کسی باب میں دوحدیثیں لاؤں تو وہ کسی مصلحت کے تحت ہوتا ہے۔'' اورامام نسائی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ احادیث کی علل خفیہ پر ھذا خطا کہہ کرمتنبہ

Maktaba Tul Ishaat. com

کریں۔اور ابن ماجہ کے اندر تمام احادیث گڈمڈ ہیں کہ آدمی صحیح اور سقیم کا اس سے انتخاب کرے۔ جب تم کو ان چھ کتابوں کے اغراض کی یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب سنو کہ ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے یہ بات ترمذی سے معلوم ہوگی اس کے بعد جب مذہب معلوم ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو وہ وظیفہ ابوداود کا ہے اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا۔یہ وظیفہ بخاری کا ہے کہ وہ استنباط مسائل کا طریقہ دکھلاتے اور بتلاتے ہیں اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہو گئے اور دلائل سامنے آگئے تو ان دلائل کی تقویت کے لئے اسی مضمون کی دوسری حدیث بھی ضروری ہوتی ہے۔ یہ کمی امام مسلم رحمہ اللہ پوری کرتے ہیں۔اب آدمی مولوی ہو جاتا ہے اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس کے اندر کوئی علت تو نہیں اس کا تعلق نسائی سے ہے۔اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اب اس کو چاہئے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں کیونکہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائی رحمہ اللہ ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کئے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے اس کے اندر معین ابن ماجہ ہے کیونکہ اس میں احادیث گڈمڈ ہیں اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ انہی اغراض کے پیش نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی۔اب رہ گئی صحیحین میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب تو یہ ترتیب علماء سے منقول ہے جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سب سے مقدم بخاری ہے بلکہ تقریباً سارے ہی مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔البتہ مغاربہ اس کے اندر اختلاف کرتے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلم شریف سب سے اصح ہے، افضل ہے لیکن چونکہ یہ قول شاذ ہے اس لئے علماء نے اس کی تاویل یہ کی کہ ان کے افضل اور اصح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ترتیب کی جودت اور حسن سلیقہ کے لحاظ سے اَقدَم ہے اس صورت میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ بخاری کے اندر اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث بخاری کے اندر اگر تلاش کرنا چاہیں تو اپنے موقع پر نہیں ملے گی الا قلیلا۔ بخلاف مسلم کے کہ اس میں ایک مضمون کی احادیث ایک ہی جگہ جمع کر دیں جس کی وجہ سے تلاش کرنے میں آسانی ہوگئی۔باقی اس کے علاوہ بخاری ہر اعتبار سے بالخصوص صحت کے اعتبار سے مسلم پر فائق ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جو احادیث بخاری و مسلم میں متکلم فیہ ہیں ان کے اندر بخاری کی روایات تو کم ہیں لیکن مسلم کی زیادہ ہیں چنانچہ بخاری کی اٹھتر احادیث اور مسلم کی سو احادیث متکلم فیہ ہیں اور بتیس احادیث ایسی ہیں جس میں بخاری و مسلم دونوں مشترک ہیں۔تو خلاصہ یہ نکلا کہ بخاری کی کل احادیث متکلم فیہ ایک سو دس (۱۱۰) ہیں اور مسلم کی کل ایک سو بتیس (۱۳۲) ہیں۔یہ اعداد کا یاد رکھنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے کسی نے ان کو اَبجد کے لحاظ سے شعر کے اندر جمع کر دیا پہلے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ شعر علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا ہے مگر لامع کا مقدمہ لکھتے وقت جو تلاش کیا تو ملا نہیں ممکن ہے کہ میری نظر چوک گئی ہو وہ شعر یہ ہے۔

فـدعـد لـجعـفـي وقـاف لـمـسـلـم

وبـل لـهـمـا فـاحـفظ وقيت من الروى

اس کے اندر فدعد میں فا تو زائد ہے اور باقی جو حروف ہیں ان کے عدد اٹھتر (۷۸) ہیں اور جعفی سے مراد امام بخاری رحمہ اللہ

Maktaba Tul Ishaat. com

ہیں اور قاف کے سو نمبر ہیں اور دوسرے مصرعے میں لفظ بـــل دونوں کے لئے ہے جس کے عدد ۳۲ ہیں فرماتے ہیں کہ ان کو یاد کرے ہلاکت سے بچ جائے گا۔ اب یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے مروی ہے ماتحت ادیم السماء اصح من المـوطـا. اس سے معلوم ہوا کہ مؤطا امام مالک بخاری سے بھی اصح ہے اور اگر اصح وافضل نہیں تو کم از کم اس کے درجے میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کا یہ فرمان بخاری شریف کی تصنیف سے پہلے پہلے کا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری کی تصنیف سے قبل سب سے اصح مؤطا امام مالک تھی۔

صحاح ستہ کا مصداق :

علماء کے نزدیک پانچ کتابیں اجماعی طور سے صحاح میں داخل ہیں یعنی بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی لیکن چھٹی کتاب میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ کونسی ہے۔ صاحب جامع الاصول اور ابوالبرکات شیخ الاسلام ابن تیمہ کے دادا کی رائے یہ ہے کہ وہ مؤطا امام مالک ہے۔ گویا یہ حضرات جب الاصول الستہ یا امہات الستہ وغیرہ کہیں تو چھٹی کتاب مؤطا ہوگی۔ لیکن بعض حضرات نے مؤطا کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ مؤطا کے اندر احادیث کم ہیں آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم زیادہ ہیں اگرچہ سند کے اعتبار سے سب صحیح ہیں اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ مسند دارمی شریف ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ ہے اور اب یہی سادس ستہ بنی ہوئی ہے۔ اور یہی مراد لی جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک بخاری کے بعد مسلم شریف کا درجہ ہے اور اس کے بعد ابوداؤد شریف کا ہے لیکن ایک مختصر سی جماعت یہ کہتی ہے کہ مسلم اور ابوداؤد دونوں برابر ہیں کوئی ایک افضل نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلم شریف کے خطبہ میں اس کے مصنف نے خود تحریر فرمایا ہے کہ تمام احادیث کے رواۃ کا مالک وسفیان جیسا (ذمہ دار) ہونا ضروری نہیں بلکہ ان سے بھی کم درجہ کے رواۃ سے روایات اس کتاب میں آئینگی ایسے ہی امام ابوداؤد اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں۔ وماکان فیہ وھن شدید بینتہ یعنی جن روایات میں وہن شدید (کمزوری) ہے اس پر میں نے متنبہ کر دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کتابوں میں جہاں اعلیٰ قسم کی احادیث ہیں ایسے ہی کم درجہ کی بھی احادیث ہیں مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد شریف مرتبہ ثالثہ کے اندر ہے۔ چوتھا مرتبہ نسائی کا ہے لیکن بعض علماء نے ان شرائط کو دیکھتے ہوئے جن کا امام نسائی نے التزام کیا ہے اور جن کو علامہ سیوطی نے زھر الربی میں ذکر فرمایا ہے نسائی کو ابوداؤد پر فوقیت دی ہے مگر اکثرین کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور پانچواں یہ ہے کہ طحاوی شریف بھی مرتبہ ثالثہ یعنی ابوداؤد کے درجہ میں ہے کیونکہ ابن حزم ظاہری جیسے متشدد نے بھی طحاوی کو ابوداؤد کے درجہ میں رکھا ہے ان چاروں کے بعد ترمذی شریف کا نمبر ہے لیکن اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے ترمذی کو مسلم شریف کے بعد رکھا ہے اور دوسرے محدثین نے اس کو نسائی کے بعد رکھا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ترمذی کے اندر احادیث ضعیفہ ہیں جس کی وجہ سے اس کی اہمیت کچھ کم ہوگئی۔ لیکن جو لوگ اس کو تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ترمذی میں ضعیف احادیث ہیں لیکن وہ اس پر ساتھ ساتھ متنبہ بھی تو کر دیتے ہیں لہٰذا جب متنبہ کر دیا تو اب کتاب پر کیا اشکال رہا۔ ان سب کے بعد ابن ماجہ ہے اور اس کو سب سے مؤخر اس وجہ سے کرنا پڑا کہ اس کے اندر احادیث ضعیفہ کیا احادیث موضوعہ تک ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

بحث سادس ”قسمۃ وتبویب“:

علم کی تقسیم وتبویب تو بہت طویل ہے اس کا ذکر مقدمۃ العلم میں گزر چکا ہے اور کتاب کی تقسیم وہ فہرست ہے جو کتابوں کے شروع یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے اور یہ باب فلاں ورق پر ہے۔

بحث سابع ”حکم شرعی“:

اس حکم کی دو نوعیتیں ہیں ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے دوسرے اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔ پڑھنے پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورت تفرد واجب ہے اور بصورت تعدد واجب علی الکفایہ ہے یعنی اگر کتب احادیث میں سے صرف بخاری شریف پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب حدیث ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایۃ ہے کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے اور دوسری نوع کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو مثلاً کوئی آیت کریمہ معارض ہو یا اور کوئی حدیث پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔

یہاں تک سولہ بحثیں ختم ہو چکیں۔ اب چار بحثیں اور سنو جو تمام تر میری گھڑی ہوئی ہیں۔

بحث ثامن ”وجہ اختلاف وتعدد نسخ“:

پہلے زمانے میں مطابع اور پریس کی یہ موجودہ سہولتیں تھیں نہیں کہ ہزاروں نسخے مصر، عرب، ہندوستان سے نکل رہے ہیں بلکہ استاد اپنی یاد سے یا اپنی اصل کتاب سے اور شاگرد اپنی یاد اور نقل سے کام کرتا تھا اور ہمیشہ یہی دستور رہتا تھا کہ ہر سال لوگ کسی استاد سے پڑھنے آتے۔ استاد سناتا اور تقریر کرتا شاگرد سنتے رہتے اور لکھتے رہتے اور چونکہ یہ عام دستور ہے کہ تقریر جب عام طور سے ہر سال کی جائے تو کچھ نہ کچھ فرق الفاظ وغیرہ کے اندر ہو ہی جاتا ہے مثلاً کسی جگہ مفصل بیان کر دیا آئندہ اس مقام کو مجملاً کہہ دیا اور چونکہ احادیث کو مختصر کر دینا یا بالمعنی روایت کرنا جائز ہے اس وجہ سے اس وقت کے اساتذہ بھی ایسا کر لیا کرتے تھے جیسے ایک سال ایک حدیث کو خوب تفصیل سے بیان کیا دوسرے سال اختصار کر دیا اسی بنا پر شاگردوں کے لکھنے میں بھی اختلاف ہوتا رہتا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ نے جو اپنی سندیں لکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چار نسخے تو بخاری کے مشہور ومتعارف ہیں ایک نسفی کا دوسرے بزدوی تیسرے حماد بن شاکر چوتھے فربری کا۔ البتہ ایک پانچواں نسخہ محاملی کا اور ہے جو مختلف فیہ ہے کہ آیا اس کی حیثیت مستقل نسخہ کی ہے یا نہیں۔ علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل ایک نسخہ ہے چنانچہ انہوں نے اپنی سند محاملی تک پہنچائی ہے مگر حافظ ابن حجر اس کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محاملی امام بخاری کے شاگرد تو ہیں لیکن انہوں نے امام بخاری کی سماعت خود امام صاحب سے نہیں فرمائی بلکہ اس کی نقول اور املائیں کی ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب حافظ ابن حجر کسی چیز کا انکار کر دیتے ہیں تو مجھے اس پر رد کرنے میں تامل ہوتا ہے اگرچہ کبھی کبھی رد کرتا بھی ہوں۔ لیکن یہاں خود دو بڑے بڑے محدثین میں اختلاف ہو رہا ہے اگر تقدم (زمانی) کو دیکھا جائے تو علامہ کرمانی کی بات صحیح ہے اس لئے کہ وہ مقدم بھی ہیں نیز کہ انہوں نے اپنی سند محاملی سے ملادی اور اگر حافظ کا مرتبہ فی الحدیث دیکھا جائے تو ان کی بات کو سچ ماننا پڑے گا بہر حال ہمارے یہاں ان چاروں یا پانچوں نسخوں میں اب ایک نسخہ ملتا ہے جو فربری کا کہلاتا ہے۔

فربری:

ان کا نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فربری ہے۔ فربر بکسر الفاء وفتح الراء وسکون الباء ایک گاؤں ہے جو بخارا سے ۲۰، ۲۵

Maktaba Tul Ishaat. com

میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ شوال ۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ کل عمر نوے سال ہے۔ حضرت امام بخاری کے انتقال کے وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی گویا چونسٹھ سال بعد تک زندہ رہے۔ تو چونکہ بعد میں اتنی مدت تک پڑھایا اور ہر سال شاگردوں نے پڑھا اور لکھا اس لئے یہی نسخہ زیادہ متداول و متعارف ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فربری نے بخاری سے دوبار بخاری شریف پڑھی۔ اول مرتبہ ۲۴۸ھ میں۔ دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔ پھر ۲۵۶ھ میں امام بخاری انتقال ہی فرما گئے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین مرتبہ پڑھی۔ واللہ اعلم

فربری فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے صحیح بخاری نوے ہزار اشخاص نے سنی لیکن ان سے روایت کرنے والا میرے علاوہ اس وقت کوئی باقی نہیں رہا مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بزدوی ان کے بعد تک باقی رہے۔ فربری کے اس کلام کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے فرمادیا۔ فربری سے بخاری شریف کے نقل کرنے والے بارہ شاگرد ہیں ان میں سے نو کا ذکر حافظ ابن حجر نے کیا اور امام نووی وعلامہ کرمانی نے ان کے علاوہ دو شاگردوں کا اور تذکرہ کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک اور شاگرد کا ذکر کیا ہے لامع کے مقدمہ میں میں نے ایک نقشہ میں اس کی تفصیل لکھ دی ہے وہاں دیکھ لینا۔

فربری کے نسخوں میں اختلاف کی وجوہات :

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ اگر امام بخاری کے شاگردوں کے نسخوں میں اختلاف ہو تو وہ برمحل ہے کیونکہ جب مصنف نظر ثانی کرتا ہے تو ضرور محو و اثبات کرتا ہے لیکن فربری سے پڑھنے والوں کے نسخوں میں اختلاف کی کیا وجہ؟ اس کے دو جواب ہیں ایک معقول دوسرا غیر معقول۔ غیر معقول ہی زیادہ قوی ہے وہ یہ کہ پہلے زمانہ کے اندر جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ استاد املاء کراتا تھا اور شاگرد لکھتے تھے مگر چونکہ سارے شاگرد ایک ہی درجہ کے متیقظ اور بیدار نہیں ہوتے اس لئے کسی نے کچھ لکھا اور کسی نے کچھ۔ جیسے کہ تم امتحان کے پرچوں میں دیکھتے ہو کہ ممتحن ایک حرف بولتا ہے پھر بھی لکھنے میں تغیر ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری وجہ جو معقول ہے (اور جو اتنی قوی بھی نہیں) وہ یہ ہے کہ فربری نے اپنے استاد کے ساتھ غایت محبت کی بنا پر دونوں نسخوں کی روایات لے لیں اگر چہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آخری نسخہ یہی ہے اور دوسرا نسخہ آخری نہیں۔ جیسے کہ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت پر پہنچے کہ حضور اکرم ﷺ دو، دو سورتیں ملا کر ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے تو میرے حضرت نے غایت محبت کی بنا پر فرمایا "زکریا مجھے بھی ایک پرچہ پر یہ ترتیب لکھ کر دینا آج تہجد میں اسی طرح پڑھیں گے۔" تو باوجودیکہ وہ قرآن اور اس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے لیکن غایت تعلق کی بنا پر حضرت نے اس کو پڑھا۔

بحث تاسع "مراتب کتب حدیث":

شروع میں جہاں اجمالی خاکہ ان ابحاث کا بیان کیا تھا اس کے اندر میں نے یہ کہا کہ ایک تو مرتبہ مقدمۃ الکتاب سے متعلق ہے اور دوسرا مرتبہ کتب حدیث سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں مرتبے الگ الگ ہیں۔ مراتب کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر وہ کتابیں مذکور ہیں جن کے متعلق اجنبی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں اس لئے اب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کر دیئے جائیں اس لئے غور سے سنو کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے "عجالۂ نافعہ" میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اتباع میں بیان فرمائی

Maktaba Tul Ishaat. com

ہیں۔ مگر خود شاہ عبدالعزیز نے اپنی دوسری کتاب "مایجب حفظه للناظر" میں پانچ قسمیں بیان کر دیں۔ یہ بظاہر ایک بڑا تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ عجالۂ نافعہ میں جو تقسیم ہے وہ شہرت اور صحت ہر دو کے اعتبار سے ہے اور مایجب حفظه للناظر میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجہ شہرت کو نہیں پہنچیں جیسے صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منتقی الجارود وغیرہ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت ان کی خوب ہے جیسے ابن ماجہ وغیرہ۔ بہر حال حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ مایجب حفظه للناظر میں کتب حدیث کے پانچ طبقات بیان فرمائے ہیں۔

پہلا طبقہ :

پہلا طبقہ وہ ہے جس کے اندر ایسی کتابیں داخل ہیں جن کی احادیث کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں هذا صحيح اور اگر کوئی اس کے خلاف کہے تو اس سے دلیل طلب کی جائیگی اس کے اندر صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک، صحیح ابن حبان، مسند ابو عوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ داخل ہیں۔

مستدرک حاکم کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حافظ ذہبی نے اس کی بہت سی روایات پر نقد و استدراک کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث پر ذہبی نے سکوت کیا ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے اور جس پر کلام کر دیا وہ طبقۂ ثالثہ میں داخل ہے جو آگے آ رہی ہے اس لئے کہ حاکم نے مستدرک میں صحاح کے ساتھ ساتھ ضعاف پر بھی صحت کا حکم لگا دیا ہے۔

دوسرا طبقہ :

وہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احادیث مذکور ہیں ان کو ہم صحیح تو نہیں کہہ سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صالح للاحتجاج ہے یعنی اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ احتجاج کے واسطے صحیح کا ہونا ضروری نہیں بلکہ حسان سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے اس طبقہ میں ابوداؤد شریف، نسائی، ترمذی وغیرہ داخل ہیں۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ابوداؤد، نسائی، تو بالیقین داخل ہیں مگر ترمذی کے داخل ہونے میں کلام ہے اس لئے کہ اس کی بہت سی روایات متکلم فیہ ہیں۔ البتہ میرے نزدیک طحاوی اس طبقہ میں داخل ہے کیونکہ سلف میں سے بعض نے طحاوی کو ابوداؤد شریف کے درجہ میں رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی طبقہ میں مسند احمد بن حنبل کو بھی شمار کیا ہے۔

تیسرا طبقہ :

وہ یہ ہے کہ اس کی کتب میں جو احادیث آئیں گی ان کے متعلق ہم نہ یہ کہیں گے کہ یہ صحیح ہے اور نہ اس کی تغلیط کریں گے بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں اس طبقہ میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور زوائد مسند ہے۔ زوائد مسند سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل نے مسند احمد پر کچھ روایات کو زیادہ فرمایا ہے جس کو زوائد المسند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چوتھا طبقہ :

وہ ہے جو پہلے کے بالکل برعکس ہے اس کے متعلق ہم آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ضعیف ہیں۔ اس طبقہ میں دیلمی کی مسند فردوس اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول اور کتب تفاسیر کی تمام روایات داخل ہیں۔ یہ دونوں وعظ کی کتابیں ہیں ان میں کثرت سے روایات ضعیفہ شامل ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

پانچواں طبقہ :

وہ ہے کہ اس کے اندر وہ تمام کتب داخل ہیں جن میں احادیث موضوعہ جمع کر دی گئی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكِذْبُ اس حدیث میں آپ ﷺ نے قرن رابع یا ثالث میں علی اختلاف الروایات افشاء کذب کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ قرن رابع یا ثالث میں بکثرت احادیث گھڑی گئیں۔ لوگوں نے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے یہ حدیث گھڑی کہ کبوتر بازی جائز ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت کرنی تھی اس لئے ایک جماعت ایسی پیدا فرمادی جس نے ان تمام موضوع احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطی کی اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعه ہے اور دوسری کتاب ذیل اللآلی ہے یہ کتاب دراصل اللآلی المصنوعه پر اضافہ ہے کیونکہ علم میں تو ازدیاد ہوتا ہی رہتا ہے امام سیوطی کو اور احادیث ملیں تو انہوں نے ان کو اللآلی کا ذیل بنا دیا اور انہی کی تیسری کتاب التعقبات علی الموضوعات ہے اس کے اندر علامہ سیوطی نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن کو لوگوں نے موضوع بتایا ہے حالانکہ وہ موضوع نہیں ہیں۔ ایک دوسرے محدث ابن جوزی ہیں جو مشہور حافظ حدیث ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ بعض لوگ بعض امور میں متشدد ہوتے ہیں اور بعض متساہل۔ ابن جوزی بہت متشدد ہیں ان کے تشدد کی حالت یہ ہے کہ بخاری کی ایک روایت پر بھی موضوع ہونے کا حکم لگا دیا لیکن علماء نے اس کا انکار کر دیا اور ان کا رد لکھا ایسے ہی بہت سی احادیث کو جو موضوع نہ تھیں ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا۔ ایسے ہی ابوداؤد شریف کی نو احادیث پر وضع کا حکم لگا دیا۔ اس کے بالمقابل حاکم تصحیح کے اندر بہت متساہل ہیں بہر کیف اس سلسلہ میں کتابیں کافی لکھی گئی ہیں ملا علی قاری کی موضوعات کبیر اور علامہ شوکانی کی الفوائد المجموعه بھی اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہیں۔

بحث عاشر "سند":

سلسلۂ سند امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ کا طرۂ امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے اندر نہیں پایا جاتا خواہ وہ ادیان سماوی ہوں یا غیر سماوی کہ وہ بالاسناد المتصل کسی بات کو ذکر کرتے ہوں۔ بخلاف امت محمدیہ کے کہ اس کے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ہر بات بالاسناد منقول ہے۔ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اور مشائخ کرام کا طریقہ یہ جاری رہا کہ وہ اپنی اسانید کتاب وہاں تک بیان کرتے تھے جہاں تک وہ معروف ومطبوع نہ ہو۔ میرے اکابر کے زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک ہمارے اساتذہ سند بیان کرتے تھے اس سے آگے نہیں کیونکہ اس سے آگے مطبوعہ ہے خود حضرت شاہ صاحب نے رسالہ الارشاد الی مهمات الاسناد کے اندر اپنی سند بیان فرمائی ہے اور اس کے اندر اسانید کا جال بچھایا ہے اسی طرح حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کی اسانید الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی کے نام سے عرب وعجم کے اندر مشہور ہیں اور اب میری سند بھی چونکہ اوجز اور لامع کے مقدمہ میں طبع ہو گئی ہے اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر چونکہ میرے اکابر کا دستور ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحب تک سلسلہ سند بیان فرماتے ہیں اس لئے میں بھی اتباعاً اپنی سند بیان کرتا ہوں۔

میرا ابتدائی دور :

میں رجب المرجب ۱۳۲۸ھ میں اپنے وطن کاندھلہ سے یہاں آیا تھا اور نحو میر پڑھنی شروع کی تھی۔ پھر اس کے بعد بقیہ کتابیں پڑھیں۔ ۳۲ھ میں پورے سال منطق کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد شوال ۳۳ھ میں دورۂ حدیث تمام کا تمام اپنے والد صاحب سے پڑھا اگرچہ بہت سی کتابیں دورہ کی حضرت سہارنپوری کے یہاں بھی ہوتی تھیں لیکن میرے حضرت اور حضرت شیخ الہند اپنی

Maktaba Tul Ishaat. com

ایک تحریک پر لمبے سفر کے لئے چلے گئے اس لئے ان کے پاس کوئی سبق نہ ہو سکا۔

پہلی سند :

بہر حال میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کی طرف سے سلسلۂ سند یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی ساری کتب قطب الارشاد شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے پڑھیں۔ اور انہوں نے شاہ عبدالغنی المجددی النقشبندی سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوسعید صاحب اور حضرت شاہ اسحاق صاحب سے اور ان دونوں نے استاد الکل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انہوں نے المحدث المکرم الامام المعظم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ سے پڑھی۔

دوسری سند :

۱۰ ذیقعدہ ۳۴ھ میں جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو میرے حضرت اس وقت بمبئی میں تھے۔ والد صاحب کے انتقال کا تار وہیں پہنچا سفر سے واپس تشریف لا کر خود ہی حضرت نے مجھ سے فرمایا: ''بخاری اور ترمذی تم اس سال میرے سے پڑھنا''۔ چنانچہ اس سال دوبارہ پڑھی۔

مگر چونکہ والد صاحب کے انتقال کے بعد محبت پدری کی وجہ سے وہ غلبہ ختم ہو گیا تھا اس لئے میں متعدد شروح اور حواشی فتح الباری وقسطلانی وحواشی حضرت گنگوہی دیکھ کر اور لکھ کر لے جاتا تھا محض یہ سوچ کر کہ ''حضرت یہ فرمادیں کہ تجھے اب پڑھنے کی ضرورت نہیں مگر تین چار ماہ اسی طرح سے گزر گئے۔ اس دوران میں بعض جگہ حضرت میرے اشکالات کے جوابات بھی نہ دے سکے۔ مگر الحمد للہ! میرے دل میں اس کا واہمہ بھی نہیں آیا کہ حضرت نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ میں یہ سوچتا تھا کہ تورات بھر کتابیں ٹٹولتا ہے اگر حضرت نے جواب نہیں دیا تو کیا ہوا بھلا وہ کوئی ہندی کی چندی کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ اسی دوران میں ایک دن میں حضرت کے ساتھ آرہا تھا۔ فرمایا ''مولوی زکریا بہت دن سے ارادہ تھا کہ ابوداؤد پر کچھ لکھوں، لکھنا شروع بھی کیا اس وقت تک میرے حضرت گنگوہی زندہ تھے مگر ان کے انتقال کے بعد طبیعت بجھ گئی پھر سوچا مولوی محمد یحیٰ موجود ہیں ان سے بحث ومباحثہ کرلیا کریں گے مگر ان کے انتقال پر طبیعت بالکل ہی بجھ گئی اور ارادہ ہی نکال دیا تھا مگر اب تم کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اگر تم ساتھ دو تو ہو سکتی ہے۔''

میں نے کہا حضرت ضرور اور یہ میری دعا کا اثر ہے۔ حضرت میری طرف مڑے اور فرمایا اس کا کیا مطلب؟ میں نے عرض کیا کہ جب میرے والد صاحب نے مشکوٰۃ شروع کرائی تو غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر ابتداء کرائی تھی اور پھر قبلہ رو ہو کر نہ جانے کیا کیا دعا کی ہوگی مگر میں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! حدیث کا سلسلہ بہت دنوں میں شروع ہوا ہے اب یہ میرے ساتھ ہی رہے اس لئے میں بذل لکھوں گا اور اس میں دس بارہ سال لگ ہی جائیں گے اس وقت تک حدیث خود میرے یہاں بھی آجائے گی۔ چنانچہ ۴۵ھ میں بذل ختم ہوئی اور ۴۰ھ کے اندر ہی حدیث پاک کے اسباق میرے یہاں آگئے تھے۔

بہر حال اس کے بعد ۳۵ھ میں یہ ناکارہ مدرس ہو گیا۔ بے دھڑک میں ہمیشہ سے رہا ہوں اس لئے میں نے عرض کیا کہ اس سال ابوداؤد آپ کے پاس ہوگی۔ فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ ترمذی کے اندر دو گھنٹے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بذل لکھنے کا حرج ہوتا ہے اس لئے اگر ابوداؤد شام کے گھنٹے میں کردی جائے تو آپ کا فائدہ یہ ہوگا کہ صبح کے چار گھنٹے بچ جائیں گے جو آپ کی تصنیف میں کام آجائیں گے۔ اور میرا فائدہ یہ ہوگا کہ میں بھی سماعت کرلوں گا۔ حضرت نے اسے منظور فرمالیا۔ چنانچہ اسی سال مدرسی کے ساتھ ساتھ میں نے حضرت سے ابوداؤد بھی پڑھی پھر اگلے سال میں نے عرض کیا کہ میری مسلم باقی رہ گئی ہے اس کو بھی پڑھادیں۔ چنانچہ دوسرے

Maktaba Tul Ishaat. com

سال حضرت نے مسلم شریف پڑھائی۔ میرے حضرت کی سند یہ ہے کہ میں نے حضرت اقدس آقائی مولانا خلیل احمد صاحب سے اورانہوں نے مولانا الشاہ محمد مظہر صاحب نانوتوی سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سے اورانہوں نے استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے اورانہوں نے حضرت مولانا رشید الدین صاحب بخاری ثم دہلوی سے اورانہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انہوں نے حضرت اقدس مسند ہند شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے کتب احادیث پڑھیں۔

تیسری سند :

میری اجازت کی ہے۔ میں یہ سند بیان کرنے سے پہلے ایک مختصر سی بات بتلاؤں۔ وہ یہ کہ ہمارے مدرسہ میں ایک مدرس حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب بھی تھے وہ یہاں کے ابتدائی طالب علم تھے۔ یہیں سے فارغ ہو کر معین مدرس ہو گئے اس کے بعد ترقی کرتے کرتے مدرس دوم بن گئے اور چونکہ ہمارے مدرسہ میں بہت سے ملازم رکھنے کا دستور نہیں تھا اس لئے یہ مولانا عنایت الٰہی مدرس دوم بھی تھے، محرر اور مہتمم بھی تھے اور جتنی عدالتی کاروائیاں ہوتی تھیں ان سب کے نگران بھی تھے۔ بڑے پرہیز گار اور متقی تھے ان کی پرہیز گاری کا یہ حال تھا کہ اپنا قلم، کاغذ، دوات الگ رکھتے تھے اگر گھر کوئی پرچہ لکھنا ہوتا تو ذاتی قلمدان سے لکھتے تھے مدرسہ کے کاغذ پر نہیں لکھتے تھے۔ مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے اور میں بھی ان سے بڑا بے تکلف تھا میں نے کہہ رکھا تھا کہ اگر دیر سویر ہو جایا کرے تو میرے یہاں سے کھانا منگوالیا کریں۔ ایک بار غایت محبت کی بنا پر مجھ سے فرمانے لگے کہ مولوی زکریا جس قدر استعدادیں فوت ہو رہی ہیں اور ناقص ہوتی جارہی ہیں اسی قدر سندوں کے اندر زینت بڑھتی جارہی ہے میں تمہیں اپنی سند دکھلاؤں گا ایک مٹیالے کاغذ پر ہے جس سے پنساری بھی سودا نہ باندھے میں نے کہا ''جی بہت اچھا! ضرور دیکھوں گا۔'' ایک بات تھی آئی گئی ہوگئی۔ ان کا مکان محلہ قاضی میں تھا۔ مدرسہ سے نکلنا میرے لئے مشکل تھا حتی کہ ایک بار میرا جوتہ کسی نے مدرسہ (قدیم) سے اٹھالیا تو چونکہ بیت الخلاء مدرسہ کے اندر ہی ہے اور مدرسہ سے متصل مسجد ہے۔ اس زمانے میں تعلیم بھی یہیں ہوا کرتی تھی اور والد صاحب کے ساتھ میرا بھی کھانا آجاتا تھا اس لئے پورے چھ ماہ تک باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اسی طرح جب میں مدینہ منورہ بذل کے اختتام کے سال گیا تو لوگ تو وہاں جاکر مشاہد متبرکہ کو دیکھنے لگ جاتے تھے لیکن میں کہیں نہیں جاتا تھا بس لیٹا ہوا کتاب ہی دیکھتا رہتا تھا۔ میرا اور حضرت کا قیام مولانا سید احمد صاحب جو کہ حضرت مدنی کے بڑے بھائی تھے کے یہاں رہتا تھا وہاں کے علماء آکر مولانا سے کہتے کہ یہ ہندی لوگ دو تین دن کے لئے آتے ہیں اور سب کچھ دیکھ لیتے ہیں مگر یہ کیسا ہندی ہے کہ کہیں جاتا ہی نہیں بس کتاب ہی دیکھتا ہے۔ بہر حال ایک مرتبہ مولانا عنایت الٰہی صاحب بیمار ہوئے میں کسی ضرورت سے محلہ قاضی گیا۔ سوچا کہ مولانا سے بھی ملتا جاؤں۔ یہ سوچ کر حاضر ہوا دروازے پر دستک دی حضرت اندر سے تشریف لائے میں نے کہلوایا بھی کہ تشریف نہ لائیں دقت ہوگی لیکن تشریف لے آئے اور خیریت دریافت فرمائی پھر فرمایا کہ مولوی زکریا وہ سند تم نے دیکھنے کو کہا تھا میں نے عرض کیا پھر کبھی دیکھ لوں گا فرمایا نہیں ابھی دیکھتے جاؤ۔ مجھے مجبوراً رکنا پڑا اندر تشریف لے گئے اور ایک مٹیالا کاغذ لائے جس پر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کے دستخط اور مولانا احمد علی صاحب کی مہر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔

''عنایت الٰہی طالب علم مدرسہ نے ہم سے پڑھا اور اچھا پڑھا''

بس یہ آدھی سطر کی سند ہے۔ لیکن اب تمہاری سندوں پر العلامہ الفلاں بن فلاں لکھا جاتا ہے لیکن پہلے سند ایسی ہوا کرتی تھی۔ مولانا وہ سند مجھ کو دینے لگے کہ اس تبرک کو تم لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ ''اجی میں کیا کروں گا البتہ اگر آپ اس پر مجھے اجازت (حدیث) لکھ کر دیدیں تو میرے لئے بھی کارآمد ہے۔'' چنانچہ انہوں نے اس پر مجھے اجازت لکھ کر دی جواب تک میرے پاس محفوظ

Maktaba Tul Ishaat. com

ہے۔ الحاصل مجھے اجازت حاصل ہے۔ حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سابق مہتمم مدرسہ ہذا سے اور انہوں نے پڑھا حضرت مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا اور حضرت اقدس مولانا الشاہ احمد علی صاحب محدث ومحشی بخاری وبانی مدرسہ ہذا سے اور مولانا احمد علی نے پڑھا حضرت مولانا وجیہ الدین صاحب سہارنپوری اور حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی سے اور انہوں نے پڑھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور انہوں نے پڑھا اپنے والد ماجد مسند ہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہم دہلوی سے اس سند میں مولانا احمد علی صاحب کا نام نامی آیا ہے یہ پہلے کبوتر بازی کیا کرتے تھے اور بکثرت کبوتر پالا کرتے تھے۔ ایک بار کبوتر بازی کی غرض سے میرٹھ تشریف لے گئے جب ان کی باری آئی تو کسی نے یہ کہہ دیا کہ دیکھو یہ آئے ہیں علمی خاندان سے تعلق رکھنے والے۔'' یہ بات ان کے دل کو لگی سب چھوڑ چھاڑ کر علم حاصل کیا اور حدیث تک پہنچے۔ اول مرتبہ حدیث مولانا وجیہ الدین صاحب سے پڑھی۔ جن کا حال مجھے معلوم نہیں۔ پھر حجاز جا کر حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی اور پڑھنے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ صبح سے ظہر تک حدیث نقل کرتے تھے اور پھر ظہر کے بعد سے عصر تک حضرت مولانا سے پڑھا کرتے تھے۔ ان کا خط بہت عمدہ اور پاکیزہ تھا جیسے موتی بذل المجہود کے اندر جہاں کہیں نسخہ قلمیہ کا ذکر ہے اس سے مراد انہی کی ابوداؤد ہے۔ یہ تو سند کے متعلق بحث تھی جو ختم ہوگئی اس کو لامع کے مقدمہ اور اوجز کے اندر بھی لکھدیا ہے۔ (1)

سلسلۂ اسناد اور حضرت شاہ صاحب :

ہندوستان کے اندر کوئی حدیث پڑھنے پڑھانے والا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے نکل کر نہیں جاسکتا۔ میں نے اپنی جوانی کے

---

(1) ان تمام مذکورہ سندوں کو حسب ذیل نقشے میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے:

ـــه ان تمام مذکورہ سندوں کو حسب ذیل نقشے میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے .

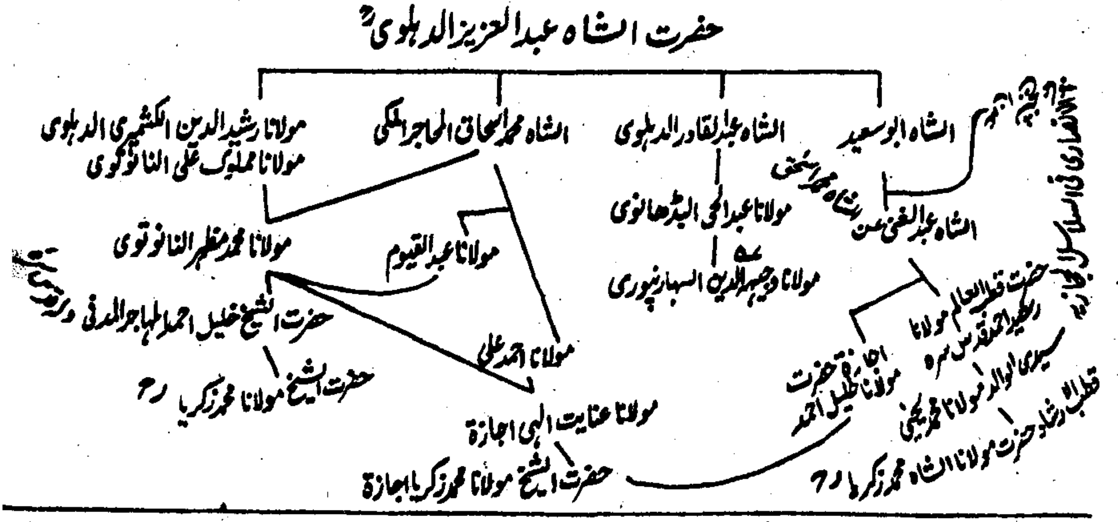

ـــه وھو الاخ الکبیر الشیخ لطف اللہ والد مولانا احمد علی المحدث الشہیر السہارنپوری کما فی ارواح ثلثہ منقول از مقدمہ لامع الدراری ص ۶۹ م

Maktaba Tul Ishaat. com

زمانہ میں بڑی تحقیق کی۔ قادیانیوں اور بدعتیوں اور اسی طرح اہل حدیث کو خطوط لکھے کہ وہ اپنا سلسلۂ سند لکھ کر بھیجیں۔ جس کے پاس سے بھی جواب آیا اس میں منتہائے سند حضرت شاہ صاحب ہی تھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ باہر جا کر عرب وغیرہ میں سند حاصل کرے جیسے میرے حضرت کی پانچ سندیں ہیں۔ تین سندیں ہندی ہیں۔ جن کی اصل حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچتی ہے اور دو سندیں حجازی۔ ایک مکہ معظمہ کے مفتی شافعیہ کی جانب سے دوسرے مدینہ منورہ کے مفتی حنفیہ سے۔ (۱)

بحث حادی عشر ”آداب طالب“:

یہ میرا ایک نہایت اہم عنوان اور مبحث ہے اور پہلے میں ہمیشہ اس کو نہایت اہمیت کے ساتھ بیان کیا کرتا تھا اور اس پر عمل بھی خوب کرایا کرتا تھا لیکن اب ہم اس قابل نہیں رہے اس لئے بیان کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اگر چہ یہ بہت لمبی بحث ہے مگر میں نہایت مختصر طور پر اب بھی بیان کرتا ہوں۔ ان میں سب سے **پہلے اخلاص نیت ہے اس کے بعد درس کی پابندی ہے**۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میری کوئی حدیث نہیں چھٹی۔ یا تو میں نے پڑھی یا میرے ساتھی نے۔ والد صاحب کے درس میں تو یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں اور بہت زور کے ساتھ کہہ سکتا ہوں لیکن اپنے حضرت کے یہاں کچھ عوارض کی بنا پر ایک دو حدیثیں رہ گئی ہوں گی۔ میں نے اپنے والد صاحب کے یہاں اس کا بھی اہتمام کر رکھا تھا کہ کوئی حدیث بلا وضو نہ پڑھی جائے۔ میرا ایک دوست تھا حسن احمد محلہ کھالہ پار کا رہنے والا تھا اس قدر نیک تھا کہ کبھی کوئی فحش بات میں نے اس کی زبان سے نہیں سنی۔ ہم دونوں نے یہ التزام کر رکھا تھا کہ جب کوئی ہم میں سے وضو کے لئے اٹھے تو دوسرے کو کہنی مار دے تاکہ دوسرا ساتھی اپنے استاد کو کسی اعتراض میں مشغول کر دے تاکہ حدیث نہ رہ جائے۔ ایک دو مرتبہ تو والد صاحب نے اس کو دیکھا لیکن جب چند بار اس کی نوبت آئی تو سمجھ گئے۔ اسی درمیان میں میرا وہ ساتھی وضو کے لئے اٹھا میں نے فوراً کہہ دیا کہ ”ابن ہمام نے فتح القدیر کے اندر یہ لکھا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے۔“ میرے والد صاحب نے فرمایا کہ ہم تمہارے ابن ہمام سے کہاں لڑتے پھریں گے جب تک تمہارا ساتھی آئے ہم سے ایک قصہ سن لو۔ اس کے بعد میرے والد صاحب کا معمول ہو گیا کہ جب بھی ہم میں سے کسی کو اٹھتا دیکھتے تو حدیث روک کر قصہ سنانا شروع کر دیتے مگر میرے حضرت کے یہاں چونکہ یہ بات نہیں تھی اس لئے ایک دو حدیثیں چھوٹ بھی گئیں۔ **تیسری چیز** صف بندی ہے سبق میں انتشار کے ساتھ نہ بیٹھے۔ **چوتھی چیز** یہ ہے کہ درس میں نہ سوئے۔ اگر میرے یہاں کوئی سوتا تھا تو اس کی عزت افزائی ہاتھ سے کیا کرتا تھا اور اس کے پاس پہنچ کر ایسا رسید کرتا کہ چار پانچ روز تک تو اس کو نیند نہ آتی تھی اور خواص کے بچوں اور عزیزوں کی خبر زیادہ لیا کرتا تھا کیونکہ دوسرے لوگ تو احتراماً ان کو کچھ نہیں کہتے تھے اور میں خوب مارتا تھا۔ میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کا ایک عزیز تھا سبق میں سویا کرتا تھا میں نے اس کو تنبیہ کی اور مارا حضرت نور اللہ مرقدہ کی اہلیہ محترمہ نے حضرت سے شکایت کی کہ اس کو انہی کے سبق میں نیند آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر کوئی شخص طالب علم کی رعایت کر کے اس کو مارے اور اس کو تنبیہ کرے تو کیا اس کو روکا اور منع کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ جب ان کے درس میں سوتا ہے تو دوسرے اساتذہ کے یہاں بھی سوتا ہوگا۔ **پانچویں چیز** یہ ہے کہ کتاب پر ٹیک نہ لگائے بالخصوص بخاری شریف جو کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ **چھٹی چیز** یہ ہے کہ غیر حاضری نہ کرے کیونکہ یہ میرے یہاں ایک سنگین جرم ہے۔ **ساتویں** یہ کہ اس کا بھی خیال رکھنا کہ میں ہمیشہ حدیث پاک میں اگر کوئی گالی کا لفظ آئے تو اس کا صاف صاف وہی ترجمہ کرتا ہوں تو یہ نہیں کرتا لہٰذا اس کے ترجمہ کو نہایت وقار کے ساتھ سنا کرو اس پر ہنسنا یہ اس کا استہزاء شمار ہوگا اس سے ہمیشہ بچو۔ اگر ہنسی ضبط نہ ہو تو مجبوری و معذوری ہے نیچے منہ کر کے ہنسا کرو۔ **آٹھویں** یہ کہ حضرات ائمہ اربعہ

(۱) تفصیل کے لئے حضرت اقدس کی سوانح حیات تذکرۃ الخلیل مطبوعہ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور ملاحظہ ہو۔

Maktaba Tul Ishaat. com

مجتہدین یہ ائمہ حدیث سے پہلے ہیں اور ائمہ اربعہ کا زمانہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے کافی قبل کا ہے لہٰذا اگر کوئی حدیث پاک کسی امام کے خلاف نکل آئے اور تم کو اس پر مطلع کر دیا جائے تو اس سے اس امام کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا یا کوئی جملہ ان کی شان کے خلاف ہرگز زبان سے نہ نکالنا بلکہ دل میں ہر ایک کی عزت برابر ہونی چاہئے۔نویں چیز یہ کہ اساتذہ کا ادب کرے ایسے ہی کتب حدیث کا کیونکہ وہ رسول کریم علیہ السلام کا کلام ہے۔دسویں یہ کہ بعض غالی مقلدین کی طرح ائمہ حدیث پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ فتلک عشرة كاملة

چند ضروری باتیں :

(۱) دیکھو اصل دین قرآن وسنت ہے اور بس۔آج کل عام طور سے مبالغہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ علم فقہ کو احناف وغیرہ نے احادیث وقرآن کا مدمقابل ٹھہرا رکھا ہے۔یہ جہالت ہے یا تجاہل۔دراصل علم فقہ کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ علم فقہ کے بانی امام صاحب، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی آنحضرت ﷺ کیا بلکہ کسی صحابی کے سامنے کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں جیسے قرآن کا سمجھنا موقوف ہے احادیث پر ایسے ہی علم حدیث کا سمجھنا اور اس میں بصیرت حاصل کرنا موقوف ہے علم فقہ پر جس طرح حضرات محدثین نے دن رات ایک کر کے احادیث جمع کیں ہیں ایسے ہی مجتہدین (فقہاء) حضرات نے اپنی پوری کوشش اور دن رات اس پر لگایا اور احادیث مجملہ کی توضیح کی۔اختلاف روایات اور آپس کے تعارض کو ختم کیا اور تمام احادیث کا خلاصہ پکا پکایا ہمارے سامنے رکھ دیا۔مثلاً تم پڑھو گے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے عرض کیا کہ حضرت! میں اگر روزے میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز ایسا مت کرنا۔اس کے بعد ایک دوسرا شخص اور آیا اور اس نے بھی بوسہ کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی، فرمایا کہ لے لیا کرو۔اب ہم لوگوں کے نزدیک دونوں میں تعارض ہو گیا اور ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان دونوں حدیثوں کا کیا کریں لیکن حضرات فقہاء نے ان کے درمیان جمع فرمایا اور نہایت تتبع وتلاش کے بعد یہ بتلایا کہ اول اجازت چاہنے والا ایک نوجوان شخص تھا آپ ﷺ نے اس کو اجازت نہیں دی کیونکہ وہ جوش کی وجہ سے تقبیل سے آگے بھی قدم بڑھا سکتا تھا۔بخلاف دوسرے شخص کے جو بعد میں اجازت طلب کرنے آیا تھا وہ شیخ اور بوڑھا تھا اور اس کو اپنے اوپر اطمینان تھا، اب اس طریقہ سے جمع فرمانا انہی حضرات کا کام تھا۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے تو گویا حضرت امام اعظم کا انتقال امام بخاری سے چوالیس (۴۴) سال قبل ہو گیا تھا۔لہٰذا اب اگر امام بخاری کے زمانے میں کوئی روایت رواۃ کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت امام اعظم کے زمانہ میں بھی وہ روایت ضعیف رہی ہو کیونکہ درمیان میں چالیس سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہے ممکن ہے کہ اس درمیان میں کوئی راوی ضعیف نکل آیا ہو۔نیز امام اعظم احناف کی تحقیق کے مطابق تابعی ہیں۔ایسی صورت میں تو امام صاحب کی کسی بھی روایت پر کلام نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ آپ نے جو بھی روایت سنی ہوگی وہ صحابی سے سنی ہوگی اور الصحابة كلهم عدول کے تحت ہر روایت صحیح ہے اور اگر امام اعظم کو دوسرے علماء کی تحقیق کے مطابق تبع تابعی فرض کر لیا جائے تب بھی امام اعظم کی روایات پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں حضور ﷺ کے درمیان دو واسطے ہونگے پہلا واسطہ صحابی کا اور اس کے عادل ہونے میں کسی کو شک نہیں۔اب رہ گئے تابعی اس کے اندر اگر کچھ شک ہو سکتا ہے تو اس کا جواب احناف کی طرف سے ایک کلیہ کی شکل میں یہ ہے کہ میں اپنے استاد کو زیادہ جانتا ہوں یا تم؟ یقیناً جو بعد میں پیدا ہوا ہے وہ کس طرح سے اپنے سے پہلے کو سمجھ سکتا ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ کی ہر حدیث صحیح ہے اور کسی کا ان کی مرویات کو ضعیف کہنا غلط ہے۔اس مختصر سی بات سے بہت سے اشکالات انشاء اللہ مندفع ہو جائیں گے۔تفصیل اپنے مقام

Maktaba-Tul-Ishaat. com

پر آئے گی۔

(۳) میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری نے تیئیس (۲۳) سال تک بخاری شریف پڑھائی (یہاں پہنچ کر حضرت نے بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا کہ میں نے امام بخاری سے زیادہ پڑھائی ہے) اس مدت میں ان کے نوے ہزار نسخے ہونے چاہئیں حالانکہ نسخے چند ہی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص تعلیم و تعلم سے فراغت کے بعد پڑھنے پڑھانے میں نہیں لگتا بلکہ اس میں تو وہی لگتا ہے جو کہ غریب ہو یا انتہائی مخلص۔ یہاں ایک تجربہ کی بات سنو وہ یہ کہ کسی ناظم مدرسہ کو ہرگز یہ نہیں چاہئے کہ وہ کسی مدرس کو بلا تنخواہ رکھے اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ اخلاص تو رہا نہیں جو سلف کے اندر تھا کیونکہ وہ تعلیم کو سب چیزوں پر مقدم رکھتے تھے۔ ہم نے بہتوں کو بغیر تنخواہ کے معین مدرس رکھا لیکن وہ معاش کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسباق میں حرج ہونے لگا آج یہاں جا رہے ہیں اور کل وہاں۔ بالآخران کو جواب دینا پڑا۔

(٤) محدثین کے پانچ مرتبے ہیں، اول وہ مبتدی ہے جو خلوص نیت کے ساتھ حدیث پاک پڑھے یہ پہلا درجہ ہے اس کے بعد محدث یا شیخ الحدیث کا درجہ ہے اس کی تعریف میں اختلاف ہے اکثرین کی رائے یہ ہے کہ جو مسند درس پر بیٹھ کر حدیث پڑھائے اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ محدث یا شیخ الحدیث اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کو بیس ہزار احادیث متناً و سنداً یاد نہ ہوں۔ اس کے بعد حائظ یا حافظ کا درجہ ہے، حافظ وہ شخص کہلاتا ہے جس کو ایک لاکھ احادیث سند اور متن کے ساتھ یاد ہوں۔ اس کے بعد حجۃ ہے محدثین کی اصطلاح میں حجۃ وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تین لاکھ احادیث سنداً و متناً یاد ہوں۔ اس کے بعد حاکم ہے حاکم وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تمام احادیث متناً و سنداً جرحاً و تعدیلاً یاد ہوں۔

(۵) امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے چار لاکھ احادیث سے ابوداؤد کے لئے احادیث کا انتخاب کیا تھا۔ اور پھر چار حدیثیں پوری ابوداؤد سے منتخب کیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) **انما الاعمال بالنیات** الخ

(۲) **لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه**

(۳) **من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه**

(٤) **الحلال بین والحرام بین وبینهما امور مشتبهات فمن اتقی الشبهات استبرء لدینه وعرضه او کما قال صلی الله علیه وسلم.**

امام ابوداؤد کی پیدائش ۲۰۲ھ میں ہے اور امام بخاری نے پانچ لاکھ اور دوسرے قول کی بنا پر چھ لاکھ احادیث سے بخاری کے لئے تین ہزار دو سو چھتر احادیث کا انتخاب کیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام بخاری کو تین لاکھ صحیح اور تین لاکھ غیر صحیح احادیث یاد تھیں۔

الحمدللہ! آج مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ کو مقدمہ تقریر بخاری کی ترتیب و عناوین سے محض اللہ جل شانہ کے فضل سے فراغت حاصل کی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے اور اپنے حبیب پاک حضرت محمد ﷺ کے صدقہ میں اس کو قبول فرمائیں۔ آمین

دعاؤں کا محتاج

بندہ محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

Maktaba Tul Ishaat. com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم

بسم اللہ پر تم کافیہ سے اب تک کلام سنتے چلے آئے ہو مختصراً یہاں بھی سن لو۔ کوفیین کے نزدیک یہاں ابتدائی مقدر ہے یعنی ابتدائی بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بصریین کے نزدیک ابتدائی مقدر ہے یعنی ابتدائی بسم اللہ الرحمن الرحیم کوفیین نے فعل مقدر مانا ہے کیونکہ وہ تجدد پر دلالت کرتا ہے اور بصریین نے اسم اس لئے مقدر مانا ہے کہ جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ زمخشری نے اس کا متعلق لفظ اقرء مقدر مانا ہے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم اقرء اور ان لوگوں نے جو لفظ اَبْتَدِءُ یا اِبْتِدَائِیْ محذوف مانا ہے اس کو اس وجہ سے رد فرمادیا کہ اس صورت میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ ابتدا اللہ کے کلام و نام سے نہیں ہوئی بلکہ خود تمہارے اپنے کلام سے ہوئی اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اللہ کا نام صرف ابتدا کے ساتھ مخصوص ہوا۔ اور اقرء مقدر ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک نام پوری قرأت کے ساتھ شامل حال رہے گا دوسرے یہ کہ ابتدا اللہ تعالیٰ کے کلام و نام سے ہوگی۔ یہاں ایک بہت بڑا اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے بخاری شریف کو خطبہ کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اور بسملہ کے بعد احادیث شروع فرمادیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کل امر ذی بال لم یبدء بحمدالله فهو ابتر۔ لہٰذا اس حدیث کے تحت ان کو حمدلہ ذکر کرنا چاہئے اس کے متعدد جوابات تم کافیہ میں بھی پڑھ چکے ہو کیونکہ وہاں بھی مصنف کافیہ نے اپنی کتاب کو بغیر حمدلہ کے شروع فرمایا ہے البتہ چند اور جوابات جو یہاں کے مناسب ہیں ان کو سنو۔

جواب نمبر ا: جس حدیث کے اندر حمدلہ کا ذکر ہے وہ حدیث چونکہ امام بخاری کے شرائط کے مطابق نہیں۔ اس وجہ سے مصنف نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا۔

جواب نمبر ۲: چونکہ بخاری شریف کے اندر باریکیاں بے انتہا ہیں تو یہاں بھی مصنف نے ایک باریکی پیدا کی ہے وہ یہ کہ حمدلہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ کا اظہار کرنا ہے اور یہ مقصود خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پورا ہوگیا لہٰذا یہی حمدلہ کی جگہ کافی ہے۔ یہ جواب میرے والد صاحب کا ہے۔

جواب نمبر ۳: علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض اساتذہ کبار سے سنا ہے کہ اس کے بعض نسخوں میں حمدلہ ہے۔ امام بخاری نے ابتدائے کتاب میں حمدلہ لکھی تھی جس طرح کہ اپنی دوسری تصنیفات میں لکھی ہے لیکن اس جواب کو حافظ ابن حجر نے رد کردیا وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں موطا وغیرہ بسملہ سے شروع ہیں ان میں حمدلہ نہیں ہے اگر کہیں ہوگی تو وہ الحاقی ہے۔

جواب نمبر ۴: یہ ہے کہ تاسی بالقرآن کی ہے اس لئے کہ سب سے پہلی آیت اقرء باسم ربک اور سب سے پہلی سورت سورۂ مدثر صرف بسم اللہ سے شروع ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے موطا، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ سب بغیر خطبہ کے شروع کی گئی ہیں۔

جواب نمبر ۵: شان نزول وغیرہ سے معلوم ہوا کہ حدیث کل امر ذی بال الخ خطب وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس لئے کہ اس زمانے میں خطبہ وغیرہ کا افتتاح اشعار سے کرنے کا رواج تھا۔

جواب نمبر ۶: یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب کو کتاب ہی نہیں سمجھا (جس کی بنا پر بسملہ وغیرہ لکھتے) مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ بخاری جوامع الکتب ہے اور جس کے اندر ہر حدیث وضو کر کے لکھی گئی ہے اس کو بھی ذی بال (مہتم بالشان) نہیں سمجھا جواب اس کا یہ ہے کہ اس حیثیت سے کہ خود یہ مصنف کی تصنیف ہے تو اپنی طرف نسبت کو حقیر سمجھتے ہوئے حمدلہ وغیرہ سے تعرض نہیں کیا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

جواب نمبر۷: حدیث بالا میں جو حمدلہ کا حکم مذکور ہے تو اس سے مقصود ابتداء بالحمد ہے۔ کتابت حمد مقصود نہیں اور تصنیف وتالیف کا کام بسملہ وحمدلہ سے شروع ہوتا ہی ہے تو یقیناً مصنف امام نے بسم اللہ پڑھ کر کتاب شروع فرمائی ہوگی۔

جواب نمبر۸: یہ ہے کہ تأسی بالحدیث الشریف فرمائی اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے جتنے خطوط ہیں وہ صرف بسملہ کے بعد بدون حمدلہ کے من محمد رسول الله (ﷺ) سے شروع ہوئے ہیں۔

جواب نمبر۹: اللہ تعالیٰ نے تقدم بین یدی اللہ ورسولہ سے منع فرمایا چنانچہ ارشاد ہے: یَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اگر مصنف حمد ذکر فرماتے تو یہ تقدم علی اللہ والرسول ہوجاتا ہے اس لئے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔

جواب نمبر۱۰: یہ ہے کہ حدیث ابتداء منسوخ ہے۔

جواب نمبر۱۱: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے سخت اصرار پر یہ ناکارہ ۱۳۸۴ھ میں حج وزیارت کے لئے گیا تھا وہاں مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھا کہ یہ ناکارہ مسجد نبوی میں بخاری شریف پڑھانے پر مامور ہوا۔ مجھے بہت ہی فکر سہم اور اپنی ناقابلیت کا استحضار بار بار عذر معذرت پر میں نے کہا میں کتابیں وغیرہ ساتھ نہیں لایا کہ بوقت ضرورت مراجعت کرسکوں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں پاس بیٹھا رہا کروں گا اور مدد دیتا رہا کروں گا۔ سبق شروع ہوگیا۔ میں نے شروع میں خطبہ نہ ہونے کے متعلق جو توجیہات ہم کیا کرتے ہیں شروع کیں حضرت امام بخاری پاس تھے انہوں نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس کی تالیف کتابی صورت میں نہیں ہوئی بلکہ الگ الگ کر کے اس کے (اجزاء) کتاب العلم، کتاب الطہارہ وغیرہ تالیف ہوتے رہے بعد میں ان کو مرتب کرلیا گیا اس لئے خطبہ کی نوبت نہیں آئی۔

باب :

اصل میں بوب تھا واؤ کو الف سے بدل دیا باب ہوگیا یہ اجوف واوی ہے کیونکہ اس کی جمع ابواب آتی ہے۔ لفظ باب میں علماء کے تین اقوال ہیں اول یہ کہ یہ اضافت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ تنوین کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ وقف کے ساتھ پڑھا جائے گا اسمائے معدودہ کے طرز پر۔ لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ وقف اشیاء معدودہ میں وہاں ہوتا ہے جہاں پر ان کے درمیان فصل نہ ہو اور یہاں ابواب کے درمیان فاصلے ہیں۔ یہ آخری توجیہ علامہ کرمانی کی ہے۔ اگر تنوین کے ساتھ ہو تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اضافت کے ساتھ ہو تو اشکال یہ ہوگا کہ کیف صدارت کلام کو چاہتا ہے اور وہ یہاں پر نہیں ہے کیونکہ کیف باب کے تحت واقع ہو رہا ہے۔ لہٰذا صدارت کہاں رہی اس کا جواب یہ ہے کہ صدارت کا مقصد اس جملہ کی ابتداء میں واقع ہونا ہے جس کو لفظ کیف سے شروع کیا جارہا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ کان کے ابتداء میں واقع ہے اور پھر سارا جملہ باب کا مضاف الیہ بنا دیا گیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری کے دوسرے نسخوں میں اس مقام پر لفظ باب موجود نہیں ہے۔ اشکال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو باب سے تعبیر فرمایا کتاب سے کیوں تعبیر نہیں فرمایا۔ باوجودیکہ آئندہ بہت سے تراجم کو کتاب سے تعبیر فرمادیں گے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کتاب سے اس وجہ سے تعبیر نہیں فرمایا تاکہ آئندہ آنے والی کتاب اس کی قسم نہ بنے کیونکہ وحی مقسم ہے اور باقی تمام ابواب آتیہ خواہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے سب کی سب قسمیں ہیں وحی کی۔ لہٰذا اگر تمام کو کتاب کے عنوان سے تعبیر فرماتے تو کوئی بھی مقسم نہ رہتا تو فرق پیدا کرنے کے لئے مقسم کو باب سے اور باقی کو کتاب سے تعبیر فرمادیا یہاں پر بعض نسخوں میں باب کا لفظ نہیں جیسا کہ حافظ نے نقل کیا ہے مصنفین کا قاعدہ ہے کہ وہ مضامین مختلفہ کو کتاب سے اور ایک نوع کے مضامین کو باب سے اور ایک جزئی

Maktaba Tul Ishaat. com

کی تالیف کو فصل سے تعبیر کرتے ہیں۔

کیف کان:

یہاں سے امام بخاری یہ بتلا رہے ہیں کہ وحی کی ابتدا کیونکر ہوئی تو گویا یہ ایک سوال ہے کیفیت کے متعلق۔ لیکن میں نے متعدد بار خود بخاری کے ابواب کو شمار کیا ہے تو پہلی جلد میں بیس ابواب اور جلد ثانی میں دس باب ایسے ہیں جن کے اندر اصالۃً لفظ کیف کان واقع ہوا ہے اور اصالۃً کا مطلب یہ ہے کہ کہیں پر امام بخاری نے باب و ترجمہ ذکر کرنے کے بعد کیف وغیرہ کہہ دیا مگر وہاں کیفیت وغیرہ کچھ بھی مقصود نہیں۔ بخلاف ان تیس بابوں کے۔ شراح نے ہر جگہ کیفیت بیان کرنے کے واسطے مختلف توجیہات بیان کی ہیں جن کو میں اپنے مواقع پر بیان کروں گا۔ مثال کے طور پر تم اسی باب کے اندر دیکھ لو کہ پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات ذکر فرمائی ہے اور اس کے اندر وحی کی کیفیت کا قطعاً بھی ذکر نہیں۔

چکی کا پاٹ (۱) ان سارے ابواب کے اندر یوں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان ابواب سے جن کو کیف کان سے شروع فرماتے ہیں۔ کیفیت کو بیان کرنا نہیں بلکہ میں تو غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جہاں کہیں اختلاف روایات ہو یا علماء کا اختلاف ہو یا احوال کے اندر اختلاف ہو تو امام بخاری اس اختلاف پر متنبہ کرنے کے لئے کیف کان سے باب باندھتے ہیں۔ اب رہ گیا وہ اختلاف وہ تم کسی اور جگہ تلاش کر لو اس کا امام بخاری نے ٹھیکہ نہیں لیا۔ مثلاً احوال کے اندر اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ایک حال وحی کا مثل صلصلة الجرس ہے اور ایک حال خواب وغیرہ کا ہے تو امام بخاری نے تنبیہ فرما دی کہ یہ مت سمجھو کہ وحی کی حالت ایک ہی ہے بلکہ احوال مختلف ہیں۔ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی رائے جیسا کہ انہوں نے اپنے تراجم کے اندر بسط کے ساتھ بیان فرمائی ہے یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ امام بخاری بسا اوقات کوئی ترجمۃ الباب باندھتے ہیں مگر اس سے اس کے ظاہر معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ کچھ اور مراد ہوا کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی کیف کان سے کیف بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عظمت وحی کو بتلا رہے ہیں کہ وحی جیسی عظیم الشان چیز کی ابتدا کیسے ہوئی تو آنے والی روایات نے بتلا دیا کہ ان اخلاق عالیہ پر ہوئی۔ میرے کہنے اور حضرت شیخ الہند کے فرمان کا مطلب تقریباً ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ حضرت نے اس کو صرف اسی باب کے ساتھ مخصوص فرما دیا اور میں نے پورے تیس ابواب کے اندر اس کو جاری کر دیا۔ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یوں ہے کہ بسا اوقات امام بخاری ایک مرکب باب باندھتے ہیں اب یہ ضروری نہیں کہ ترجمہ کا ہر ہر جز روایت سے ثابت ہو جائے بلکہ اگر کوئی سا جز بھی کسی روایت سے ثابت ہو جائے تو یہی کافی ہے چنانچہ یہاں پر وحی کا ثبوت ہو رہا ہے اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی رائے مبارک یہ ہے کہ ہر حدیث مذکور فی الباب سے الگ الگ ترجمہ کا ثابت کرنا ضروری نہیں بلکہ کسی ایک روایت سے اگر ترجمہ ثابت ہو جائے تو کافی ہے۔ فرق حضرت گنگوہی اور علامہ عینی کے درمیان یہ ہے کہ علامہ مذکور کے نزدیک تو کسی ترجمہ کے جز کا ثابت ہو جانا کافی ہے اور حضرت گنگوہی کے نزدیک ترجمہ کا ثابت ہو جانا کافی ہے خواہ وہ کسی روایت سے ہو۔

بدؤ:

یہ لفظ بخاری کے مشہور نسخوں میں با کے فتحہ اور دال کے سکون اور ہمزہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جس کے معنی ابتدا کے ہیں اور علامہ

---

(۱) یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اپنی ایک اصطلاح ہے جس کو ہم مقدمہ تقریر بخاری میں ذکر کر چکے ہیں۔ (شاہد)

Maktaba Tul Ishaat. com

عینی نے بعض شراح سے بُــدُوٌّ بضم الاول والثانی وتشدید الواؤ نقل کیا ہے جس کے معنی اظہار اور ظہور کے آتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ہمزہ کے ساتھ بــدؤ ہے کیونکہ بعض نسخوں میں ابتدا کا لفظ وارد ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بــدء بمعنی الابتداء ہے نہ کہ بــدوٌّ بمعنی الظهور۔ اور اگر کسی نسخہ میں بــدوّ بمعنی الظهور موجود ہو تو اس صورت میں حضرت شیخ الہند کے ارشاد کی اشارتاً تائید ہو سکتی ہے کہ ارے! وحی کا ظہور کہاں سے ہو گیا؟ روایات نے بتلا دیا کہ اوصاف حمیدہ پر نزول ہوا۔ اب ایک بات مقابلہ کے طور پر جملہ معترضہ کی صورت میں یہ سن لو کہ بخاری کی جلد ثانی کے ص ۷۴۲ پر ایک باب آ رہا ہے "باب کیف نزل الوحی" اس کے متعلق شراح نے لکھا ہے کہ اس باب اور باب کیف کان بدو الوحی میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے لیکن میرے نزدیک عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ باقی تفصیل اسی مقام پر آئے گی۔

الوحی :

لغت میں اس کے معنی الاعلام فی خفاء کے آتے ہیں اور اصطلاح میں وحی الکلام المنزل من اللہ تعالیٰ علی انبیاء کو کہتے ہیں۔ اب یہ کہ وحی کی کتنی قسمیں ہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام حلیمی نے چھیالیس قسمیں بیان فرمائی ہیں اس تقسیم کا مبنی اور اس کا ماخذ وہ روایت ہے جس کے اندر آتا ہے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے (۱) تو گویا وحی کی چھیالیس قسموں میں سے ایک قسم نبی کا خواب ہے سہیلی نے وحی کی کل سات قسمیں بیان فرمائی ہیں اور یہی عامۃ الشراح کی رائے ہے۔ اول خواب۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے اسی واسطے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا اور اسی وجہ سے بعض علما نے بیان کیا ہے کہ اگر حضرات انبیاء کرام سو رہے ہوں تو ان کو جگانا جائز نہیں ممکن ہے خواب میں وحی آ رہی ہو۔ دوسرے القاء فی القلب ہے یعنی اگر قلب پر کوئی شے وارد ہو تو وہ وحی ہوگی اور اگر حضور اقدس کے کسی امتی ولی کے قلب پر کچھ وارد ہو تو اس کو اہل فن اصطلاح کے اندر کشف سے تعبیر کرتے ہیں۔ بس فرق وحی اور کشف کے اندر یہ ہے کہ انبیاء کرام کا وارد وحی ہوتا ہے اور ہمیشہ صواب ہوتا ہے اور اولیاء کا وارد صواب اور خطا کے درمیان ہوتا ہے۔

تیسرے اللہ تعالیٰ کا مــن وراء الــحجاب کلام فرمانا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجاب کی صورت میں ہی ہوا تھا۔ چوتھے یہ کہ ملک اپنی اصلی شکل کے اندر آ کر کلام کرے۔ پانچویں یہ شکل انسانی میں آ کر کلام کرے۔

چھٹے یہ کہ مثل صــلــصــلــة الــجــرس ہو یعنی گھنٹی جیسی آواز جس کا ذکر روایت میں آ رہا ہے۔ ساتویں یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے وحی ہو اور میرے نزدیک وحی کی کل چار قسمیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا کلام من وراء حجاب سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سنا تھا۔

(۲) تلقی بالقلب جیسا کہ حدیث میں ہے ان روح القدس نفث فی روعی اسی کو ہمارے صوفیاء کی اصطلاح میں کشف۔

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال رویا المومن جزء من ستة واربعین جزأ من النبوة. رواه البخاری ص ۱۰۳۵ فی کتاب التعبیر. مرتب

Maktaba Tul Ishaat. com

القاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ

(۳) خواب

(۴) وہ وحی جو فرشتہ کے واسطے سے ہو۔ اور جن علماء نے وحی کی سات قسمیں بیان فرمائی ہیں وہ اس (۴) والی قسم کے اندر کئی شقیں نکالتے ہیں مثلاً یہ کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لائیں یا اسرافیل علیہ السلام لائیں اور جبرئیل علیہ السلام کی آمد کی دو شکلیں یا تو وہ اپنی صورت میں آئیں یا آدمی کی صورت میں۔ مگر میرے نزدیک یہ تمام ایک ہی نوع میں داخل ہیں لہٰذا ان کو مستقل طور پر اقسام میں شمار کرنا ضروری نہیں۔

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیامبر اور واسطہ ہوتے ہیں اور فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ نبی صاحب شریعت نہیں ہوتا اور رسول صاحب شریعت ہوتا ہے۔ رسول اللہ یہ عام لفظ ہے اللہ کے ہر رسول کو شامل ہے مگر اضافت کبھی کبھی عہد خارجی کی بھی ہوا کرتی ہے جیسا کہ تم نحو کے اندر پڑھ چکے ہو یہاں اضافت عہد خارجی ہے اس لئے اس سے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم:

علماء نے لکھا ہے کہ جہاں کسی صحابی کا ذکر آئے وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہئے خواہ کتاب کے اندر لکھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آوے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے چاہے کتاب میں نہ ہو۔ اب یہاں ایک بات اور سنو وہ یہ کہ نفس درود پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

علامہ کرخی کی رائے یہ ہے کہ ایک بار عمر میں پڑھنا واجب ہے پھر اس کے بعد مستحب ہے اور علامہ طحاوی کی رائے (مذہب) یہ ہے کہ جتنی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے ہر بار پڑھنا واجب ہے۔

یہ اختلاف دراصل ایک اور اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صلوۃ وسلام کا امر فرمایا ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ جیسا کہ تم نورالانوار میں پڑھ چکے ہو یہ ہے کہ الامر المطلق لایقتضی التکرار ولا یحتملہ۔ اسی قاعدہ کی بنا پر امام کرخی کے نزدیک ایک بار پڑھنا واجب ہے اور پھر مستحب ہو جاتا ہے لیکن امام طحاوی فرماتے ہیں کہ درود شریف کے پڑھنے کا حکم ایک سبب کی بنا پر ہے اور وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم سامی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ تکرار سبب تکرار مسبب کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا جب بھی حضور پاک کا اسم سامی آئے گا درود کا حکم متوجہ ہوگا اور اس کا پڑھنا واجب ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں نماز کا حکم فرمایا ہے لہٰذا ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد واجب ساقط ہونا چاہئے مگر چونکہ وہ مفروض بالسبب ہے اور سبب وقت ہے لہٰذا جب بھی اوقات بدلیں گے نماز کا حکم متوجہ ہوگا اور وہ واجب ہوگی۔ یہ تو ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ آیت یعنی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا امر بالصلوۃ والسلام کے باب میں مجمل ہے کہ کہاں ہونا چاہئے اور اس کی تفصیل

(۱) وفی تقریر اخر للشیخ والمعجم ما جمعت الروایات فیہ علی ترتیب حروف التہجی ولہ ثلاثۃ اقسام فبعضھم یرتبہ علی ترتیب الاساتذۃ مثلا یقدم روایۃ اکابر مشائخہ علی صغارھم وبعضھم ترتب علی ترتیب الصحابۃ باعتبار التہجی. والثالث معجم الاحادیث وھوالذی جمعت الاحادیث فیہ علی ترتیب حروف التہجی فی اوائل الاحادیث. کالجامع الصغیر للسیوطی

Maktaba Tul Ishaat. com

سنت سے یہ معلوم ہوئی کہ حکم سلام کا امتثال اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سے ہوا جو نماز کے اندر ہے اسی طرح حضور پاک ﷺ پر درود کا امتثال نماز کے درود میں ہوا کیونکہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے نماز کے اندر درود کا حکم فرمایا ہے۔ایک بات یہاں یہ بھی سن لو کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کتاب کے اندر غلط لکھا ہوا ہو تو اس کو درست نہ کیا جائے بلکہ وہاں اس طرح پڑھے فی الکتاب ھکذا والصحیح ھکذا۔ اور اس طرح پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اپنی طرف سے صحیح کر کے پڑھا تو پوری کتاب نہیں پڑھی اس لئے کہ مصنف نے جو لکھا ہے وہ تم نے پڑھا نہیں اگر چہ وہ غلط ہی تھا۔اور اگر کتاب کا لکھا ہوا پڑھتے ہو تو وعید مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ میں داخل ہو گے کیونکہ وہ تو غلط ہے لہٰذا وہی صورت اختیار کرے جو ابھی بتلائی گئی ہے۔کتاب کے اندر زیادتی ہرگز نہ کرے مجھے بڑا خلجان ہوتا ہے اور اس میں مجھے تو بڑا تجربہ ہے۔ میں تمہیں ایک قصہ سناؤں میرے حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے زمانہ تعلیم میں ترمذی کے اندر ایک جگہ اپنی تحقیق سے یہ لکھا کہ امام ترمذی کو یہاں غلطی ہوگئی صحیح یہ ہے جب حضرت ناظم صاحب علیہ الرحمۃ نے ترمذی شریف پڑھائی تو انہوں نے اس پر یہ لکھ دیا کہ ''بظاہر امام ترمذی کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور حضرت کی نہیں۔لیکن جب وہ میرے یہاں آئی تو میں نے حضرت کی تصویب کی۔تو اگر نفس نسخہ میں ہی لکھا جاتا تو ایک ہی لفظ کے اندر کتنی تراش خراش ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اگر کسی جگہ صرف راوی کا نام اپنے استاذ سے سنتے ہیں اور یہ لوگ اس کا نسب بیان کرنا چاہیں تو یعنی سے تعبیر کر کے پھر اضافہ کرتے ہیں تا کہ استاذ کے الفاظ سے اشتباہ نہ رہے اسی طرح جہاں حضور ﷺ کا نام نامی آئے وہاں ﷺ پڑھے اگر چہ نفس کتاب میں نہ ہو نیز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جہاں نام آئے وہاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہیے۔

وقول اللہ عزوجل:

یہ لفظ بالرفع اور بالجر دونوں طرح پڑھا گیا ہے بالرفع ہونے کی صورت میں باب پر عطف ہوگا خواہ وہ بالتنوین ہو یا بالاضافۃ ہو اور جر کی صورت میں باب کے تحت میں ہوگا اور باب مضاف ہوگا اور کیف کان پر عطف ہوگا۔یہاں یہ بات غور سے سنو کہ حضرت امام بخاری یہ جملہ متعدد جگہ ذکر فرمائیں گے وہاں اس میں تین احتمال جاری ہوں گے۔یا تو یہ جز ترجمہ ہوگا اس صورت میں مثبت بفتح الباء ہوگا یا مثبت بکسر الباء ہوگا یا ادنی ملابست کی وجہ سے ذکر فرمادیں گے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ کو ترجمۃ الباب کے ساتھ ادنی مناسبت ہوگی خواہ کسی قسم کی بھی مناسبت ہو اور بعض جگہ حضرت امام بخاری آثار بھی ادنی مناسبت سے ذکر کرتے ہیں۔

انا اوحینا الیک:

یہاں یہ سوال ہے کہ اس آیت کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے اس لئے کہ اس میں کیفیۃ بدو الوحی کا کوئی تذکرہ نہیں اگر چہ نفس وحی کا ذکر ہے ان لوگوں پر تو کوئی اشکال نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض کیفیت بیان کرنا نہیں ہے جیسے حضرت شیخ الہند اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ۔البتہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مقصود کیفیت وحی کو بیان کرنا ہے ان پر ضرور اشکال ہے اس کے متعدد جواب ہیں:

(۱) آیت میں حضور پاک ﷺ کی وحی کو تشبیہ دی گئی ہے حضرت نوح اور دیگر انبیاء کی وحی کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ان کی وحی کی ابتدا بھی ہوگی اور اس کی کیفیت یہی ہوگی لہٰذا اس سے کیفیت ابتداء وحی خود ثابت ہوگئی۔

(۲) وحی کے مختلف معانی آتے ہیں اصل معنی تو اس کے کلام خفی کے ہیں اور گاہے وحی کے معنی مطلقاً الہام اور القاء کے آتے

Maktaba Tul Ishaat. com

ہیں۔اسی معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں وَاَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ وارد ہوا ہے تو حضرت امام بخاری اس آیت کو ذکر فرما کر اشارہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی طرف جس وحی کی ابتدا ہوئی ہے وہ وحی رسالت ہے نہ کہ وحی الی الحیوانات جس کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے لہٰذا اس سے خود کیفیت وحی معلوم ہوگئی کہ وحی وحی ارسال تھی۔

(۳) مقصود صرف ابتداء وحی میں تشبیہ دینا نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی وحی کو مختلف انبیاء علیہم السلام کی مختلف انواع وحی سے تشبیہ دینی ہے جو ان پر مختلف طور سے بھیجی جاتی رہیں لہٰذا اس میں اشارہ ہوگا کہ آپ کی وحی جملہ انواع وحی کی جامع ہوگی یعنی۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور ظاہر ہے کہ ان انواع کی کوئی ابتدا بھی ہوگی اور کیفیت بھی۔

(۴) اس آیت سے تنبیہ کرنا ہے اس بات پر کہ وحی کے لئے تین چیزیں لازم ہیں مرسل، وہ تو اللہ کی ذات ہے اور مرسل الیہ، وہ انبیاء ہیں اور حضور پاک ﷺ اور واسطہ۔ مقصود آیت وحی کے جملہ لوازمات کو بیان کرنا ہے اور ان ہی میں سے ابتدا ہے جو مرسل سے مرسل الیہ کی طرف واسطہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بطور خاص کیوں فرمایا جب کہ ان سے قبل اور بھی انبیاء گزرے ہیں اور ان پر بھی وحی آئی ہے۔ اس کا **پہلا جواب** یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی مرسل ہیں اور احکام تکلیفیہ سب سے پہلے خاص طور سے انہی کے زمانہ میں نازل ہوئے چنانچہ حدیث حشر میں اول مرسل حضرت نوح علیہ السلام کو ہی بتلایا گیا ہے اس وجہ سے انہی کا نام بطور خاص ذکر کر دیا۔ **دوسرا جواب** یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے بہت ستایا اور انہوں نے صبر کیا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ تم کو بھی تکلیف ہوگی مگر صبر کرنا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ان سے پہلے کفر کا شیوع نہیں ہوا تھا تو اس سے اشارہ کر دیا کہ آپ ﷺ بھی شیوع کفر میں مبعوث ہوئے ہیں۔ **چوتھا جواب** یہ ہے کہ طوفان نوح کی وجہ سے تمام انسان ہلاک ہو گئے تھے سوائے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے تو یہ موجودہ نسل انہی سے چلی ہے اسی بنا پر ان کو آدم ثانی کہا جاتا ہے تو آیت کریمہ میں باپ کی وحی کے ساتھ تشبیہ دیدی۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ طفولیت کا ہے۔ احکام تکلیفیہ ان کے زمانے میں بہت کم تھے۔ معاش وغیرہ کی تعلیم ان کے زمانہ میں زیادہ تھی اور حضرت شیث علیہ السلام کو علم زراعت اور حضرت ادریس علیہ السلام کو علم صناعت عطا فرمایا گیا۔ احکام تکلیفیہ کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے ہوئی تو خاص طور سے حضرت نوح علیہ السلام کو ذکر فرما کر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کی وحی احکامات تکلیفیہ کی جنس سے ہے۔

چھٹا جواب حضرت گنگوہی نے دیا ہے کہ ایک چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے دوسری چیز کی نفی نہیں ہوتی جیسے اگر کسی کو کوے کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو اس سے کوئلہ کی سیاہی سے مشابہت کی نفی نہیں ہوتی۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام انبیاء اولوالعزم میں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تخصیص سے اشارہ

Maktaba Tul Ishaat. com

فرمایا گیا کہ آپ ﷺ بھی اولوالعزم انبیاء میں ہیں۔

والنبیین من بعدہ:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کی جملہ انواع وحی حضور پاک ﷺ کی طرف نازل فرمائی گئی ہیں۔

حدثنا:

یہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس کے ساتھ دو لفظ اور ہیں۔ ایک اخبرنا دوسرے انبانا بخاری و مسلم میں کثرت سے حدثنا اور نسائی میں بکثرت اخبرنا اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں انبانا ملے گا اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں یا ان میں فرق ہے یعنی ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں۔ علماء سلف جس میں امام بخاری بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں سب ایک ہیں۔ چنانچہ امام بخاری آئندہ ایک باب باندھ کر اس کو ثابت فرمائیں گے کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ لیکن متاخرین جن میں مشارقہ اور امام نسائی داخل ہیں فرماتے ہیں کہ لغت اور معنی کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں لیکن استعمال کے اعتبار سے فرق ہوگا وہ اس طرح پر کہ اگر استاذ پڑھے اور شاگرد سنیں تو اس کو حدثنا سے تعبیر کریں گے اور اگر استاذ سنے اور شاگرد پڑھیں تو اس کو اخبرنا سے تعبیر کریں گے اور جہاں نہ استاذ قرأت کرے اور نہ شاگرد بلکہ صرف استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دے کر یا اوائل پڑھوا کر اجازت دیدے تو اس کو انبانا سے تعبیر کیا جائے گا تحدیث کے معنی آتے ہیں حدیث بیان کرنا اور اخبار اور انباء دونوں ہم معنی ہیں یعنی خبر دینا۔ ایک قاعدہ محدثین کے یہاں یہ ہے کہ ابتداء میں تو حدثنا جلی قلم سے لکھتے ہیں اور اس کے بعد جب دوبارہ لکھتے ہیں تو باریک لکھا کرتے ہیں تاکہ سند حدیث کے اندر ابتدا اور غیر ابتدا کا امتیاز ہو جائے۔ اسی طرح ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ دوسری مرتبہ حدثنا یا اخبرنا تحریر کرنے سے پہلے قال کو کتابۃً حذف کر دیتے ہیں اگرچہ وہ قرأتاً باقی رہتا ہے گویا تقدیری عبارت قال حدثنا قال اخبرنا ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرات محدثین حدثنا کے بجائے صرف ثنا اور اخبرنا کے بجائے صرف انا تحریر کرتے ہیں اور کبھی رنا سے تعبیر کرتے ہیں اور انبانا کو نبا سے تعبیر کرتے ہیں۔ متقدمین کی کتابوں میں یہ چیز بکثرت ملتی ہے یہاں پر ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولیٰ ہے یا برعکس بہتر ہے۔ حضرات محدثین کے یہاں استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اولیٰ ہے اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں استاد کا سننا اور شاگرد کا پڑھنا اولیٰ ہے محدثین اپنی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب شاگرد پڑھے گا تو بسا اوقات وہ غلط پڑھے گا اور ممکن ہے استاذ غافل ہو جائے تو سارے تلامذہ غلط ہی پڑھیں گے اور غلط ہی نقل کریں گے اور جب استاذ پڑھے گا تو صحیح پڑھے گا لہٰذا اس میں اعتبار اور اعتماد زیادہ ہے یہی رائے قدماء حضرات کی بھی ہے لیکن فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ غلطی ہر جگہ تو ہوتی نہیں۔ کہیں کہیں ہوتی ہے لہٰذا اگر استاد پڑھتا چلا جائے گا تو شاگردوں کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ یہ جگہ مزلۃ اقدام ہے لہٰذا جب شاگرد پڑھے گا اور استاد اس کو غلطی بتلائے گا تو تمام طلباء اس کو سنیں گے اور ضبط کرلیں گے لہٰذا صحت کے اعتبار سے یہی اولیٰ ہے۔ چنانچہ امام مالک اپنے فقیہ ہونے کی وجہ سے شاگردوں سے پڑھوایا کرتے تھے۔

الحمیدی:

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام نے اپنی کتاب میں جہاں بہت سی باریکیاں رکھی ہیں۔ ان میں مناسبت کے طور پر ایک

Maktaba Tul Ishaat. com

باریکی یہ ہے کہ سب سے پہلی حدیث حمیدی اور سفیان کی ذکر فرمائی جو مکی ہیں اور دوسری حدیث امام مالک کی ذکر فرمائی جو مدنی ہیں تو اس سے اشارہ کیا کہ وحی کی ابتدا مکہ سے ہوئی ہے اور اس کا پھیلاؤ مدینہ پاک میں ہوا۔

قال حدثنا سفیان

محدثین کے یہاں جو نام بغیر کسی کی طرف نسبت کے آئے تو وہ اعرف پر محمول کیا جاتا ہے لیکن بعض مرتبہ اس میں اشتباہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے یہاں اعرف ہمارے یہاں غیر اعرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے وسعت مطالعہ اور علمی معلومات کثیرہ کی بنا پر ان کو پہچانتے ہیں لیکن ہم ان سے کم واقف ہوتے ہیں اب اس حدیث کے اندر سفیان کا ذکر ہے اور سفیان دو ہیں اور دونوں مشہور ہیں۔

ایک سفیان بن عیینہ، دوسرے سفیان ثوری اب ان کو پہچاننے کی صورت یہ ہے کہ جہاں اونچے طبقے میں نام آتا ہے تو اس سے سفیان ثوری مراد ہوتے ہیں کیونکہ وہ اونچے طبقے کے ہیں۔ اور اگر سند میں نیچے کے درجہ میں سفیان آئیں تو اس سے سفیان بن عیینہ مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی سفیان عیینہ مراد ہیں۔ اس مقام پر شراح یہ تحریر کرتے ہیں کہ امام بخاری نے سند اول کے اندر تحدیث کے چاروں متداول طریقے درج کر دیئے ہیں۔ یعنی تحدیث، اخبار، سماع، عنعنہ۔ مگر مجھے اس سند میں عنعنہ نہیں ملا اس لئے میں یوں کہا کرتا ہوں کہ امام بخاری نے سند اول کے اندر تحدیث کے جو کثری صیغے ہیں ان کو جمع فرمادیا اور چونکہ عنعنہ تینوں کو عام اور شامل ہے اس لئے وہ بھی اس میں آگیا۔ ہاں البتہ شراح کی یہ رائے حافظ ابن حجر کے نسخے پر صادق آسکتی ہے کیونکہ ان کے نسخے میں **عن یحییٰ بن سعید الانصاری** ہے۔

الانصاری:

محدثین کے یہاں ایک اصطلاح ہے جو نحو والوں کی اصطلاح کے خلاف ہے وہ یہ کہ چند ناموں کے بعد جو کوئی صفت واقع ہو تو وہ نحو کے قاعدہ کے موافق اقرب نام کی صفت ہوتی ہے اور محدثین کے یہاں وہ اول نام کی صفت ہوگی جیسے مضاف اور مضاف الیہ کے بعد آنے والی صفت نحاۃ کے یہاں مضاف الیہ کی ہوگی لیکن محدثین کے یہاں مضاف کی ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے یہاں استاذ مقصود ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ باقی سند کی کڑی ذکر کرتے ہیں تو اس سند کے بعد جو صفت آئے گی تو اس کا موصوف وہی ہوگا جو متکلم کا مقصود ہے۔ درمیان کے اسماء تو تابع ہیں اور نحو والوں کے یہاں اعراب مقصود ہوتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نحو اور حدیث کے قاعدہ میں تعارض ہو جائے تو حدیث کی کتب میں حدیث کے قاعدہ کو ترجیح ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ روایت عزیز ہو یعنی اس کے ہر طبقے کے اندر کم از کم دو راوی ضرور موجود ہوں جیسا کہ تم نخبۃ میں پڑھ چکے ہو۔ لیکن بخاری کی یہ پہلی روایت ہی اس کے خلاف ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید کے نیچے نیچے تو یہ روایت مشہور کیا بلکہ متواتر ہے کیونکہ یحییٰ سے نقل کرنے والوں کی تعداد میں مختلف قول ہیں بعض نے دو سو بعض نے ڈھائی سو اور بعض نے سات سو تک شمار کرائے ہیں لیکن ان سے اوپر محمد بن ابراہیم تیمی اور علقمہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب چونکہ تنہا ہیں اس لئے اس اعتبار سے غریب ہے حافظ ابن حجر رواۃ کی اس تعداد کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اتنے نہیں ملے۔ حافظ اگرچہ حافظ ہیں مگر انہوں نے

Maktaba Tul Ishaat. com

ساری کتب احادیث کا احاطہ تو کیا نہیں ممکن ہے کہ ان کو نہ ملے ہوں کیونکہ حافظ سے پہلے بہت سی کتابیں ضائع بھی تو ہوئی ہیں۔ بہر حال یحییٰ ابن سعید الانصاری تک تو یہ روایت غریب ہے ہر راوی ایک دوسرے سے متفرد ہے حتی کہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک ﷺ سے سننے میں متفرد ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ :

یہاں یہ بات غور سے سنو کہ تین چیزیں ہیں ایک صَلٰوۃ وسلام دوسرے ترضیؔ (رضی اللہ عنہ کہنا) تیسرے رَحْمَةُ اللهِ علیه اس میں اختلاف ہے کہ ان کا استعمال ہر ایک پر جائز ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر ایک پر ان جملوں کو استعمال کر سکتے ہیں باقی ائمہ ثلثہ کے یہاں صلوۃ وسلام کا استعمال حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ بعض دعائیں اگرچہ لغت کے اعتبار سے عام ہوتی ہیں لیکن عرف میں وہ خاص ہو جاتی ہیں۔ اسی قاعدہ کے تحت علماء کی رائے یہ ہے کہ صلوۃ وسلام حضور پاک ﷺ کے ساتھ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا حضرات صحابہ کے ساتھ کہنا اور رحمۃ اللہ علیہ غیر صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ وغیرہ پر محمول کرنے میں زیادہ اشکال نہیں البتہ بے ادبی میں شمار ہوگا۔

علی المنبر :

حضور اقدس ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں منبر نہیں تھا بلکہ ۵ھ یا ۶ھ میں بنا ہے جیسا کہ آگے آوے گا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو جو منبر پر پڑھا ہے وہ اہمیت کی وجہ سے پڑھا ہے۔

انما الاعمال بالنیات:

یہ حدیث اپنے ظاہر پر کسی کے یہاں بھی نہیں اس لئے کہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اعمال کا وجود نیت سے ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ چھت پر سے گرنے والا گرنے کی نیت نہیں کرتا۔ ایسے ہی ٹھوکر کھانے والا ٹھوکر کھانے کی نیت نہیں کرتا۔ لہٰذا تقدیری عبارت ماننا ضروری ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ صِحَّةُ الاعمال مقدر مانتے ہیں اور حضرات احناف ثَوَابُ الاَعْمَال مقدر مانتے ہیں اس قسم کی تقدیریں اجتہاد سے نکالی جاتی ہیں اور ائمہ کے یہاں احادیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا مبنی اور مناط متعین کرنے کے اندر اختلاف ہوا ہی کرتا ہے۔ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ طہارت من الانجاس میں نیت شرط نہیں ہے۔ اگر کپڑے پر پیشاب لگ جائے اور سمندر میں پڑ جائے اور بغیر نیت طہارت کے نکال لیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔

شافعیہ نے الزام دیا کہ پھر تیمم میں کیوں نیت شرط قرار دیتے ہو؟ حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ لفظ تیمم خود نیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ یم کے معنی لغت میں قصد کرنا ہے اور نیز تیمم طہارت کے اندر اصل نہیں ہے بلکہ خلیفہ اور تابع ہے اس لئے نیت کرنی پڑے گی سبب ورود حدیث بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جو حنفیہ کہتے ہیں کہ ثواب عمل نیت پر موقوف ہے نہ کہ صحت عمل یہاں حدیث میں ثواب مراد ہے کیونکہ مصنف کا مقصود اس جگہ یہ حدیث بیان کرنے سے نیک نیتی پر متنبہ کرنا ہے۔ دوسرا کلام اس حدیث پر یہ ہے کہ انـمـا الاعـمـال بـالـنـيـات فرمایا نیت اور عمل دونوں کو جمع لائے۔ اس کے اندر مقابلۃ الجمع بالجمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام آحاد علی الاحاد کو متقاضی ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ ہر ہر عمل کے واسطے الگ الگ ایک نیت ہوگی یعنی ایک عمل کے ساتھ ایک نیت ہوگی۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مقصد یہ ہے کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہوسکتی ہیں مثلا کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے اس نیت سے کہ نماز پڑھے۔ تو اگر کسی صالح شخص سے ملنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کرنے کی نیت کرے تو ہر ایک نیت کا ثواب الگ الگ ملے گا۔ اس معنی ثانی کے اندر لطافت ہے۔ تیسرا کلام انما لکل امرأی مانوی پر ہے کہ یہ جملہ جملۂ اولی ہی کی تاکید ہے یا تاسیس ہے اس کے اندر دونوں قول ہیں اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۂ اول ہی کی تاکید ہے یعنی جو پہلے جملہ کا مطلب ہے وہی اس جملہ کا بھی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تاکید پر کلام کو اس وقت حمل کرتے ہیں جب کہ تاسیس ممکن نہ ہو لیکن یہاں تاسیس پر کلام کو حمل کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ پہلے جملہ (انما الاعمال بالنیات) کے اندر تو شارع علیہ السلام نے یہ بتادیا کہ عمل کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے اور اس جملہ سے یہ بتلا رہے ہیں کہ جو کام کرے گا اس پر وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو۔ مثلا کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے کسی غرض فاسد یا کسی دوست سے ملنے کی وجہ سے تو اس کا مسجد میں جانا سبب عذاب ہوگا۔

رفتم بسوئے مسجد بینم جمال یار
دستش دراز کردہ دعا را بہانہ ساخت

چکی کا پاٹ یہاں یہ ہے کہ اگر کلام کو تاسیس پر حمل کرنا ہے تو جو معنی اس جملۂ ثانی کے بیان کئے ہیں وہ تو پہلے ہی جملہ سے معلوم ہوگئے کیونکہ جب پہلے جملے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اعمال کا وجود شرعی نیت پر موقوف ہے تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر اس نے نیت فاسدہ کی ہے تو اس کا وجود بھی فاسد مرتب ہوگا لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اس جملہ ثانیہ سے تعدد منوی کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ایک عمل کے ساتھ مختلف نیات متعلق ہوسکتی ہیں، صاحب مظاہر حق نے اس کی ایک لمبی چوڑی مثال دی ہے کہ اگر کوئی مسجد جارہا ہو راستہ میں کسی بزرگ کے پاس بیٹھنے کی نیت کرے اور کسی کی مدد کی نیت کرے ایسے ہی کسی مریض کی عیادت کی نیت کرے وغیرہ ذالک تو ان سب پر الگ الگ ثواب ملے گا۔

یہاں اس جملہ پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جو نیت کرے گا وہی مرتب ہوگا حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رمضان میں نفلی روزے کی نیت کرے تو نفل نہیں واقع ہوگا بلکہ فرض واقع ہوگا۔ تو یہاں پر مانوی مرتب نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان چونکہ نفل کا محل نہیں ہے لہٰذا اس کی نیت نفل لغو ہوجائے گی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرض کے اندر نفل خود داخل ہے گویا فرض عبادت نافلہ مع شیٔ زائد ہے تو اس صورت میں مانوی مرتب ہوا لیکن مع شیٔ زائد۔

یہ روایت بخاری شریف میں سات جگہ مذکور ہے ایک جگہ نیات جمع کا صیغہ مذکور ہے باقی چھ (۱) مقامات پر مفرد کا صیغہ ہے جہاں جمع کا صیغہ ہے وہاں پر تو تعدد منوی کا لحاظ فرمایا گیا اور جہاں مفرد کا صیغہ لائے ہیں وہ اس وجہ سے کہ نیت فعل قلب ہے اور قلب ایک ہی ہے اس لئے وہاں پر مفرد کا صیغہ ذکر کردیا۔

---

(۱) بقیہ چھ مواقع بخاری کے ان صفحات میں تلاش کیجئے ص ۱۰۲۸، ۹۹۰، ۷۵۹، ۵۵۱، ۳۴۳، ۱۳ شاھد غفرلہ۔

Maktaba Tul Ishaat. com

فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها:

امام بخاری نے یہاں پر پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث جو مختصر کی ہے وہ کس نے کی ہے بعض کہتے ہیں امام بخاری نے کی ہے اور بعض کہتے ہیں ان کے اساتذہ نے کی ہے۔ بہر حال کسی نے بھی اختصار کیا ہو یہ حدیث پوری نہیں ہے۔ بلکہ پوری حدیث یہ ہے: **انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرأ مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها اوالی امرأة ینکحها فهجرته الی ماهاجر الیه .**

یہاں پر امام بخاری نے جملہ **فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله** کو چھوڑ دیا۔ شراح نے تو اس سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن اب سے تیسرے سال پہلے جب مدینہ پاک حاضری ہوئی تو وہاں حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر جگہ تو پوری حدیث مذکور ہے سوائے یہاں کے کہ یہاں پوری حدیث ذکر نہیں فرمائی تو میں نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اولی ہے اور جملہ **ومن کانت هجرته الی دنیا** کے اندر دفع مضرت کی جارہی ہے اور مصنف کا مقصود بھی یہی ہے کہ لوگوں کے اندر نیک نیتی ہونی چاہئے یہ نہ سوچے کہ پڑھ کر دنیا کماؤں گا۔

میرے پیارو! یہ علم اس لئے نہیں کہ اس سے دنیا کمائی جائے اگر تم دنیا سے منہ موڑ لوتو یہ خود تمہارے قدموں میں آپڑے گی کیونکہ اللہ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

ایک قصہ سنو وہ یہ کہ ایک مسافر تھا کئی دن کا بھوکا۔ وہ ایک جنگل میں مسجد میں پہنچا وہاں دیکھا کہ تین کونوں میں ایک ایک آدمی گردن جھکائے بیٹھے ہیں اس کو ڈھارس ہوئی۔ یہ بھی ایک کونے میں جا بیٹھا۔ اتنے میں ایک نوجوان خوبصورت لڑکی خوان لے کر آئی۔ یہ اس کو دیکھنے لگا۔ اولاً وہ ان تینوں میں سے ایک کے پاس آئی اور کہا کہ حضرت کھانا حاضر ہے۔ کئی دفعہ کہنے کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اس نے فوراً ایک خوانچی میں سے ایک خالی طشتری اور تھوڑا سا پانی نکال کر ان کے ہاتھ دھلائے اور دستر خوان بچھا کر عمدہ بریانی کی ایک بڑی پلیٹ رکھ دی۔ انہوں نے اس میں سے کچھ کھا کر باقی چھوڑ دیا۔ کھانے کے درمیان جب کوئی ہڈی نکلتی تو وہ آدمی اس کے منہ پر مارتے۔ یہی قصہ دوسرے اور تیسرے آدمی کے سامنے بھی پیش آیا۔ اور یہی صورت وہاں بھی ہوئی۔ اس کے بعد اس لڑکی نے تینوں رکابیوں کے بچے ہوئے کھانے کو ایک جگہ کیا اور اس کے پاس لائی۔ یہ تو منتظر ہی تھا کھانا شروع کر دیا اور جب اس کے یہاں بھی ہڈی نکلی تو یہ سوچ کر کہ شاید یہاں کا یہی دستور ہے کہ ہڈی منہ پر مارتے ہیں اس نے بھی ماردی۔ اس عورت نے ایک تھپڑ مارا اور کہا اگر کھانا ہو تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔ اس آدمی نے کہا ابھی تو ان لوگوں نے یوں ہی ہڈی ماری تھی میں یہ سمجھا کہ یہاں کا یہی دستور ہے۔ اس عورت نے کہا تو نہیں جانتا میں کون ہوں؟ میں دنیا ہوں اور یہ لوگ مجھ سے روٹھے ہوئے ہیں ان کو منا رہی ہوں اور تو، تو میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

تو پیارو! اگر دنیا کو چھوڑ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرو مگر توکل کے یہ معنی نہیں کہ دل میں تو کچھ ہو اور بظاہر توکل ہو بلکہ واقعی توکل کر دیکھو۔

ایک آدمی کہیں گاؤں میں ایک مسجد میں پہنچا وہاں کے امام نے شام کو کھانے پر بلایا۔ اس نے پوچھا کیا چیز ہے؟ مساجد کے امام سخت مزاج تو ہوتے ہی ہیں کہنے لگا یہ ہے وہ ہے فلاں فلاں چیز ہے مختلف قسم کی روٹیوں اور ترکاریوں کا نام لیا۔ اس آدمی نے کہا بس تم کھاؤ یہ سب میرے مطلب کا نہیں میں تو مرغ پلاؤ کھاتا ہوں۔ امام کو غصہ آیا اور اس نے خوب طعن و تشنیع کی۔ جب مسجد کا دروازہ بند

Maktaba Tul Ishaat. com

کر کے امام سو گیا یہ آدمی بھی ایک طرف لیٹ گیا بارہ بجے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ امام کو بڑا غصہ آیا کہ کوئی تعویذ والا یا جھاڑ پھونک والا ہوگا۔ اٹھ کر دیکھا تو ایک عورت طباق میں پلاؤ لئے کھڑی تھی۔ اور بڑی منت سے کہہ رہی تھی کہ ملاجی یہ مرغ پلاؤ ہے اسے لے لو میرا بچہ چھ ماہ سے کھویا ہوا تھا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آ گیا تو مسجد میں مرغ پلاؤ بھیجوں گی وہ آج دوپہر کو آ گیا میں پکانا نہیں جانتی تھی پہلے مرغ تلاش کیا پھر فلاں سے پکوایا اس لئے دیر ہوگئی۔ امام صاحب یہ سن کر ششدر رہ گئے۔ امام صاحب نے طباق لے کر دروازہ بند کیا اور اس آدمی کے پاس آئے۔ ادھر اس شخص نے خراٹے بھرنے شروع کر دیئے۔ امام نے بڑی دیر میں اس کو جگایا کہ تیری غذا آ گئی۔ اس آدمی کہا تم بھی آ جاؤ۔ امام نے کہا کہ میں کس منہ سے آؤں ابھی تو میں نے تم کو ملامت کی تھی۔ اس نے کہا کہ میں سارا تو کھانے کا نہیں اور کل کے لئے بچا کر رکھنے کا نہیں تم کو باسی کھانی ہوگی (اچھا یہ ہے) کہ ابھی کھالو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تو یہ دنیا خود بخود آتی ہے۔

او الی امرأة ینکحها:

یہاں پر امرأة ینکحھا تخصیص بعد التعمیم ہے کیونکہ عورت بہت زیادہ محل فتنہ ہے اس لئے اس کی تخصیص فرمادی کیونکہ انسان زنا وغیرہ کے اندر اسی کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ ایک بات اس حدیث کے متعلق یہ سنو کہ جیسے آیات کا شان نزول ہوتا ہے ایسے ہی احادیث کا بھی شان ورود ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کا بھی شان ورود احادیث میں ملتا ہے لیکن وہ صحاح کتابوں میں نہیں ملتا بلکہ طبرانی وغیرہ میں ملتا ہے کہ ایک آدمی نے ام قیس نامی عورت سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اس شرط پر نکاح کر سکتی ہوں کہ تم ہجرت کرلو چنانچہ انہوں نے اسی بنا پر ہجرت کی۔ اسی وجہ سے ان کو مہاجر ام قیس کہنے لگے۔ شراح فرماتے ہیں کہ ان صحابی کا نام معلوم نہیں ہو سکا مگر میری رائے یہ ہے کہ قصداً ان کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تا کہ ایک صحابی اس خاص بات کے ساتھ بالتعیین مشہور نہ ہوں البتہ ان صحابی کو صرف مہاجر ام قیس کہا جاتا ہے۔

فهجرته الی ماهاجر الیه:

ہجرت جس طرح یہ ہے کہ ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرا وطن اختیار کیا جائے اسی طرح ہجرت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معاصی سے اجتناب کیا جائے اسی کو حدیث پاک میں المھاجر من ھجر مانھی اللہ عنه ورسوله کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ یہ حدیث امام ابوداؤد کے مختارات اربعہ میں سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سے اپنی کتاب منتخب کی ہے اور پھر ان میں سے چار حدیثیں انتخاب کی ہیں۔ ایک انما الاعمال بالنیات دوسری لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه اور تیسری من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه اور چوتھی الحلال بین والحرام بین ،

یہ چاروں احادیث اصول دین میں سے ہیں۔ بعینہ یہی چار احادیث امام ابوحنیفہ کی وصایا میں ان کے مختارات سے لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ ایک حدیث اور امام صاحب نے اختیار کی ہے یعنی المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده چونکہ اس حدیث کا مضمون لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه میں آ گیا اس لئے امام ابوداؤد نے اس کو چھوڑ دیا مگر حضرت امام صاحب نے غایت اہتمام کی وجہ سے اسے بھی شمار فرمالیا۔ کیونکہ عالم کے اندر آج کل جو آئے دن لڑائیاں رہتی ہیں اس کی

Maktaba Tul Ishaat. com

وجہ یہی ہے کہ کوئی کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں رکھتا۔ اگر ہم لوگ تعرض کرنا ہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی پیش نہ آئے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ چار احادیث اصول دین میں سے کیونکر ہیں؟ اس کی وجہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ انما الاعمال بالنیات میں تصحیح عبادات و اعمال آگئے۔ اور حدیث ثانی لایؤمن الخ میں حقوق العباد آگئے اور حدیث ثالث من حسن اسلام المرء کے اندر اوقات کا تحفظ آگیا اور چوتھی حدیث الحلال بین میں تقوی (۱) آگیا اور یہی سارے اصول دین ہیں۔

اب یہ کہ اس حدیث پاک کو ترجمۃ الباب سے کیا مناسبت ہے؟ کیونکہ اس کے اندر نہ تو وحی کا ذکر ہے اور نہ بدأت وحی کا۔ اس کے علماء نے چند جوابات دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام صاحب نے بمنزلۂ خطبہ کے ذکر فرمائی ہے۔ خطبہ کے اندر وہ مضامین ذکر کئے جاتے ہیں جو مضامین کتاب کی طرف مشیر ہوں اور چونکہ یہ حدیث جوامع احادیث میں سے ہے اس لئے اس کو بمنزلہ خطبہ قرار دیا یا اس وجہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر خطبہ میں ذکر فرمایا تھا۔ یہی اس کے اندر بھی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس حدیث سے اپنے حسن نیت کی طرف بطور تحدیث بالنعمۃ کے اشارہ فرمایا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اخلاص سے لکھا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ابتداء ذکر فرما کر تحسین نیت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور کتاب پڑھنے والوں کو اس طرف رغبت دلائی کہ وہ اپنی نیات کو درست کریں مگر ان تینوں جوابوں پر اعتراض یہ ہے کہ ان میں سے اگر کوئی ایک بھی مقصود ہوتا تو باب سے پہلے ذکر فرماتے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض نے ایک چوتھا جواب یہ دیا کہ یہ حدیث حضور ﷺ نے مدینے میں سب سے پہلے ہی بیان کر دی تھی اور باب بدؤ الوحی ہے لہٰذا مدینہ کی وحی کی ابتدا ہو گئی۔

اسی نوع کا ایک جواب یہ بھی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے پہلے راوی یعنی حمیدی اور ان کے استاذ سفیان بن عیینہ مکی ہیں اور دوسری سند کے راوی امام مالک مدنی ہیں تو مصنف نے اس سے اشارہ فرمادیا کہ ابتداء مکہ مکرمہ سے ہوئی اور انتہاء مدینہ منورہ میں ہوئی لہٰذا اس سے ابتدائے نزول وحی معلوم ہو گیا اور علامہ عینی نے قاعدہ کلیہ بیان فرمایا تھا کہ حدیث کا باب کے کسی جز سے منطبق ہو جانا کافی ہے اور یہاں وحی سے انطباق ہو رہا ہے کیونکہ یہ احادیث وحی ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدؤ کی اضافت وحی کی طرف بیانی ہے اور مقصود ابتداء امر جو کہ وہ وحی ہے یعنی ابتدائے دین کو بیان کرنا ہے انکے نزدیک بھی کوئی اشکال نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ حدیث بھی وحی کی اقسام میں سے ہے اور وحی کو ہی بیان کرنا مقصود ہے۔

حضرت اقدس شیخ الہند یہ بیان فرماتے ہیں کہ اصول تراجم میں سے ایک اصول یہ ہے کہ امام بخاری جو ترجمہ باندھتے ہیں گا ہے اس کا مدلول مطابقی مقصود نہیں ہوتا بلکہ معنی التزامی اور ثابت بالالتزام مقصود ہوتا ہے تو یہاں نہ ابتداء مقصود ہے اور نہ وحی مقصود ہے بلکہ بدلالت التزامیہ وحی کی عظمت بیان کرنا ہے کہ انا او حینا یعنی ہم نے وحی بھیجی ہے کسی معمولی ذات نے وحی نہیں بھیجی کہ عظمت و تقدس میں کچھ قصور ہو۔ تو یہاں امام بخاری نے یہ حدیث لا کر اشارہ فرمایا کہ اتنی عظیم الشان وحی کا نزول جو ہوا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی حسن نیت پر ہوا ہے۔

حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک:

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حمیدی مکی ہیں اور مالک مدنی ہیں اس ترتیب سے دونوں روایتیں ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ وحی کی ابتدا مکہ

(۱) یعنی جہاں کسی مسئلہ میں ائمہ میں اختلاف ہو تو جانب احوط اختیار کرے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

میں ہوئی اور اس کا پھیلاؤ مدینہ میں ہوا۔

عن عائشة ام المؤمنين رضي الله عنها:

تمام ازواج مطہرات آیت قرآنی وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کی بناء پر امہات المومنین ہیں لیکن یہاں پہلا اشکال یہ ہے کہ جب یہ امہات المومنین ہیں تو ان سے پردہ کیوں ہے؟ دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان کی اولاد سے دوسرے مومنین کو نکاح کرنا کیسے جائز ہے؟ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ امہات المومنین ہیں لیکن ان سے جو پردہ کیا جاتا ہے وہ بھی نص قرآنی فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کی بناء پر ہے رہا نکاح کا تعلق تو چونکہ یہ امہات کے حکم میں ہیں حقیقی امہات نہیں ہیں بلکہ باعتبار تعظیم وتوقیر کے ہیں اس لئے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ امہات باعتبار ادب کے ہیں نہ کہ باعتبار نسب کے۔ اس پر بعض نے یہ اعتراض کیا کہ پھر ان سے نکاح کیوں جائز نہیں؟ میں نے ایک چلتا سا جواب دے دیا کہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر اطہر کے اندر زندہ ہیں اور جب زندہ ہیں تو نکاح باقی ہے اور کسی منکوحہ سے دوسرے کو نکاح کرنا جائز نہیں اور اس کا واقعی جواب یہ ہے کہ خود قرآن میں ہے وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اصل حرمت نکاح اس آیت کی بناء پر ہے۔ اس حرمت کی علت کیا ہے؟ وہ کچھ ہو ممکن ہے کہ یہی حضور کی حیات ہو یا کچھ اور۔

كيف ياتيک الوحي:

یہاں پر دو اشکال ہیں ایک تو یہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کر دیا کہ وحی کے مشہور طریقے سات ہیں اگرچہ میرے نزدیک چار ہی ہیں لیکن حدیث کے اندر دو ہی کو ذکر فرمایا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث کے اندر اتیان وحی کا ذکر ہے اور یہ بدؤ الوحی سے اعم ہے لہٰذا ترجمہ کیسے ثابت ہوا؟ اول کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہی دو طریقے کثیر الوقوع ہیں اس لئے اعم واغلب کے بیان پر اکتفا کر لیا نہ یہ کہ انہی کے اندر انحصار طرق وحی ہے اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب اعم اغلب طرق وحی دو ہیں تو انہی میں سے کسی ایک میں بدأت بھی ہوتی ہوگی۔

مثل صلصلة الجرس:

صلصلة کہتے ہیں زنجیر کا لوہے پر کھینچنا اور جرس ڈھول کو کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ شدت اور سختی کے اعتبار سے ایسی آواز ہوتی تھی جیسے ڈھول پر زنجیر کھینچی جائے ایک دوسری روایت میں سلسلہ سین کے ساتھ بھی واقع ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔ اب یہ کہ یہ آواز کیسی ہے اور کیا چیز ہے اس کے اندر چھ قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے کلام نفسی کی اپنی اصلی آواز ہوتی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موحی بہ میں تخلیق صوت ہوتی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اصل آواز ہوتی تھی اور جب وہ شکل انسانی میں آتے تھے تو اس وقت انسانی آواز ہوا کرتی تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مشہور قاعدہ ہے وہ یہ کہ جب کوئی شے کسی دوسرے کا زی (ہیئت) اختیار کرتی ہے تو اس شے کے اوصاف خود اس میں آجاتے ہیں چنانچہ اگر جن چاہے تو تم کو اٹھا کر پھینک دے اور وہی جن جب سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو ایک ہی لاٹھی میں مر جاتا ہے۔ بہر حال جبرئیل علیہ السلام جب اپنی شکل میں ہوتے ہیں تو ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے کہ رعد کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فرشتے کی آواز ہے یہاں یہ بات سنو کہ اگر بجلی کڑکے اور کوئی شخص آیت کریمہ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ پڑھے تو وہ آدمی نہ صرف بجلی سے محفوظ رہتا ہے بلکہ جس

Maktaba Tul Ishaat. com

مکان وغیرہ میں کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے گا تو وہ بھی بجلی کی زد سے محفوظ رہے گا۔ میری بچی (۱) جو اس وقت صاحب زوج ہو چکی ہے جب وہ تین سال کی تھی تو دروازہ پر کھڑی تھی کہ ایک دم بجلی کڑکی مولوی نصیر الدین دروازہ پر تھے اس نے پوچھا کہ مولوی صاحب اس وقت کونسی دعا پڑھتے ہیں۔ وہ منہ دیکھنے لگے۔ اس نے کہا میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ تم جلدی سے بتلا دوگے اچھا اب میں تم کو بتلاؤں وہ دعا یہ ہے وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے کی یہ آواز ہوتی جیسے کہ ریل کے آنے کی آواز دور سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے پروں کی آواز ہوا کرتی تھی علماء اس کو اصح الاقوال بتلاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اذا قضى الله في السماء امرا ضربت الملائكة باجنحتها خضعانا لقوله كانها سلسلة على صفوان.

چھٹا قول حضرت شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس مبارکہ وحی کے وقت اس عالم کی اشیاء سے معطل ہو کر دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جایا کرتے تھے اور اس تعطل کے بعد حواس میں جو ایک کیفیت پیدا ہوتی تھی یہ اس کی تعبیر ہے جیسے تم کانوں کو خوب بند کرلو تو تم کو ایک آواز سنائی دے گی کیونکہ تم باہر کی آواز سے بالکل منقطع ہو چکے ہو اور جب یہ انقطاع ختم ہو جائے گا اور انگلی ہٹاؤ گے تو پھر وہ آواز بھی ختم ہو جائے گی۔ ان تمام اقوال میں میرے (۲) نزدیک اول قول صحیح ہے۔

وهو اشده علي:

زیادہ شدید ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ تعطل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر جبرئیل اپنی اصل شکل میں آکر کلام فرمائیں تو اس آواز سے قرآن کا اخذ کرنا بڑا مشکل ہے بہ نسبت اس کے کہ حضرت جبرئیل شکل انسانی میں آکر کلام فرمائیں۔ ان دونوں وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ شدت معلوم ہوتی تھی۔

فيفصم عني:

یہ لفظ تین طرح سے ضبط کیا گیا ہے باب افعال سے علی بناء الفاعل۔ دوسرے مجرد سے بھی علی بناء الفاعل۔ تیسرے علی بناء المفعول۔ باب ضرب یضرب سے یہاں اس سے مراد ہٹانا اور ازالہ کرنا ہے۔

واحيانا يتمثل لي الملك رجلا:

یہ رجلا روایات کے اندر نصب ہی کے ساتھ آتا ہے۔ مگر وجہ نصب کیا ہے؟ اس کے اندر چند اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے اور تقدیری عبارت ہے يتمثل لي الملك تمثل رجل مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا اعراب دے کر مضاف کے قائم مقام بنا دیا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی يتمثل لي الملك برجل اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حال ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے يتمثل لي الملك حال كونه رجلا. علماء نے لکھا ہے کہ جبرئیل

---

(۱) یاد رہے کہ وہ بچی راقم سطور (مرتب) ہی کی والدہ ماجدہ ہیں۔ شاہد

(۲) اس لئے کہ باری تعالیٰ کا صوت سے تکلم کرنا روایات میں مصرح ہے امام بخاری کا میلان بھی کتاب التوحید میں اسی طرف ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

علیہ السلام اکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آیا کرتے تھے حسن ظاہری کی بنا پر کیونکہ حضرت دحیہ حسین وجمیل بہت تھے۔(۱)

قالت عائشة رضى الله عنها :

یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وھو اشدہ علی کی توضیح اور تبیین فرمارہی ہیں کہ وہ نوع اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی سخت گزرتی تھی کہ سردی کے سخت زمانے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسینہ پسینہ ہوجایا کرتے تھے۔اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ یہاں پر وحی کے دو طریقے مذکور ہیں ان میں سے ایک طریق ابتداء وحی کا ضرور ہوگا۔ جیسا کہ ابھی گزر گیا۔ اور علامہ عینی کے نزدیک تو مناسبت بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس کے اندر وحی کا ذکر ہے۔

حدثنا یحی بن بکر:

یہی ایک حدیث ایسی ہے جس کو ابتداء وحی سے بظاہر مناسبت ہے اور کیفیت مذکور ہے ورنہ بقیہ احادیث باب کے اندر ترجمہ سے مناسبت تکلف سے کرنی پڑتی ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها:

اس روایت پر اشکال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعمر شش سال کی ہوئی۔اب خواہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہو یا ہجرت والے سال اس سے ہمیں بحث نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہی کہاں ہوئی تھیں جو یہ حدیث بیان کررہی ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا اور اگر یہ مان لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سن کر بیان فرمارہی ہیں۔بس اتنا فرق ہے کہ اول صورت میں یہ حدیث متصل ہوگی اور دوسری صورت میں اس کو مرسلات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے شمار کیا جائے گا اور مرسلات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

الرؤيا الصالحة:

میں بتلا چکا ہوں کہ وحی کی چھیالیس قسمیں ہیں ان میں سے ایک رویاء صالحہ بھی ہے اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس کو وحی میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ نبوت اور وحی کا سلسلہ تو غار حرا سے شروع ہوا ہے۔اور خوابوں کا سلسلہ نبوت سے چھ ماہ قبل ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نصوص سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی میں داخل ہیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ یہ نوع اول ہے جو پہلے سے شروع ہوگئی تھی اور دوسری نوع وحی کی غار حرا سے شروع ہوئی۔یا یوں کہا جائے گا کہ رویاء صالحہ کی حیثیت مقدمہ کی سی ہے اور حقیقی وحی وہ ہے جس کا سلسلہ غار حرا سے شروع ہوا۔

الاجاء ت مثل فلق الصبح:

---

(۱) بعض تقاریر میں یہاں یہ اضافہ ہے کہ تم ماقبل میں پڑھ چکے ہو کہ وحی کی سات قسمیں ہیں لیکن اسی حدیث کے اندر ان میں سے صرف دو مذکور ہیں ایک نوع مثل صلصلة الجرس دوسری نوع واحیانا یتمثل لی الملک ان دو پر اکتفا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول نوع اشد اور سخت اور اعلیٰ نوع ہے اور نوع ثانی بکثرت واقع ہوتی تھی تو اول کو اہمیت کی وجہ سے اور دوسری کو کثرت وقوع کی وجہ سے ذکر کردیا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

یعنی جیسے خواب دیکھتے تھے ویسا ہی پیش آتا تھا چونکہ ان رویائے صالحہ کی وجہ سے ایک جلاء باطنی اور ایک نور پیدا ہو گیا تھا اس لئے دنیا کی کدورتوں سے طبیعت متنفر ہو گئی تھی پھر کیا تھا وہ ہوا جو آگے آرہا ہے کہ خلوت سے محبت ہو گئی۔

ثم حبب اليه الخلا:

صوفیاء کا کہنا ہے کہ جب ذکر کے آثار شروع ہوتے ہیں تو آدمی کو خلوت بہت پسند ہوتی ہے اس کا ماخذ حدیث پاک کا یہی جملہ ہے۔

فيتحنث فيه:

تحنث تفعل کے وزن پر حنث سے مشتق ہے حنث کے معنی گناہ کے آتے ہیں لیکن چونکہ باب تفعل کے جہاں اور خواص ہیں ایک خاصیت سلب ماخذ بھی ہے جس طرح باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے تو جب حنث کو باب تفعل میں لائے تو اس کا ماخذ یعنی حنث کے معنی جو گناہ کے تھے وہ مسلوب ہو گئے۔ اب سلب الحنث کے لئے تعبد ضروری ہو گیا۔ تو تحنث کی تفسیر تعبد کے ساتھ تفسیر باللازم کے طور پر کر دی یہ ابن شہاب زہری کی طرف سے ادراج ہے کہ وہ تحنث کی تفسیر کر رہے ہیں۔

یہ نیچری اور مودودی قسم کے لوگ خانقاہوں میں بیٹھنے کو شریعت کے خلاف اور چلہ کشی کو لا رهبانية في الاسلام کے خلاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ بھلا جب سید المرسلین ﷺ کو خلوت کی ضرورت پیش آئی جن کا سینہ اطہر بالکل صاف تھا تو ہم بیچارے کیا ہیں اور ہماری کیا حیثیت ہے اور یہی نہیں کہ آپ ﷺ خلوت میں نبوت کے ملنے سے قبل ہی بیٹھا کرتے تھے بلکہ نبوت ملنے کے بعد بھی آپ ﷺ کا خلوتوں میں رہنا اور جنگلوں میں قیام فرمانا ثابت ہے اور دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد شریف کی باب الهجرت (۱) میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ کو اونٹنی دی اور فرمایا کہ اس پر سامان وغیرہ باندھ دو پھر آپ ﷺ جنگل میں دو، دو، تین تین دن کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ اس سے تبتل حاصل ہوتا ہے اور اختلاط سے جو اثر دل پر پڑتا ہے وہ دور ہو جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو لکھا کہ ''جی چاہتا ہے کہ خلوت اختیار کرلوں۔'' حضرت گنگوہی نے اس کا جواب یہ دیا ''یہ ہمارے اکابر کا طریقہ نہیں ہے''۔ اس جواب سے یہ سمجھ لینا کہ تبتل اختیار کرنا اکابر کا طریقہ نہیں یہ غلط ہے بلکہ حضرت گنگوہی کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بالکلیہ تبتل اختیار کرے اور ان مدارس وخوانق کو چھوڑ دیا جائے یہ ہمارے سلف کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر شریعت پر رہتے ہوئے عوائق دنیا سے اپنے قلب کو فارغ کرنے کے لئے خلوت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی متعدد تصانیف میں مختلف عبارات کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن پر مجھے مجبور کیا گیا منجملہ ان کے یہ ہے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ کسی کی تقلید نہ کروں لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ تقلید تو کرنی ہی پڑے گی چاہے کسی کی کرو۔

چونکہ حضرت شاہ صاحب کو خلاف طبع تقلید پر مجبور کیا گیا ہے اسی وجہ سے کہیں کہیں ان کی زبان سے خلاف تقلید بات نکل جاتی ہے۔

---

(۱) عن المقدام بن شريح عن ابيه قال سالت عائشة عن البداوة فقالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبدو لى هذه الطلاع وانه اراد البداوة مرة فارسل الى ناقة محرمة من ابل الصدقة فقال ياعائشة لرفقى فان الرفق لم يكن فى شيئ قط الا زانه ولانزع من شى قط الاشانه ابوداود بذل ۲/۳ ۱۹۲

Maktaba Tul Ishaat. com

مگر چونکہ اجبار ہے اس لئے جلدی سنبھل جاتے ہیں۔ اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہندوستان میں بلا تقلید حنفیہ چارہ ہی نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ توکل اختیار کروں ترک اسباب کے ساتھ یا اسباب کے ساتھ، یہ یہاں کی بحث نہیں آگے آئے گی اور اسی طرح میرا جی چاہتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا قائل ہو جاؤں کیونکہ وہ بچپن میں اسلام لائے اور اسلام کے اندر ان کی نشوونما ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ حضور ﷺ کے نسب میں اتنے قریب ہیں کہ چچازاد بھائی ہیں اور صوفیا کے سارے سلاسل تقریبا انہی سے ملتے ہیں۔ بخلاف حضرات شیخین کے کہ ان کی زندگی کا ایک حصہ کفر میں گزرا ہے اور حضور ﷺ کے نسب میں بھی وہ اتنے قریب نہیں لیکن مجھے اس پر مجبور کیا گیا کہ میں حضرات شیخین کی افضلیت کا قائل رہوں اور جب میں نے وجہ دریافت کی تو بتلایا گیا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری ظاہری شریعت کا تحفظ ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باطنی شریعت کا اور ظاہر مقدم ہوتا ہے باطن پر۔ یہی وجہ ہے کہ ظاہر شریعت کے جو کام ہیں ان کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور یہی مطلب حضرت گنگوہی کے فرمان کا بھی ہے کہ ظاہر شریعت کے پابند بنے رہو یہ نہیں کہ درس وافتاء کو چھوڑ کر بالکل گوشہ نشین بن جاؤ۔ بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بزرگوں کا یہ چلہ بھی اسی سے ماخوذ ہے اور اس کا اصل ماخذ تو قرآن پاک کی آیت وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ہے کیونکہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی چلہ گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا ماخذ کتاب القدر کی وہ روایت ہے جس میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن منی کا قطرہ نطفہ کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس دن بعد علقہ اور پھر چالیس دن بعد مضغہ بنتا ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اربعینہ کو احوال کے تغیر میں بہت دخل ہے اور میرا تو یہ بھی خیال ہے کہ تبلیغ والوں کے یہ تین چلے اسی حدیث سے ماخوذ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی عبادت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب ابھی تک نبوت ہی نہیں ملی تو عبادت کس چیز کی کیا کرتے تھے؟ اس کا جواب عام طور پر یہ دیا جاتا ہے کہ ملت ابراہیمی کے کچھ آثار اس وقت باقی تھے اور اسی کو اختیار فرما رکھا تھا اور شعائر ابراہیمی کے مطابق ہی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کا موید یہ ہے کہ بعض روایات میں یتحنث بالثاء المثلثۃ کے بجائے یتحنف بالفاء واقع ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین حنیفی یعنی ملت ابراہیمی کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو خواب کے اندر طریقہ عبادت تعلیم کیا گیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ عبادت سے مقصود اللہ کا ذکر اور اس کے ساتھ تعلق کا پیدا کرنا ہے۔

ہر فطرت سلیمہ اس کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور بھلا حضور ﷺ سے بڑھ کر کون سلیم الفطرت ہو سکتا ہے جب حضور اکرم ﷺ سب سے زائد سلیم الفطرت ہیں۔ تو اس کے مقتضی پر کہ اقرار ربوبیت، وحدانیت اقدس ہے عمل کریں گے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا ارشاد یہ ہے کہ اگر چہ کسی کے پاس دعوت نہ پہنچی ہو لیکن پھر بھی اس کے لئے وحدانیت کا اعتراف ضروری ہے۔

قبل ان ینزع علی اھلہ:

بعض روایات میں ہے کہ کبھی کبھار ایک ماہ (۱) تک نہیں لوٹتے تھے۔

---

(۱) جاورت بحراء شهراً. مسلم شريف

Maktaba Tul Ishaat. com

فقال اقرأ:

یہاں اشکال یہ ہے کہ جب فرشتے کو یہ معلوم تھا کہ حضور اکرم ﷺ قاری نہیں ہیں۔ اور پڑھے لکھے نہیں تو فرشتے نے قرأت کا حکم کیسے دیدیا؟ یہ تکلیف ما لا یطاق نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف ما لا یطاق نہیں بلکہ پڑھانے کی ابتدا ہے جیسے کوئی استاذ کسی چھوٹے بچے کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ منا! بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے۔ پیارے! بسم اللہ کہہ لے تو یہاں بھی حضرت جبرئیل نے قرأت کا حکم نہیں دیا بلکہ تعلیم قرأت کا حکم دیا ہے لیکن حضور ﷺ نے ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا کہ مجھے قرأت کا حکم کیا جا رہا ہے۔

اسی وجہ سے جواباً ما انا بقاری فرمایا۔

حتی بلغ منی الجهد:

الجہد دال کے رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے لیکن مطلب الگ الگ ہوگا۔ رفع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مشقت میرے لئے اپنی حد کو پہنچ گئی یعنی مجھ کو انتہائی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ فرشتے تھے اور حضور ﷺ بشر۔ اور نصب کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جبرئیل میری طرف سے مشقت کو پہنچ گئے یعنی انہوں نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ خود پسینہ پسینہ ہوگئے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب ایک آن میں قوم لوط کی بستی کو الٹ دیں تو جب وہ اپنی مشقت کو پہنچیں گے اور حضور ﷺ کو دبائیں گے تو حضور ﷺ زندہ کیسے رہیں گے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت آدمی کی شکل میں تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کسی کی زی اختیار کرتا ہے تو اس کے اثرات بھی اس میں آجاتے ہیں تو اب حضرت جبرئیل میں صرف انسانی طاقت باقی رہ گئی تھی اسی نوع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت عزرائیل علیہ السلام کے تھپڑ مار کر آنکھ کا نکال دینا ہے۔

فغطنی الثالثة:

اس حدیث کے اندر یہ لفظ تین جگہ آیا ہے اس سے علماء ظاہر نے اس پر استدلال کیا کہ استاذ کو تین مرتبہ شاگرد کو متنبہ کرنے کا حق ہے کیونکہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام معلم تھے اور حضور اکرم ﷺ متعلم تھے۔ یہ تو علماء ظاہر فرماتے ہیں اب اشکال یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب فخر المرسلین ﷺ کے استاذ کیسے بن گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا پڑھانا نبوت سے قبل کا تھا۔ اور پڑھتے پڑھتے حضور ﷺ کا مرتبہ بلند ہوگیا۔ اور یہ عام طور سے ہوتا ہے کہ شاگرد اپنے استاذ پر بعض مرتبہ فوقیت لے جاتا ہے۔ انغطات ثلثہ کے متعلق علماء باطن یہ فرماتے ہیں کہ غطہ اولی اس واسطے تھا کہ حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے سرکار دو جہاں ﷺ سے اقرأ کہا حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ما أنا بقاری تو حضرت جبرئیل نے دیکھا کہ عوائق بشریت مانع ہو رہے ہیں اس واسطے اس سے فارغ کرنے کے لئے ایک مرتبہ بھینچا اور دوبارہ اقرأ کہا اس پر بھی حضور اکرم ﷺ نے ما انا بقاری کے ساتھ جواب دیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اب اور استعداد پیدا ہو۔ لہٰذا تحصیل ملکیت کے واسطے دوبارہ بھینچا اور پھر اقرأ کہا تو حضور اکرم ﷺ نے انتہائی تواضع کے ساتھ پھر ما انا بقاری فرمادیا۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیسری بار اتحاد بالملکیۃ حاصل ہونے کے واسطے بھینچا۔

اتحاد بالملکیۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ مشائخ مریدین پر جو توجہ

Maktaba Tul Ishaat. com

ڈالتے ہیں اس کی چار قسمیں ہیں سب سے پہلی قسم نسبت انعکاسی ہے جو سب سے ضعیف ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ فی نفسہ مرید میں کچھ ہوتا نہیں لیکن شیخ کے پاس بیٹھنے سے شیخ کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے۔

مجاہدہ اور حضرات مشائخ کی صحبت سے قلب کے اندر ایک صفائی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ مثل آئینہ کے ہو جاتا ہے اور اس کے اندر اشیاء منعکس ہونے لگتی ہیں اور اس کے دل کے اندر اثر پڑتا ہے یہ نسبت سب سے ادنیٰ درجہ کی ہے کیونکہ اس کی بقاء صرف اس وقت تک ہے جب تک شیخ کی مجلس میں رہے اور جب وہاں سے دور ہوگا وہ نسبت ختم ہو جائے گی۔ جیسے آئینہ کہ جب تک سامنے ہے اس کے اندر عکس موجود رہے گا اور جب سامنے سے ہٹ جائے گا تو عکس بھی ختم ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نسبت پختہ نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ کو دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ اس کا اپنا اثر ہے اس کو خلافت دیدیتے ہیں، اور بعد میں اس کا نقص ظاہر ہوتا ہے۔ تو شیخ کو اعلان کرنا پڑتا ہے کہ فلاں سے یہ حرکات صادر ہوئی ہیں اس وجہ سے ان کی اجازت واپس لی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں اجازت ہی نہیں تھی جو واپس لی جاتی اس لئے کہ اجازت تو نسبت پر موقوف ہے اور وہ اس سے خالی تھا۔ اس نسبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی عطر فروش کے پاس رہتا ہو تو جب تک وہ اس کے پاس رہے اس کا دماغ عطر سے معطر ہوتا رہے گا اور جب وہاں سے اٹھے گا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔

دوسری نسبت جو اس سے اونچی ہے اس کا نام القائی ہے کیونکہ یہاں شیخ اپنی نسبت کو مرید کی طرف القا کرتا ہے اور اپنے انوار باطنیہ اور قوت روحانیہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اب مرید میں کچھ صلاحیت پیدا ہوگئی۔ یہ درجہ اول سے قوی ہے مگر ہے یہ بھی ضعیف۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ کہ جب تک اس میں تیل رہے گا اور سخت ہوا سے محفوظ رہے گا جلتا رہے گا ورنہ بجھ جائے گا۔ اسی طرح شیخ اپنے قلب سے انوار کا تیل اس کے چراغ میں ڈالتا ہے اور اپنی قوت نورانیہ سے اس کو روشن کر دیتا ہے اب مرید کا کام یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور معاصی کی ہوا سے اس کی حفاظت رکھے بالخصوص نظر بد سے کہ وہ سم قاتل ہے۔

تیسری نسبت اصلاحی کہلاتی ہے یہ اول دو سے بہت قوی ہے اس کے اندر مرید اپنے قلب کو ریاضات اور مجاہدوں سے بالکل صاف کر لیتا ہے اور شیخ کے توجہ ڈالنے پر اس کے انوارات پوری طرح سے قبول کر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی محنت کے بعد نہر کھودے اور اس کو بالکل صاف کرے اور اس کا دہانہ دریا سے ملا دے جس کی وجہ سے اس کی نہر میں بھی پانی آجائے۔ اب اگر اس نہر میں کوئی خس وخاشاک اور مٹی وغیرہ آئے گی تو پانی کے دباؤ سے خود بخود بہتی چلی جائے گی۔

چکی کا پاٹ یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وان زنی وان سرق تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا وان زنی وان سرق۔

اور چوتھی نسبت نسبت اتحادی ہے کہ شیخ کے ساتھ طبیعت اتنی متحد ہو جائے کہ جو اس کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں بھی آئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اس کی مثال حضرت خواجہ باقی باللہ کے ایک باورچی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا وہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ ان بزرگوں کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ اپنی ذات کے لئے آنے والے ہدایا سے اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے اس سے خوش ہوتے ہیں کہ ان کے مہمان کے لئے کوئی ہدیہ لا دے۔ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں فاقہ تھا۔ ان کو مہمانوں کی مہمان

Maktaba Tul Ishaat. com

نوازی کی فکر ہوئی۔ اس باورچی کو معلوم ہوا تو یہ ایک بڑا سا خوان کھانے کا لایا۔ حضرت خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا ''اپنے جیسا بنادو'' حضرت ایک دم ٹھٹک گئے اور فرمایا ''کچھ اور مانگ لے''۔ لیکن وہ نہیں مانا حضرت نے دوبارہ اصرار کیا۔ پھر اس کے اصرار پر اس کو اپنے حجرہ میں لے گئے۔ اب حضرت نے حجرہ میں کیا کیا اس کو تو کسی نے ذکر نہیں کیا مگر ہمیں اس حدیث نے بتلا دیا کہ بھینچا ہوگا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد دونوں حضرات باہر تشریف لائے تو صورت تک ایک ہو چکی تھی صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت کے تو ہوش و حواس درست تھے مگر وہ بے ہوش تھا۔ اور تین دن بعد انتقال کر گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ مرید کو آہستہ آہستہ ترقی دیتے ہیں لیکن بعض مشائخ اس کے خلاف کرتے ہیں کہ ذکر لسانی کے کچھ ہی دن بعد ذکر قلبی اور دوسرے اوراد شروع کرا دیتے ہیں جو نقصان دہ ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو یہاں تین مرتبہ بھینچا وہ اسی نسبت اتحادی کے پیدا کرنے کے لئے کیا تھا۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جو نسبت حاصل تھی وہ نسبت اتحادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جو آپ ﷺ سے صادر ہوا وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی واقع ہوا۔ مثلاً اساری بدر کے بارے میں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا کہ سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ سب کی گردنیں اڑا دی جائیں اسی طرح جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا یہ دین حق نہیں ہے، کیا ہم حق پر نہیں؟ حضور پاک ﷺ نے انتہائی نرمی سے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور ہمارا دین برحق ہے اور تم حق پر ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر ایسا کیوں ہوا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایسا ہی مناسب ہے'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے اٹھ کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور وہی بات کہی جو حضرت رسالت پناہ ﷺ کے دربار میں کہہ کر آئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی لفظ بہ لفظ وہی جواب دیا جو حضور ﷺ دے چکے تھے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بلافصل ہوئے۔ اگر اس وقت خدانخواستہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اور کوئی خلیفہ بن جاتا تو کہرام مچ جاتا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو حضور اقدس ﷺ کی وفات کا صدمہ ہوتا اور دوسری طرف چونکہ وہ اتحاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں تھا تو یقیناً کچھ نہ کچھ کام خلاف بھی صادر ہو جاتے۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ پھر جب وفات نبوی کا غم کچھ ہلکا ہو گیا اور انتظامات درست ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا لیا گیا کیونکہ اب ضرورت انہی کی تھی یہاں فوج بھیج وہاں بھیج، یہ انتظام وہ انتظام۔ اس کی سرکوبی اس کی تادیب۔ یہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کر سکتے تھے، چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قبل الوحی جو چھ ماہ ریاضت اور مجاہدہ میں گزارے جس کے اندر منامات اور رویاء صالحہ کا خوب ورود ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کا قلب مبارک صاف ہو چکا تھا اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تو نسبت انعکاسی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد غطۂ اولیٰ سے نسبت القائی اور غطہ ثانیہ سے نسبت اصلاحی اور غطۂ ثالثہ سے نسبت اتحادی پیدا ہوئی اور پھر اس کے بعد تیرہ سال قبل الہجرۃ جو معارج اور منازل طے فرمائے وہ بعد کی ترقیات ہیں۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق:

یہاں پر چند باتوں کا جاننا ضروری ہے اول یہ کہ سب سے پہلے قرآن پاک کا کونسا حصہ نازل ہو؟ کیونکہ اس حدیث سے معلوم

Maktaba Tul Ishaat. com

ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اقــرا کی اولین پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور تیسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ ان تینوں کے درمیان علماء نے جمع کی یہ صورت اختیار فرمائی ہے کہ اولیت حقیقۃً ان پانچ آیات اقرا کو حاصل ہے کیونکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہی سب سے پہلے نازل ہوئی اور پوری سورۃ جو سب سے پہلے ختم ہوئی وہ سورۃ فاتحہ ہے تو گویا اس کی اولیت اس حیثیت سے ہے کہ سب سے پہلے کامل سورت سورۃ الحمد ہی نازل ہوئی اور چونکہ اقــرا کی ان آیات کے نزول کے بعد فترۃ الوحی واقع ہوگئی تھی جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ بعض روایات کے مطابق تین سال مدت فترۃ ہے اس کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی تو اس حیثیت سے سورۂ مدثر اول مانزل ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جہات تینوں کے اندر مختلف ہیں۔ اس لئے ہر قول اول مانزل ہونے کے اعتبار سے صحیح ہے۔

دوسری بات جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ میں بخاری شریف کی ابتداء میں بتلا چکا ہوں کہ علامہ زمخشری نے بسم اللہ کا متعلق اقرا مانا ہے جو بسم اللہ سے مؤخر ہے۔ لیکن یہاں اعتراض یہ ہے کہ قرآن پاک میں اقرا کو مقدم فرمادیا جو اسم رب سے مقدم ہوگیا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اقــرا بــاسم ربک میں جو اقرا ہے اس کا تعلق بــاسم ربک سے نہیں بلکہ یہ بطور تنبیہ کے ہے جس طرح ایک استاد اپنے شاگرد کو تنبیہ کرتا ہے۔ اور فی الحقیقت اس کا متعلق محذوف ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے۔ اقــرا بــاسم ربک الذی اقــرا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے امر بالقراءت اور حضور ﷺ کی طرف سے مسلسل انکار ہوا تو اس سبب سے اس میں اہمیت پیدا ہوگئی اس لئے اقرا کو مقدم فرمادیا۔

اور تیسری بات یہاں یہ ہے کہ آیت کریمہ اقــراء بــاسم ربک میں ابتداء نہ تو اسم جلالہ یعنی لفظ اللہ سے ہو رہی ہے حالانکہ وہ علم ذات ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ اسم اعظم بھی ہے اور نہ ہی اسماء جمالیہ یعنی الرحمٰن اور الرحیم سے ہو رہی ہے بلکہ اسم رب سے ابتداء ہو رہی ہے ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ میں بخاری شروع کرتے وقت بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور تربیت الشیٔ یہ ہے کہ اس کی ساری چیزوں کی کفالت کی جائے جیسے ماں بچے کی کفالت کرتی ہے۔ کہ چونکہ بچہ نہ خود اٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے۔ نہ پی سکتا ہے اس لئے سب امور کی نگہداشت ہی کرتی ہے۔ اسی طرح اللہ رب العالمین ہیں کہ سب چیزوں کی کفالت کرتے ہیں اب چونکہ حضور اکرم ﷺ بار بار مــانــا بقاری فرمارہے تھے اس لئے اسم رب سے شروع کرکے اس طرف متوجہ کیا کہ رب کے نام سے پڑھو۔ جب وہ رب ہے تو جو ضروریات قرأت وغیرہ کی پیش آئیں گی وہی سب کی کفالت کرے گا اور پڑھنے کو آسان فرمائے گا۔ اس کے بعد مزید شان ربوبیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا خلق الانسان من علق یعنی جس ذات نے ایک نطفہ ناپاک اور پانی کے ایک قطرے سے افضل المخلوقات اور احسن المخلوات کو پیدا فرمایا وہی قرأت بھی سکھلادے گا۔ اس کے بعد مزید ترقی کرکے فرمایا علم بالقلم اس سے اشارہ فرمایا کہ جو ذات ایک بے جان شے یعنی قلم کے ذریعہ سے علم سکھاتی ہے اور آدمی علم سیکھ جاتا ہے تو اگر وہ ذات براہ راست علم سکھانے پر اتر آئے تو کیسے علم نہیں سیکھ سکتے؟ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے اللہ جل شانہ نے اس جملہ علم بالقلم سے اشارہ فرمادیا ہو کہ علم کو قلم سے مقید کرنا چاہئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں جو یہ آتا ہے قیدوا العلم بالکتابہ اسی جملہ کریمہ کی شرح ہو۔ اور واقعہ یہی ہے کہ علم قلم سے مدتوں باقی رہتا ہے چنانچہ یہی بخاری شریف جو میری تحقیق کے مطابق ۲۳۳ھ میں لکھی گئی۔ آج ایک ہزار برس سے زائد ہوگئے اسی طرح باقی ہے۔ اور اگر کوئی حفظ یاد کرے تو کچھ ہی دن باقی رہتا ہے۔

فرجع بها:

Maktaba Tul Ishaat. com

ای بالآیات والنبوة.

فدخل علی خدیجة بنت خویلد:

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی بیوی تھیں۔ ان کی عمر شریف چالیس برس کی تھی تو حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اور خود حضور پاک ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال کی تھی۔ اب یہیں سے ان آریوں کا اشکال ختم ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے یہ تمام شادیاں یعنی گیارہ عورتوں سے نکاح محض شہوت پرستی کی بناء پر کئے تھے (نعوذ باللہ منہ) بھلا جب حضور ﷺ اپنی پوری جوانی میں تھے اور خوب شباب کا زمانہ تھا اس وقت تو آپ ﷺ نے ایک بڑھیا پر قناعت کرلی جو کہ بیوہ بھی تھی اور جب آپ ﷺ خود بوڑھے ہوگئے تو دوسری عورتوں سے نکاح شروع کیا۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ اس تعدد ازدواج میں یقیناً کوئی مصلحت ہوگی اور وہ مصلحت یہی تھی کہ ان کے ذریعہ سے دین کو فروغ ہوگا۔ ورنہ آپ ﷺ اپنی جوانی میں ضرور کسی جوان سے نکاح فرماتے نیز اگر حضور ﷺ کا شہوت کی غرض سے نکاح کرنا مقصود ہوتا تو حضور ﷺ اس وقت کیوں انکار فرمادیتے جب کہ ابتداء دعوت اسلام کے وقت قریش نے آپ ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ کو نکاح کی غرض ہے تو آپ جس لڑکی سے چاہیں نکاح کرلیں۔

حضور اکرم ﷺ غار حراء سے چل کر جو سیدھے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کا اپنا گھر تھا اور مصیبت میں آدمی اپنے گھر ہی جاتا ہے دوسرے یہ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی بیوی تھیں اور جب کوئی پریشانی کی بات ہوتی ہے تو آدمی بیوی ہی سے کہتا ہے۔

فقال زملونی زملونی:

پہلی بات یہاں پر وہی ہے جو میں نے کہی تھی کہ لیتفصد عرقا پر زملونی زملونی سے اشکال ہوتا ہے اس لئے کہ تفصد عرق کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو گرمی محسوس ہوتی تھی اور زملونی زملونی کا تقاضا یہ ہے کہ سردی معلوم ہوتی تھی اس لئے کہ جب کسی کو سردی لگتی ہے تو اس کو لحاف وغیرہ اڑھاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو گرمی عین نزول وحی کے وقت معلوم ہوتی تھی جیسا کہ روایات کے اندر آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر وحی نازل ہورہی تھی اور پسینہ پیشانی مبارک سے ٹپک رہا تھا اس کے بعد جب آثار ختم ہوگئے تو آپ ﷺ نے پسینہ صاف کیا اس کے بعد جو سردی لگتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ پسینہ آنے کے بعد جب ہوا لگتی ہے تو سردی بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو روایت وحی کے ذکر میں آتی ہیں اور ان میں پسینہ اور گرمی کا ذکر ہے اور چادر وغیرہ کے اوڑھنے کا ذکر نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو ابتدا میں خوف بھی ہوا کرتا تھا اس لئے سردی کے اثرات زیادہ معلوم ہوتے تھے پھر جب طبیعت مبارکہ خوگر ہوگئی تو چادر اوڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرا جواب اصل اشکال کا یہ بھی دیا گیا ہے کہ آدمی کو جب خوف ہوتا ہے تو چادر اوڑھتا ہی ہے خواہ اس کے ساتھ حرارت ہو یا نہ ہو۔

دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے زملونی کیوں فرمایا زملینی فرمانا چاہئے تھا۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ایسے مواقع (یعنی مواقع خدمت) پر محاورات میں تذکیر وتانیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ گھر جاکر عام طور سے بیوی سے کہا جاتا ہے کہ کھانا لاؤ۔ یہی جواب میرے نزدیک راجح ہے۔ اور دوسرا جواب بعض شراح نے یہ دیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور اس وقت چونکہ پردہ کا دستور نہیں تھا اس لئے حضور ﷺ نے سب

Maktaba Tul Ishaat. com

کو خطاب فرمایا جس کے اندر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔

لقد خشیت علی نفسی:

حضور اکرم ﷺ کو اپنی جان کا خوف کیوں ہوا اس کی بارہ وجوہات میں نے حاشیہ لامع الدراری میں لکھ دی ہیں دیکھ لینا۔ بعض ان میں سے ضعیف بھی ہیں وہاں ان کے ذہن کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ چند اقوال یہاں بھی سن لو۔

(۱) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو خوف اس وجہ سے پیش آیا کہ نہ معلوم اعباء نبوت کا تحمل ہو سکے یا نہیں۔

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ اس خیال سے ڈر گئے کہ یہ کوئی جن یا شیطان تو نہیں ہے۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو اپنی نبوت کے اندر ہی شک تھا حالانکہ ہر نبی کو اپنی نبوت پر ایسے ہی ایمان لانا ضروری ہے جیسے کہ اس کی امت کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

(۳) علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ جملہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا کیونکہ اگر حضرت ﷺ ابتداہی میں یہ فرمادیتے کہ میرے اوپر فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان کو یقین نہ آتا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی بڑائی کی بات کرتا ہے تو دوسروں کو ناگواری ہوتی ہے۔ اور اگر تواضع اور عاجزی کے ساتھ بات کرے تو طبیعت خود بخود کھنچ جاتی ہے۔ اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اولا مانوس کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اپنے ہی خوف کا اقرار کر لیا اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا یہ تکسر دیکھا تو فورا آپ ﷺ کے اوصاف جمیلہ شمار فرما کر آپ ﷺ کی ڈھارس بندھادی۔

(۴) چکی کا پاٹ یہ ہے کہ چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خوب دبوچا تھا اس لئے آپ ﷺ کو اپنی موت کا خوف ہونے لگا کیونکہ حضور ﷺ کو یہ خطرہ تھا کہ اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ دبوچا تو کہیں موت واقع نہ ہو جائے۔

ما یخزیک اللہ ابدا:

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اس جملہ سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ سارا خوف اس وجہ سے تھا کہ شاید آپ ﷺ اعبائے نبوت کا تحمل نہ کر سکیں۔

انک لتصل الرحم:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تمام اوصاف میں سب سے پہلے صلہ رحمی کا ذکر کیا۔ کیونکہ غیر کے ساتھ حسن سلوک کچھ زائد مشکل نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی کی حالت گری ہوئی دیکھی اس کے ساتھ احسان کر دیا۔ مگر چونکہ قرابت داروں کے ساتھ ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اور ان کی نرم گرم سننی پڑتی ہے اس لئے ان کے ساتھ اگر احسان کرنا بھی چاہے تو وہ سختیاں اور بے عنوانیاں یاد آکر طبیعت رک جائے گی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسی کو بتلایا کہ آپ ﷺ تو دوسروں کی غلطیوں کو خیال میں لائے بغیر صلہ رحمی کرتے ہیں پھر کیسے خدا آپ کو ضائع کر دے گا۔ یہاں یہ ضابطہ سن لو کہ جو شخص جتنا زیادہ صلہ رحمی کرے گا وہ اتنا ہی غیر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے والا ہوگا۔

وتحمل الکل:

Maktaba Tul Ishaat. com

یعنی آپ بوجھ برداشت کرتے ہیں کل یعنی بوجھ جس سے حسی اور معنوی دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

وتكسب المعدوم:

یہ باب افعال اور مجرد دونوں سے آتا ہے۔ مجرد کی صورت میں لازم اور متعدی دونوں طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر متعدی ہو تو ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ فقیر کو کماتے ہیں یعنی دوسرے سے کہہ کر اس کی مدد کراتے ہیں اور اگر لازم ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ فقیر کو کماتے ہیں یعنی اس کو مال عطا فرماتے ہیں۔

وتقرى الضيف:

یعنی مہمان داری کرتے ہیں اور حضور ﷺ کی مہمان داری کا کیا پوچھنا۔

وتعين على نوائب الحق:

علماء نے لکھا ہے کہ حق کی قید لگا کر باطل سے احتراز کر لیا گیا یعنی اگر کوئی حق کام درپیش ہو تو اس میں تو مدد فرماتے ہیں لیکن اگر کوئی ناحق کام مثلاً کوئی زنا کرنے جا رہا ہو تو اس میں اعانت نہیں فرماتے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نوائب حق سے مراد آفات سماویہ ہیں جیسے کثرت باراں کے سبب سے مکانات منہدم ہو جانا وغیرہ اور آفات سماویہ کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی کہ جب کوئی آسمانی آفت آتی ہے تو آدمی زیادہ مجبور ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کی جانب سے ہے اس میں بشر کو چارۂ کار نہیں لیکن جب حضور ﷺ آفات سماویہ غیر اختیاریہ میں بھی مدد فرماتے ہیں تو آفات ارضی میں تو ضرور مدد فرمائیں گے۔

ورقه بن نوفل:

یہ ورقہ بن نوفل اور زید بن نفیل وغیرہ ان لوگوں میں ہیں جو ابتداءً مشرک تھے پھر بتقاضائے فطرت سلیمہ شرک سے تائب ہو کر وحدانیت باری تعالیٰ کے قائل ہوئے۔ حتی کہ زید بن نفیل تو بتوں کی مذمت بیان کرنے میں بہت آگے تھے کہا کرتے تھے کہ ان کی پرستش کرتے ہو جن کو اپنے ہاتھ سے بناتے ہو اور جو تمہاری کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ یہ زید جب شرک سے بیزار ہوئے تو علمائے یہود کے پاس گئے اور ان لوگوں سے یہودی ہونے کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا شوق سے ہو جاؤ مگر اس مذہب سے کچھ حصہ غضب الٰہی کا بھی ملے گا پھر نصاریٰ کے پاس جا کر نصرانیت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے کہا ہو جاؤ۔ مگر کسی قدر حصہ ضلالت کا بھی ملے گا۔ ان کے پوچھنے پر نصاریٰ نے دین ابراہیمی قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ جس پر انہوں نے ملت ابراہیمی کو اختیار کیا اور زمانہ نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ اور ان کے دوسرے ساتھی ورقہ بن نوفل نے نصرانیت اختیار کی اور بعد میں نصرانیت کے بہت بڑے عالم ہوئے کہ انجیل کو عبرانی زبان سے عربی میں منتقل کیا کرتے تھے اور عربی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔

فيكتب من الانجيل بالعبرانية:

تورات عبرانی زبان میں تھی اور انجیل سریانی زبان میں تھی۔ ورقہ چونکہ نصرانی تھے اس لئے انجیل کا ترجمہ سریانی زبان سے عبرانی زبان میں کر کے اپنے یہاں کے لوگوں کو دیتے تھے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عبرانیۃ کے بجائے عربیہ ہے کیونکہ خود ورقہ کی زبان عربی تھی جیسا کہ حاشیہ کے اندر العربیہ ہی واقع ہوا ہے اور یہی کتاب التفسیر میں بھی آ رہا ہے لیکن علماء نے دونوں میں اس طرح جمع کیا ہے کہ

Maktaba Tul Ishaat. com

(ورقہ) دونوں زبانوں میں ماہر تھے۔ عربی کے بھی کیونکہ یہ ان کی مادری زبان تھی اور عبرانی کے بھی۔ لہٰذا انجیل کو سریانی زبان سے عبرانی زبان میں منتقل کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ عرب میں یہود بھی رہتے تھے جو عبرانی زبان جانتے تھے۔ کیونکہ تورات بھی اسی زبان میں نازل ہوئی ہے تو بعض کو عبرانی زبان میں اور بعض کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے دیا کرتے تھے۔

اسمع من ابن اخیک:

ورقہ بن نوفل حضور ﷺ کے چچا نہیں تھے مگر چونکہ اہل عرب ہر بڑے کو چچا اور ہر چھوٹے کو بھتیجا بطور تعظیم وشفقت کے کہتے ہیں اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ابن اخ کہہ دیا۔

هذاالناموس:

ناموس کے معنی صاحب السر کے ہیں یہ وزن اور معنی میں مثل جاسوس کے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ناموس وہ شخص کہلاتا ہے جو سرخیر کا متلاشی ہو اور جاسوس وہ ہے جو شر کا تجسس کرتا ہو۔ اور یہاں ناموس سے مراد فرشتہ ہے۔

نزل الله علی موسیٰ:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ورقہ نے حضرت عیسیٰ کا نام کیوں نہیں لیا جب کہ ورقہ نصرانی تھے۔ علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہاں بہ نسبت نصرانیوں کے یہودی زیادہ تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہرت زیادہ تھی اس لئے انہی کا نام ذکر فرمایا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کی قوم کی طرف سے شدت اور سختی میں مبتلا کیا گیا تھا تو وہ اس بات میں حضور ﷺ کے شریک تھے اس وجہ سے ان کو ذکر فرمادیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت فیما بین الیهود والنصاری مسلم تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کو صرف نصاریٰ مانتے تھے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی اتری تھی وہ امثال وعبر اور رافت ورحمت پر مشتمل ہوتی تھی بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے کہ اس میں اوامر ونواہی تھے اور جہاد وقتال کا حکم تھا تو ورقہ نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ پر جو وحی آئے گی اس میں اوامر ونواہی ہوں گے اس پر اشکال یہ ہے کہ ورقہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر آنے والی وحی اس قسم کی ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ ورقہ کتب سماویہ کے عالم تھے اور انہی کتابوں میں حضور اقدس ﷺ کے اوصاف وغیرہ مذکور تھے۔

یالیتنی فیها جذعا:

اي قویاشابا. جذعہ اصل میں قوی اونٹ کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کاش میں ایام دعوت واسلام میں قوی ہوتا تا کہ ان کا مقابلہ کرتا جس وقت وہ لوگ آپ ﷺ کو شہر سے نکالیں گے۔

او مخرجی هم:

Maktaba Tul Ishaat. com

چونکہ اہل عرب میں عصبیت بہت ہوتی ہے اور وہ اپنے اہل قربت کی حمایت کرتے ہیں خواہ حق پر ہوں یا ناحق پر اس لئے آپ ﷺ کو خبر اخراج پر تعجب ہوا۔ نیز حضور اکرم ﷺ کی چالیس سالہ زندگی بہت محبوبانہ گزری تھی۔ امین وصادق کے لقب سے آپ ﷺ مشہور تھے تو حضور اکرم ﷺ کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی قوم ملک سے نکال دیگی۔ چنانچہ آپ ﷺ کو اس پر استعجاب ہوا تو حضرت ورقہ نے اس کی وجہ بیان فرمائی۔

لم یات رجل قط بمثل ماجئت به الاعودی:

ورقہ نے کہا یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو ہوتا چلا آیا ہے کہ آپ جیسی چیز (نبوت) جو کوئی بھی لے کر آیا اس کو ستایا اور اس سے دشمنی کی گئی۔

وان یدرکنی یومک انصرک نصرا مؤزرا:

یہاں حضرت ورقہ حضور ﷺ کی مدد کا وعدہ کررہے ہیں۔ اب ایک بات غور سے سنو وہ یہ کہ جب ورقہ آپ ﷺ کی مدد کرنے کو کہہ رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ پر ایمان لائے ہوں گے جب ہی تو مدد کا وعدہ کررہے ہیں۔ اب اگر ان کو مسلمان مان لیا جائے تو اب اول المومنین ورقہ ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقدم ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے اندر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قسم اول میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ قسم اول کا مطلب یہ ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے حافظ نے اصابہ کے اندر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ کیا ہے اور ہر حرف کے چار درجے متعین کئے ہیں۔ مثلاً الف قسم اول۔ الف قسم ثانی۔ الف قسم ثالث۔ اور الف قسم رابع۔ اور طریقہ حافظ کا یہ ہے کہ قسم اول میں کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام ذکر فرماتے ہیں اور قسم ثانی میں ان صغار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء لکھتے ہیں جن کو رویت حاصل ہے اور قسم ثالث میں مخضرمین کا ذکر فرماتے ہیں۔

مخضرم: وہ کہلاتا ہے جس کو حضور ﷺ کا زمانہ ملا ہو۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی زیارت نہ کرسکا ہو۔ اور قسم رابع میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی صحبت کے وہ خود منکر ہیں۔ اگرچہ کسی اور نے ان کو صحابی لکھ دیا ہو۔ ورقہ کی صحبت کا بعض حضرات نے انکار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے اب آیا یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قدیم الاسلام ہوئے یا نہیں اس لئے کہ ابتداء وحی کا واقعہ ہے ممکن ہے حضور ﷺ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ورقہ سے پہلے ہی مل چکے ہوں اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے ہوں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول من امن اس وجہ سے ہیں کہ بالتصریح اشھدان لاالہ الااللہ کہنے والوں میں سب سے پہلے ہیں اور حضرت ورقہ اگرچہ مقدم ہیں مگر بالتصریح کلمہ کو نہیں کیونکہ ان کا ایمان ان کے اقوال سے مستفاد ہوتا ہے۔

ثم لم ینشب ورقة ان توفی:

ورقہ بن نوفل ملک شام چلے گئے تھے وہاں جاکر معلوم ہوا کہ مکہ کے لوگ حضور اقدس ﷺ کے دشمن بن گئے ہیں تو یہ اعانت کے لئے وہاں سے چل دیئے مگر راہ میں کسی نے قتل کردیا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مکہ میں ہی کچھ دنوں بعد انتقال فرمایا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

وفتر الوحی:

یہ فترت مسلسل تین سال تک رہی۔ اب یہ کہ اس کی حکمت کیا تھی؟ حقیقی حکمت تو اللہ تعالیٰ شانہ ہی جانتے ہیں مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ فترت اس لیے واقع ہوئی تا کہ آپ ﷺ آیات منزلہ میں غور وفکر کریں اور تدبر وتفکر کریں اور بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ وحی چونکہ ایک وزنی چیز تھی جیسے کہ قرآن مجید میں ہے اِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيلاً تو کچھ دنوں کے لئے اس کو روک دیا گیا تا کہ طبیعت مبارکہ اس بوجھ کی خوگر ہو جائے اور ثقل برداشت کرنے لگے۔ بطور جملہ معترضہ کے ایک اشکال یہ سنو کہ جب وحی ایک ثقیل چیز ہوتی ہے تو ہم کو اس کا ثقل کیوں نہیں معلوم ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم غور وفکر ہی نہیں کرتے اور اس کے حقائق نہیں سمجھتے ورنہ اکابر کے متعلق مشہور ہے کہ قرآن پڑھتے تھے اور دہاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ یا پھر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمار کھا ہے اور اس کے ثقل کو خفت سے بدل دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآن لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ فترۃ تحصیل انس کے لئے ہوئی۔ کیونکہ اگر پے در پے اس امر ثقیل کا نزول ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ طبیعت مبارکہ میں نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی جیسا کہ بار بار کی سختی سے بسا اوقات وحشت ہونے لگتی ہے۔ یا اس جواب کو یوں تعبیر کرو کہ چونکہ اعباء رسالت سے آپ کو خوف تھا تو اس کے تحمل کے لئے مہلت دیدی گئی۔

یہاں ایک توجیہ فترت کے بارے میں یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ صوفیاء کے یہاں معمول ہے کہ جب کسی کو تلقین وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں تو اس کو اپنے سے کچھ دنوں کے لئے دور کر دیتے ہیں تا کہ اس کا علم ہو جائے کہ جو نسبت مرید کو حاصل ہے وہ نسبت انعکاسی تو نہیں۔ یہی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا تا کہ صوفیاء کے لئے مشعل راہ ہو۔

قال ابن شهاب:

یہ تعلیق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہو گیا چونکہ ابتداء حدیث سے لے کر یہاں تک کے حالات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بواسطہ عروہ مذکور تھے مگر قصہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا اس لئے امام زہری فترۃ وحی کے واقعہ کو دوسرے واسطے سے بیان فرما رہے ہیں اور وہ واقعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بواسطہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن موجود ہے۔

وهو يحدث:

ھو کی ضمیر حضور اکرم ﷺ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ (۱)

فرعبت:

اس لئے کہ جب یہ دیکھا کہ ایک معلق کرسی پر فرشتہ بیٹھا ہے تو یہ عجیب بات دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔

والرجز فاهجر:

رجز کے معنی یا تو امور قبیحہ کے ہیں یا عبادۃ الاوثان کے ہیں۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تو کبھی بتوں کی عبادت نہیں

(۱) دوسری تقاریر میں ھو کی ضمیر صرف حضور ﷺ کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور یہی ہمارے حضرت کے نزدیک راجح ہے۔ کما هو في مذكور في هامش اللامع.

Maktaba Tul Ishaat. com

فرمائی پھر کیونکر اس کے ترک کا حکم دیا جا رہا ہے جواب یہ ہے کہ بسا اوقات کسی شے سے جو منع کیا جاتا ہے وہ اس کی غایت قباحت کے پیش نظر منع کیا جاتا ہے گو مخاطب نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جیسے بیعت میں شیخ ﴿یُبَایِعْنَکَ عَلٰی أَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ﴾ کے الفاظ کہلواتا ہے حالانکہ ہر آدمی زانی اور چور نہیں ہوتا۔

تابعہ عبداللہ بن یوسف:

متابعہ کی دو قسمیں ہیں: متابعہ تامہ۔ متابعہ ناقصہ۔ متابعہ تامہ یہ ہے کہ کوئی شخص ابتدا ہی سے استاد میں راوی حدیث کا شریک بن جائے اور متابعہ ناقصہ یہ ہے کہ اوپر سند میں کوئی آدمی حدیث کے راوی کی متابعت کرے۔ متابعت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے روایت اور راوی کو تقویت ملتی ہے۔

وقال یونس ومعمر بوادرہ:

یہاں سے امام بخاری اختلاف روایات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ زہری کے شاگرد عقیل نے توفؤادہ کہا اور یونس ومعمر نے بوادرہ کہا ہے۔ بوادر جمع ہے بادرۃ کی۔ بادرۃ گردن اور مونڈھے کے درمیانی حصہ کو بولتے ہیں۔ خوف کی شدت میں جس طرح دل کانپتا ہے اسی طرح یہ حصہ بھی حرکت کرنے لگتا ہے۔ یہ روایت باب بدؤ الوحی کے بالکل مطابق ہے اور چونکہ حضرت شیخ الہند کے نزدیک ترجمہ کا مقصد عظمت وحی کو بتلانا ہے اس طرح موافقت ہو جائے گی کہ حضرت ﷺ جیسے عظیم الشان اور فخر الرسل اس کو لے کر آئے۔ اور یہ کہا جائے کہ ترجمہ کی غرض ان اوصاف جمیلہ کو بیان کرنا ہے جن پر وحی نازل ہوتی ہے تو یہ بھی اسی روایت نے بتلا دیا کہ وہ اوصاف صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے۔

لاتحرک بہ لسانک:

اس روایت کو ابتداء وحی کے ساتھ اس طرح مناسبت ہے کہ یہ واقعہ ابتداء وحی کا ہے اور اس کے اندر یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتدائے وحی میں یہ کیفیت ہوتی تھی لہٰذا کیفیۃ بدؤ الوحی ثابت ہوگئی۔ یہ آیت سورۃ قیامۃ میں مذکور ہے۔ اور اس آیت سے قبل اور بعد دونوں جگہ قیامت کے احوال مذکور ہیں اور اسی مناسبت سے سورت کا نام قیامۃ بھی رکھا گیا ہے۔ لیکن اس آیت پر اشکال یہ ہے کہ اس کا قیامت سے کیا جوڑ ہے؟ اس کا جواب (۱) یہ ہے کہ قرآن پاک کے ذریعہ سے تربیت پیدا کرنی مقصود ہے تو جیسے مربی درمیان کلام میں کوئی بات غیر متعلق کہہ دیتا ہے۔ مثلاً باپ اپنے ایک چھوٹے سے بچے کو کھانا کھلا رہا ہو اور ساتھ ساتھ خوب پند ونصائح اور تربیت کے لئے ایک قسم کی افہام وتفہیم کر رہا ہو اور اسی اثنا میں بچہ کسی غیر مناسب جگہ ہاتھ ڈال دے تو باپ درمیان گفتگو ہی میں اس کو منع کر دیتا ہے کہ ایسا مت کرو، اس میں ہاتھ مت ڈالو۔ اور اتنا کہہ کر پھر پہلی بات شروع کر دیتا ہے تو اسی طرح سے یہ آیت کریمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور پاک ﷺ کو قرآن پاک سکھا رہے تھے اور حضور ﷺ اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں اپنی زبان سے اس کو بار بار دہراتے تھے تو درمیان کلام میں ہی تنبیہ کر دی کہ ایسا مت کرو۔ اس کے بعد پھر سابقہ کلام شروع فرما دیا۔

---

(۱) اس اشکال کے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے چند جوابات دیئے ہیں جن میں ایک جواب یہ بھی ہے کہ علامہ جلال الدین محلی فرماتے ہیں والمناسبۃ بین ہذہ الآیۃ وماقبلہا ان تلک تضمنہ الاعراض عن ایات اللہ تعالیٰ وہذہ تضمنت المبادرۃ الیہا بحفظہا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

يعالج من التنزيل شدة:

اس جملہ سے عظمت وحی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ اسی عظمت کی وجہ سے جلدی جلدی پڑھنے میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہیں سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اس ترجمۃ الباب کا مقصد عظمت وحی کو بیان کرنا ہے۔

وكان ممايحرك شفتية:

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سارے حروف شفوی نہیں ہیں لہٰذا مطلقا یحرک شفتيه کہنا کیسے صحیح ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لاتحرک به لسانک فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ زبان کی حرکت ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں فرمایا بخلاف حضرت باری تعالیٰ کے اور شفتین ہمارے سامنے ہوتے ہیں ان کی حرکت ہم کو نظر آتی ہے اس لئے اس کو بیان کر دیا۔

قال ابن عباس رضى الله عنهمافانا احركهما:

یہاں حضرت سعید بن المسیب نے کمارایت ابن عباس یحرکهما فرمایا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کما رایت رسول اللہ ﷺ یحرکهما نہیں فرمایا بلکہ کماکان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحركهما فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ سعید بن مسیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تحریک شفتین کرتے دیکھا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا نہیں تھا کیونکہ ابتداء وحی میں تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ رہا یہ سوال کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پھر کیسے معلوم ہو گیا کہ رسول کریم ﷺ تحریک شفتین مبارکین فرمایا کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو براہ راست حضرت رسالت پناہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے سنا ہوگا یا کسی اور صحابی سے اگر صحابی سے سنا ہوگا تو یہ روایت مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہوگی۔

ان علينا بيانه:

عامۃ المفسرین نے اس جملہ کی تفسیر ان علينا توضيح مشكلاته وتبيين مبهماته سے کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان تقراه کے ساتھ کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے ذمہ آئندہ اس کو پڑھوانا ہے آپ اس کو بھول نہیں سکتے۔ یہاں پر جمہور (۱) اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

حدثنا عبدان:

یہاں پر سند میں ح واقع ہوئی ہے۔ اس کے اندر اختلاف ہے (۲) کہ یہ حاء مہملہ ہے یا خاء معجمہ۔ جو لوگ خاء معجمہ قرار دیتے ہیں وہ اس کے اندر دو اقوال بیان کرتے ہیں اول یہ کہ یہ مخفف ہے الخ کا یعنی کوئی مضمون طویل ہو یا کوئی آیت یا حدیث ہو اور لکھنے والا اس کو پورا نہیں لکھتا تو تخفیف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے الخ لکھ دیتا ہے اور معنی اس کے الی آخر الكلام کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے اسناد اخر کا۔ لیکن دوسری جماعت کثیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حاء مہملہ ہے اس جماعت کے اندر چار فریق ہیں ایک فریق

---

(۱) مزید وضاحت کے لئے لامع اور اس کا حاشیہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

(۲) ان اقوال کی مزید تفصیل کے لئے مقدمہ اوجز المسالک ص ۱۷ کی مراجعت کی جائے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

کی رائے یہ ہے کہ یہ الحدیث کا مخفف ہے لہٰذا یہاں پہنچ کر الحدیث پڑھنا چاہئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے صح کا۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی تحریر میں کوئی تردد ہو جاتا ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ اس تحریر پر چھوٹا سا صح بنا دیتے ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ عبارت میں شک وشبہ نہ کرو یہ عبارت صحیح ہے۔ اس صورت میں اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ صرف تنبیہ کے لئے ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ الحائل کا مخفف ہے۔ حائل کے معنی آڑ کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سند اول اور سند ثانی کے درمیان حائل ہو رہی ہے اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ تحویل کا مخفف ہے ای تحویل من سند الی سند اخر۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر حا پڑھا جائے گا۔

اب ان اقوال کے بعد اس کی حقیقت سن لو۔ جب کسی حدیث کی دو سندیں ہوں اور اوپر کا حصہ دونوں کا ایک ہو اور نیچے سے دونوں سندیں الگ الگ ہوں تو تطویل سے بچنے کے لئے دونوں مختلف سندوں کو ذکر کر کے جب اتحاد شروع ہوتا ہے تو وہاں ح بنا دیتے ہیں۔

ومعمر نحوه:

اس حدیث کے لئے امام بخاری نے دو سندیں ذکر فرمائی ہیں پہلی سند میں عبدان نقل کرتے ہیں۔ عبداللہ سے اور وہ یونس سے اور یونس زہری سے تو گویا عبدان کی سند میں زہری سے نقل کرنے والے صرف یونس ہوئے۔ اور دوسری سند کے اندر بشر بن محمد نقل کرتے ہیں انہی عبداللہ سے اور یہ یونس اور معمر سے نقل کرتے ہیں اور یونس ومعمر امام زہری سے نقل کرتے ہیں تو اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے معمر کے بعد نحوہ کیوں بڑھایا سیدھی طرح یونس ومعمر عن الزہری کہہ دیتے؟

اس کا جواب تم شرح نخبہ میں پڑھ چکے ہو اور طحاوی شریف میں بھی اس کا جواب آچکا ہے۔ کیونکہ امام طحاوی روایات ذکر کرنے کے بعد سرد اسانید کرتے ہوئے یہ لفظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں وہ یہ کہ نحوہ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ اگرچہ زہری سے یونس ومعمر دونوں نقل کرتے ہیں مگر الفاظ حدیث یونس کے ہیں۔ معمر اس کے صرف معنی ومفہوم کو ذکر کرتے ہیں۔ بعینہ الفاظ نہیں بیان کرتے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجود الناس:

حضور اکرم ﷺ کی اگر تم نے سیرت پڑھی ہوگی تو تم کو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ واقعی ایسے ہی تھے۔ مگر یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے گھر مدتوں آگ نہیں جلا کرتی تھی کچھ نہ ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ گزر جاتے تھے اور ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ لہٰذا یہ روایات آپ ﷺ کے جود کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ جود اور آپ ﷺ کی یہ سخاوت آپ ﷺ کے فقر وفاقہ کے مخالف نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا یہ فقر وفاقہ اسی جود کی وجہ سے تھا کہ جو کچھ آیا فوراً تقسیم کرا دیا اور گھر اس وقت تک تشریف ہی نہیں لے گئے جب تک کہ وہ سارا تقسیم نہ ہو گیا۔ لہٰذا جس کا یہ حال ہوگا اس کے پاس کیا رہے گا۔ اور اسی پر بس نہیں اگر اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی دوسرے سے لے کر دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہہ رکھا تھا کہ وہ قرض لے کر دے دیا کریں اور پھر بعد میں ہم اس کو ادا کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح قرض لے کر حاجتمندوں کو دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے کہا کہ بلال! تم روزانہ قرض مانگتے ہو۔ لوگوں سے لینے کی ضرورت نہیں بس مجھ سے لے لیا کرو اور

Maktaba Tul Ishaat. com

جب تمہارے پاس کہیں سے آجائے تو ادا کر دیا کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی بڑی خوشی ہوئی اور اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ ان خبیث کافروں کا دستور یہ ہے کہ جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب مقروض کا مکان وغیرہ سب فروخت ہوسکتا ہے تو آ کر تقاضا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ یہودی بھی اسی کا منتظر تھا۔ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی۔ او حبشی، او حبشی! یہاں آ۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے۔ اس نے کہا اس مہینے کے کتنے دن باقی رہ گئے؟ فرمایا چار دن۔ کہنے لگا یا تو چار دن کے اندر سارا قرض ادا کرو ورنہ غلام بنالوں گا اور پھر اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر بڑا غم ہوا۔ دن تو کسی طرح گزر گیا شام کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کر کے دو چار دن کے لئے کہیں روپوش ہو جانے کی اجازت مانگی اور عرض کیا جب آپ کے پاس کچھ آئے گا تو آپ ادا فرمادیں پھر میں ظاہر ہو جاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت عطا فرمادی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شب میں روپوش ہو جانے کی تیاری فرما رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آدمی بلانے کیلئے پہنچا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے دروازہ پر کچھ سامان دیکھا ہے؟ عرض کیا کہ چار اونٹنیاں مال سے لدی ہوئی کھڑی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شاہ فدک نے میرے پاس ہدیہ بھیجا ہے تم اس سے اپنا قرض ادا کردو۔ چنانچہ بلال صبح ہی صبح اس یہودی کے پاس لے گئے اور اس کا سارا حساب ادا کر دیا۔ یہودی بھی حیرت میں رہ گیا۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ مال باقی ہے؟ عرض کیا ابھی تو بہت باقی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سب کو تقسیم کر دو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تھوڑا سا تقسیم کر کے باقی اس خیال سے روک لیا کہ کل پھر کوئی مصیبت پیش آئے گی اس میں کام دے گا۔ جب بلال رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ سب تقسیم ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا آدمی کم آئے تھے اس لئے بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک وہ سارا مال ختم نہیں ہوگا میں گھر نہیں جاؤں گا چنانچہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں گزاری مکان تشریف نہیں لے گئے۔ (۱)

بہر حال اس حدیث کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین جود کا ذکر ہے۔ پہلا جود تو اجود الناس سے معلوم ہوا اور دوسرا اجود ما یکون فی رمضان سے معلوم ہوا تھی کہ ماہ رمضان میں قرض لے کر بھی لوگوں کو کھلایا کرتے تھے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب مسرت ہوتی ہے تو آدمی خوب خرچ کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان میں زیادہ خوشی و مسرت ہوتی تھی۔

حین یلقاہ جبرئیل:

تیسرا جود اس جملہ سے معلوم ہوا کہ رمضان میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو اس وقت کے جود کا حال نہ پوچھو اس وقت صفت جود اور بڑھ جاتی ہے۔

فیدارسہ القرآن:

یدارس فعل مضارع کا صیغہ ہے مدارسۃ سے جو باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اس کے معنی دور کرنے کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور فرمایا کرتے تھے اور یہی ان حفاظ کی دلیل ہے جو رمضان شریف میں دور کرتے ہیں۔

(۱) اخرجہ ابو داؤد مفصلا فی باب الامام یقبل ھدایا المشرکین

Maktaba Tul Ishaat. com

یہاں القرآن کا لفظ اپنے ظاہری معنی کے لحاظ سے یہ چاہتا ہے کہ ہر رمضان میں پورے قرآن کا دور فرماتے تھے۔ اور یہی ایک جماعت کی رائے ہے کہ رمضان میں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دور ہوتا تھا اور رمضان کے شریف کے علاوہ بقیہ ایام میں آیات وسور علی حسب الضرورۃ اترتی رہتی تھیں۔ مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ قرآن سے مراد ما نزل ہے اس لئے کہ اگر پورے قرآن کا دور فرماتے تو یہ قصہ افک میں اتنی پریشانی کیوں برداشت کرنی پڑتی کیونکہ واقعہ افک ۶ھ کے اندر ہے تو اگر چھ سال تک دور کیا تھا تو ساری بات گویا پہلے ہی سے معلوم تھی پھر اتنی پریشانی کیوں ہوئی؟ ایسے ہی یسئلونک عن الروح میں سکوت نہ فرماتے۔ یہ دونوں باتیں دلیل ہیں اس بات پر کہ صرف اسی کا دور ہوتا تھا جس قدر کہ وحی میں نازل ہو چکا تھا اور میری بھی یہی رائے ہے۔

فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلہ:

چونکہ ہوا بادل کو لاتی ہے اور اس سے پانی برستا ہے جو ان کثیر نعمتوں کے پیدا ہونے کا سبب ہے اس لئے اس کثرت خیر کو ریح مرسلہ سے تشبیہ دیدی۔ یعنی ہوا جو کہ اتنی خیرات کثیرہ کا سبب ہوتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ خیر کے سخاوت کرنے والے تھے یہاں پہنچ کر روایت پر تو کلام ہو چکا ہے اب یہاں اس کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت ثابت کرنی ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ واجود مایکون فی رمضان میں لفظ رمضان سے ترجمہ ثابت ہے اس لئے کہ تم نور الانوار میں پڑھ چکے ہو کہ قرآن پاک سماء دنیا پر رمضان میں نازل ہوا۔ تو اس لفظ رمضان میں کیفیت بدو وحی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ سب سے پہلے جو وحی کی بدائت کی کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ رمضان میں پورا لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل ہوا۔ یعنی بدء زمانی کی طرف اشارہ ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ یلقاہ سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ لقاء اپنے عموم کی وجہ سے لقاء بوقت ابتداء وحی کو بھی شامل ہے۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باب کا مقصود عظمت وحی کو بیان کرنا ہے لہٰذا حضرت فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ وحی (قرآن) کی عظمت یہ بتلائی کہ اس کا دور حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے۔ بس یہ مدارستہ ہی عظمت کے لئے کافی ہے۔

اور چوتھا قول میں یہ نقل کیا کرتا ہوں کہ باب کی غرض ان اوصاف جلیلہ عالیہ کو ذکر کرنا ہے جو نزول وحی کا سبب ہیں۔ حدیث پاک میں تین مراتب جود کے بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ گزر چکا تو مقصد یہ ہے کہ وہ صفات عالیہ ہیں جس پر نزول وحی مرتب ہوئی۔ اور جن شراح کے نزدیک ترجمہ کی غرض صرف وحی کو ثابت کرنا ہے ان کے یہاں حدیث کی مناسبت ترجمہ سے ظاہر ہے۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے پر بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ مقصود مجموعہ روایات سے مجموعہ ترجمہ کو ثابت کرنا ہے نہ کہ ہر ہر روایت سے۔ اور جن کے نزدیک ترجمہ کی غرض بدء امر یعنی امر دین کی ابتداء بیان کرنی ہے ان کی رائے پر بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس روایت میں ابتداء امر کا تذکرہ موجود ہے۔

حدثنا ابو الیمان:

اس حدیث کو حدیث ہرقل سے تعبیر کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو زمانہ مکی زندگی کا گزرا ہے وہ تیرہ برس ہے اور نہایت شدت

Maktaba Tul Ishaat. com

وسختی اور بہت ہی اذیتوں کا زمانہ ہے اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور پھر اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا الآیۃ کے ذریعہ سے مدافعانہ جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔ بدر، احد، احزاب، خندق وغیرہ یہ تمام جہاد اسی وقت ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ کے اندر خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں عمرہ کی غرض سے داخل ہوئے چونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا خواب وحی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی خوشی ہوئی کہ اب چل کر اپنے گھروں کو دیکھیں گے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ کے اندر عمرہ کے واسطے تشریف لے گئے، لیکن چونکہ ہر خواب کا فوراً پورا ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے حدیبیہ میں پہنچ کر کفار نے عمرہ کرنے سے روک دیا۔ اور مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور تمام دیہات وغیرہ سے آدمی لڑنے کے لئے بلا لئے اور کہا کہ ہم امسال عمرہ نہ کرنے دیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی لڑتے رہتے ہیں اور تم بھی لڑتے رہتے ہو کچھ دن کے واسطے لاؤ صلح ہی کر لیں۔ چنانچہ دس سال کی مدت پر صلح فرمالی۔ اب یہ کہ شرائط صلح کیا تھیں وہ اپنی جگہ پر آجائیں گی۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان شرائط پر بہت طیش آرہا تھا اسی طیش کی حالت میں خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! کفار باطل پر نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں باطل پر ہیں۔ یہی سوالات بعینہٖ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طیش کی حالت میں جا کر کئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی جوابات دیئے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔ جیسا کہ میں نسبت اتحادیہ کے ذیل میں بیان کر چکا ہوں۔ بہر حال ان لوگوں سے صلح ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مدت میں ہمیں دوسروں سے نمٹنے دو اگر ہم ان پر غالب آگئے تو پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے کرنا اور اگر انہوں نے ہمیں ختم کر دیا تو تم راحت سے ہو جاؤ گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت کریمہ سنائی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا اگر چہ علماء نے اس کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے بعض کے نزدیک اس سے فتح مکہ مراد ہے لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ اس سے یہی قصہ مراد ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! کیا میں ساری دنیا سے پیاری سورت تم کو نہ سناؤں؟ عرض کیا کہ سنائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طیش آہی رہا تھا کہنے لگے یارسول اللہ! کیا یہی فتح مبین ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں یہی فتح مبین ہے۔ چونکہ یہ صلح بہت سی فتوحات اور بالخصوص فتح مکہ کا مقدمہ ہے اور مقدمۃ الشئی کا حکم نفس شے کا ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو فتح مبین سے تعبیر فرمادیا۔

یہ واقعہ ماہ ذی قعدہ ۶ھ کا ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ سے جب امن ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ان یہود کو نکالا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غزوہ بدر و احزاب میں کفار کی مدد کی تھی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں تھیں۔ اسی میں محرم ۷ھ کے اندر غزوۂ خیبر واقع ہوا۔ اسی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقطار ارض میں مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی والا نامہ جات بھیجے انہی میں ایک والا نامہ قیصر روم کے نام تھا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت اخیر ذی الحجہ میں بھیجا تھا جس کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ابتدائے محرم میں لے کر پہنچے تھے۔ اس حدیث کے اندر اسی

Maktaba Tul Ishaat. com

خط کا تذکرہ ہے۔ ہرقل روم کا بادشاہ تھا اور یہ نصرانی اہل کتاب میں سے تھا۔ ان کی لڑائی ملک فارس کے بادشاہوں سے ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ غالب آگئے۔ اور اہل روم مغلوب ہوگئے۔ اسی کا ذکر قرآن پاک میں الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ میں ہے۔ بہر حال قرآن پاک کے وعدہ کے مطابق اس کے بعد اہل فارس مغلوب ہوئے اور رومی غالب آگئے تو اس کے شکرانہ میں ہرقل شاہ روم بیت المقدس آیا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کا والا نامہ وہاں پہنچا۔ چونکہ قریش حضور اکرم ﷺ کے ساتھ لڑائیوں میں گھرے رہتے تھے اور کہیں سفر وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب صلح حدیبیہ ہوگئی تو وہ بھی سفر کے لئے نکلے ان میں ابوسفیان کا قافلہ انہی ایام میں جب کہ قیصر وہاں موجود تھا بغرض تجارت شام پہنچا ہوا تھا جب والا نامہ ہرقل کو ملا تو اس نے ان لوگوں کو اپنے سامنے بلایا اور ابوسفیان کو آگے باقی اس کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور یہ اس نے اس لئے کیا تا کہ سامنے ہونے کی صورت میں جو اشارہ بازی ہوتی ہے وہ نہ ہوسکے۔ اس کے بعد اس نے دس سوال کئے اور وہ نمبروار جواب دیتے رہے۔

ھرقل:

یہ بکسر الہاء وفتح الراء وسکون القاف وبکسر الہاء وسکون الراء وکسر القاف دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ یہ روم کے بادشاہ کا نام ہے اور وہاں کے بادشاہوں کا لقب قیصر ہوا کرتا ہے۔ جیسے فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان روایتوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا جن میں بعض میں تو قیصر کا لفظ ہے اور بعض میں ہرقل کا لفظ ہے۔ (۱)

یہ حدیث اسی مناسبت سے حدیث ہرقل کہلاتی ہے۔ اس کو امام بخاری نے تیرہ جگہ ذکر فرمایا ہے تین جگہ مفصل اور دس جگہ اختصار کے ساتھ کچھ کچھ ٹکڑے۔ تفصیل کے ساتھ ایک تو یہاں تمہارے سامنے موجود ہے اور دوسرے صفحہ ۴۱۲ پر اور تیسرے صفحہ ۶۵۳ پر آئے گی۔

فاتوہ:

یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی قیصر کے پاس آئے، یا قیصر کے فرستادے ابوسفیان کے پاس آئے۔

وھم بایلیا:

اس ھم کے اندر بھی دونوں احتمال (مذکور) ہیں یا تو قیصر اور اس کے اتباع مراد ہیں یا پھر ابوسفیان اور اس کے ساتھی۔ (۲)

وحوله عظماء الروم:

أي من عمائد السلطنة واراكين الدولة ومن الاساقفة والرهابنة.

دعا بترجمانه:

اور ترجمان اس لئے بلایا کہ ابوسفیان وغیرہ عربی تھے ان کی زبان بھی عربی تھی اور قیصر وغیرہ کی زبان یونانی افرنجی تھی۔

---

(۱) بعض تقاریر میں مندرجہ ذیل مضمون کا بھی اضافہ ہے۔ فلیفتش اگر چہ بعض محدثین نے اس پر حمل کیا ہے کہ نامہ مبارک ایک تو ہرقل کے پاس بھیجا گیا اور ایک قیصر کے پاس روانہ کیا گیا مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی والا نامہ تھا جو ہرقل کے پاس بھیجا گیا اور جو اس بادشاہ کا نام بھی ہے اور لقب بھی۔

(۲) وجزم الشيخ رحمه الله في تراجمه بالاحتمال الاول ولم يذكر الثاني.

Maktaba Tul Ishaat. com

ایکم اقرب نسبا:

اقرب النسب کو اس لئے پوچھا کہ قریب کا آدمی جس قدر حالات سے مطلع ہوگا دوسرا (اس قدر) نہیں ہوسکتا اس لئے کہ قریبی آدمی کا ہر وقت رہنا سہنا معاملہ وغیرہ ہوتا ہے۔

فقال ابو سفیان قلت انا اقربهم نسبا:

اور یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان اور حضور اقدس ﷺ کے دادا پانچویں پشت میں ایک ہو جاتے ہیں۔ تو گویا پانچویں پشت میں آ کر ابوسفیان حضور اقدس ﷺ کا چچازاد بھائی ہو جاتا ہے ابوسفیان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور حضور اقدس ﷺ کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ پھر عبد مناف کے چار لڑکے ہوئے۔ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل۔ عبد شمس سے ابوسفیان تھا اور بنو ہاشم کی اولاد سے حضور اقدس ﷺ تھے۔

فاجعلوهم عندظهره:

اي ظهر ابی سفیان ابوسفیان کی پشت پر اس لئے کر دیا کہ ممکن ہے ابوسفیان کوئی سچ بات کہنا چاہے تو یہ لوگ سامنے ہونے کی وجہ سے اشارہ وغیرہ سے منع کر دیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس نے پیچھے کر دیا کہ اگر سامنے ہوتے اور وہ کوئی بات معلوم کرنا چاہتا تو ممکن ہے کہ سامنے ہونے کے سبب حجاب اظہار حق سے مانع ہوتا۔

فو الله لولاالحیاء من ان یاثروا:

یعنی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اگر میں نے جھوٹ بول دیا تو وہ پردۂ راز میں نہیں رہے گا۔ بلکہ افشا ہو کر رہے گا اور مجھے اس کا بھی خوف نہ ہوتا کہ محمد ﷺ کا تو کچھ نہیں ہوگا اور میں رسوا ہو جاؤں گا اور نہ معلوم میرے جھوٹ پر کتنے قصائد لکھے جائیں گے تو میں جھوٹ بول دیتا۔

ثم کان اول ماسألنی:

قیصر نے دس چیزوں کے متعلق سوال کیا جو آ رہی ہیں۔

ذو نسب:

وہ تو بڑے شریف نسب والے ہیں۔

هذا القول منکم احد قبله قط:

یہ دوسرا سوال ہے یہاں اشکال یہ ہے کہ لفظ قط کلام منفی کے اندر تاکید کے لئے ہوتا ہے اور یہاں کلام مثبت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے۔

قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفائهم:

یہ چوتھا سوال ہے۔ یہاں ہرقل نے جو یہ سوال کیا کہ شرفاء نے حضور اکرم ﷺ کا اتباع کیا ہے یا ضعفاء نے؟ تو اس سے شرافت نسبی مراد نہیں بلکہ شرافت فی اعین الناس مراد ہے۔ ورنہ تو حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سارے کے

Maktaba Tul Ishaat. com

سارے قریش تھے۔

قلت بل ضعفائهم:

اس پر اشکال یہ ہے کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات اکابر تھے ان کو ضعفاء میں کیسے شمار کیا۔ پہلا جواب یہ ہے کہ غالب کے اعتبار سے کہہ دیا دوسرا جواب یہ ہے کہ ضعفائهم کا مقابل ان کے نزدیک وہ لوگ ہیں جن کی ناک بہت اونچی ہوتی ہے اور اپنے آپ کو خود بھی بڑا سمجھتے ہیں اور یہ حضرات ان میں سے نہیں تھے۔

ایزیدون ام ینقصون؟

یہ سوال خامس ہے۔

قال فهل یرتد احد منهم سخطة لدینه:

یہ سوال سادس ہے یعنی کیا ان میں سے کوئی ان کے دین سے بیزار ہو کر مرتد ہوتا ہے اور پھر اپنا آبائی دین اختیار کر لیتا ہے؟ یہ سوال اس نے اس وجہ سے کیا کہ کسی دین کے چھوڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں مثلاً کوئی مالدار کسی کو یہ کہہ دے کہ اگر تو اپنا دین چھوڑ دے تو تجھے مال و دولت دوں گا۔ یا کوئی کسی عورت پر اس کے عشق کی وجہ سے اس کا دین اختیار کرے اور ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ عورت سے شادی کرنے کے واسطے مسلمان سے کافر اور کافر سے مسلمان ہو جاتے ہیں لہٰذا اس نے یہ سوال کیا کہ دین سے بیزار ہو کر تو کوئی اس کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ اگر دین کے اندر خامی پا کر مرتد ہو جائے تو یہ اس دین کے نقصان کی دلیل ہوگی۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ چند مسلمان ایسے تھے جو بعد میں مرتد ہو گئے تھے مثلاً عبیداللہ بن جحش وغیرہ۔ لہٰذا ان کا انکار کرنا کیسے صحیح ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے اپنے سوال میں سخطة لدینه کہا تھا یعنی اپنے دین سے ناراض ہو کر مرتد ہوا ہو۔ اور ایسا کوئی نہیں بلکہ یہ لوگ کسی اور وجہ سے مرتد ہوئے ہیں۔

فهل کنتم تتهمونه بالکذب:

یہ ساتواں سوال ہے ایک تو ہوا کرتا ہے کسی کا کاذب ہونا مثلاً کوئی جھوٹ بولنے کے اندر مشہور ہو۔ اور لوگ جانتے ہوں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جھوٹ بولنا تو ثابت نہ ہو مگر لوگ اس کو کسی وجہ متہم بالکذب کرتے ہوں۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے ادون ہے تو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متہم بالکذب نہ تھے تو کاذب تو بدرجہ اولیٰ نہ ہوں گے اس لئے ان سے نوعیت سوال یہ اختیار کی گئی۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو متہم بالکذب نہیں سمجھتے۔

قال فهل یغدر:

یہ آٹھواں سوال ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو عہد معاہدہ ان کے اور تمہارے درمیان ہوتا ہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) بد عہدی کرتے ہیں۔ ابوسفیان نے اسکی بھی نفی کر دی۔

قال ولم تمکنی کلمة ادخل فیها شیئا غیر هذه الکلمة:

ابوسفیان یہ کہتا ہے کہ میرا تو بس یہ جی چاہتا تھا کہ بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہوں اور خوب جھوٹ تراشوں مگر کیا کروں موقعہ

Maktaba Tul Ishaat. com

ہی نہیں ملا کہ میں کچھ کہتا اس لئے کہ وہ سارے کے سارے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر میں کچھ کہہ دیتا تو یہ جاکر لوگوں سے کہہ دیتے کہ اس نے تو شاہ روم کے سامنے جھوٹ بولا تھا اس ڈر سے مجھ کو موقعہ ہی نہیں ملا مگر ہاں اتنی بات کا موقعہ مل گیا کہ جب ہرقل نے پوچھا کہ محمد غدر کر سکتے ہیں؟ تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں لیکن نہ معلوم اس مدت میں کیا کر گزریں گے اور اس مدت سے مراد وہی صلح حدیبیہ والی مدت ہے، مگر اس کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں کچھ کردیں۔ اسلئے کہ جس نے اب تک تو کیا نہیں وہ اب کیا کرے گا اور بالخصوص حضور اقدس ﷺ۔ یہ ابوسفیان کے اعتراف کے مطابق خود ان کی دسیسہ کاری تھی۔

قال فهل قاتلتموه:

یہ نواں سوال ہے۔

الحرب بيننا و بينهم سجال:

شراح کی رائے یہ ہے کہ عرب کے اندر بڑے بڑے ڈول ہوتے ہیں۔ ایک ہی آدمی اس کو برابر نہیں کھینچ سکتا۔ اس لئے نوبت بنوبت کھینچتے ہیں، ایک نے اس مرتبہ کھینچا دوسرے نے دوسری مرتبہ اسی طرح باری باری ہوتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ کبھی ان کو غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ پہلے یہ دستور تھا کہ کنویں کے اوپر چرخہ ہوتا تھا جس پر ایک رسی بندھی ہوتی تھی اور دونوں جانب بڑے بڑے ڈول لگے ہوتے تھے جب ایک طرف سے خالی ڈول کنویں میں جھکا دیا جاتا تو دوسری طرف سے خود بخود بھرا ہوا اوپر آجاتا۔ اور اس میں آسانی ہوتی تھی اس لئے کہ اوپر کھینچنا مشکل ہوتا ہے بہ نسبت نیچے لٹکانے کے۔ تو مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ اوپر اور کبھی ہم۔ بہرحال مطلب دونوں کا ایک ہے مگر میرے نزدیک یہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس صورت میں ایک کا دوسرے پر یکے بعد دیگرے غلبہ وضاحت کے ساتھ ڈول کے اوپر نیچے ہونے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

علامہ بلقینی فرماتے ہیں کہ یہاں ابوسفیان نے دسیسہ کاری کی۔ کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں پر کفار غالب ہوئے ہوں۔ حافظ ابن حجر وغیرہ شراح فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے صحیح کہا ہے اور ایسا ہوا ہے کہ مسلمان کبھی مغلوب ہو جائیں جیسا کہ غزوۂ احد میں۔ اور کبھی غالب جیسے کہ غزوۂ بدر اور کبھی دونوں برابر رہے جیسے غزوۂ احزاب کے اندر۔

ينال منا و ننال منه:

یہ تصریح ہے اس مفہوم کی جو الحرب بيننا و بينهم سجال سے مراد ہے۔

ماذا يامركم:

یہ دسواں سوال ہے۔

فقال للترجمان:

اب یہاں ہرقل ان سوالوں کے متعلق جو اس نے ابوسفیان سے کئے تھے اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہے کہ جو سوالات میں نے کئے اور ان کے جوابات تم نے دیئے ہیں وہ نبی کے اوصاف ہوا کرتے ہیں یہاں یہ یاد رکھو کہ اس سوال کی جو ترتیب ہے ہرقل نے ان سوالوں کے

Maktaba Tul Ishaat. com

متعلق جب اپنا عندیہ ظاہر کیا تو وہ ترتیب نہیں باقی رہی بلکہ ایک دو جگہ تغیر بھی ہوگیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ہرقل کے دس سوالات اور ان کے جوابات ابوسفیان کی طرف سے دیئے ہوئے ذکر کیے گئے ہیں اور پھر ہرقل نے اپنے ہر سوال کی وجہ بیان کی۔ ان میں سے نویں سوال کی وجہ اس حدیث میں ذکر نہیں کی گئی۔ بلکہ صرف نو سوالوں کی وجہ مذکور ہے۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ یہ کسی راوی کا تصرف ہے یا اس کو نسیان ہوگیا۔ ورنہ ص ۴۱۲ پر یہ حدیث دوبارہ آرہی ہے وہاں نویں سوال کی وجہ مذکور ہے۔

فکذالک الرسل:

یعنی اسی طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان میں مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ یہ اول سوال کے متعلق ہے۔

قلت رجل یطلب ملک ابیه:

یہ اس لئے کہ ملک بغیر اعوان و انصار کے تو حاصل نہیں ہوسکتا بہت ممکن ہے کہ مددگار پیدا کرنے کے واسطے یہ صورت اختیار کی ہو۔ (کہ نبوت کا دعویٰ کیا)

وسالتک هل کنتم تتهمونه بالکذب:

یہ مضمون سوالات کی ترتیب میں ساتویں نمبر پر تھا اور یہاں چوتھے نمبر پر آگیا۔

وسالتک اشراف الناس:

یہ سوالات کی ترتیب میں چوتھے نمبر پر تھا۔ یہاں پانچویں نمبر پر آگیا۔ یاد رکھو کہ جو ترقی ضعفاء سے شروع ہوکر اقویاء کی طرف جاتی ہے وہ قوی ہوا کرتی ہے اس لئے کہ وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو شہرت اغنیاء کی طرف سے ہوتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے کیونکہ وہ محض ان کے پروپیگنڈے سے ہوتی ہے۔ (۱)

وکذالک الایمان حین تخالط:

جیسے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایمان کی محبت قلب کی گہرائی تک پہنچ چکی تھی کہ گرم پتھروں پر احد احد کہتے تھے۔

---

(۱) اور اس کے مناسب حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ ملفوظ ہے کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہوکر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا۔ کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے حق تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملائے اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملائے اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملائے اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو بس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانے میں سب سے اچھے تھے اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے۔ اور اخیر میں اچھے اور برے سب زیر اثر آگئے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ماننے والے کچھ منافقین بھی تھے اور اسی بناء پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے بعد وہ جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہوگئے اور آپ ﷺ کی مقبولیت بہت ہی عام ہوگئی۔ ماخوذ از کتاب ارواح ثلثة ص ۱۳۲ مطبوعہ اشاعت العلوم سہارنپور شاهد غفرله۔

Maktaba Tul Ishaat. com

وکذالک الرسل لاتغدر:

ہرقل نے ابوسفیان کی اس دسیسہ کاری کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جو ان سے کی تھی اس لئے یہ وہم محض تھا۔

ولم اکن اظن انہ منکم:

یعنی مجھ کو یہ تو یقین تھا کہ نبی آخرالزماں پیدا ہونگے مگر یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تم میں سے پیدا ہونگے بلکہ میرا یہ خیال تھا کہ کسی حافظ توراۃ یا حافظ انجیل کے یہاں ہوں گے۔

انی اخلص الیہ:

یعنی بآسانی پہنچ سکتا اور کوئی مانع نہ پیش آتا۔

لتجشمت لقائہ:

تو میں ان کی ملاقات کے لئے مشقت برداشت کرتا۔

لغسلت قدمیہ:

یعنی انکے قدم مبارک دھو کر پیتا۔

ثم دعابکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور اقدس ﷺ نے یہ والا نامہ اخیر ذی الحجہ ۶ھ میں ارسال فرمایا جو محرم ۷ھ میں پہنچا۔ کیونکہ اس وقت ہوائی جہاز وغیرہ تو تھے نہیں اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اور اب تو عشاء کی نماز بمبئی میں پڑھو اور جہاز پر سوار ہو کر فجر کی نماز جدہ میں پڑھو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ:

یہ حضور پاک ﷺ کے نامہ مبارک کا عنوان تھا یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے خط کا ذکر فرمایا ہے جس میں ہے اِنَّـهٗ مِنْ سُلَيْـمَانَ وَاِنَّـهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا نام بسم اللہ پر مقدم فرمایا ہے اور یہاں حضور پاک ﷺ نے بسم اللہ کو مقدم فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط تھا اور یہ سید الرسل ﷺ کا مکتوب مبارک ہے اور دونوں کے اندر واضح فرق ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے اِنَّـهٗ مِنْ سُلَيْـمَانَ قرآن پاک کے اندر حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا عنوان نہیں بلکہ خط تو فقط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ہے اور جملہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے خط کا مضمون یہ تھا اور یہی حقیقی جواب ہے۔ جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِـهٖ تک ہرقل کے یہاں پڑھا جا چکا تو اس کا بھائی بہت خفا ہوا کہ یہ کون بے ادب ہے جس نے اپنا نام بادشاہ کے نام سے پہلے لکھا۔ ہرقل نے اس کو خاموش کر دیا کہ چپ ہو جاؤ۔ اگر یہ وہی شخص ہے تو اس کو ایسا ہی لکھنا چاہئے۔

الی ھرقل عظیم الروم:

اس لفظ پر بھی اس کا بھائی بہت غصہ ہوا مگر ہرقل نے اس کو خاموش کر دیا کہ اگر وہ ایسا ہی ہے تو اس کو ایسا ہی لکھنا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

سلام علی من اتبع الھدی:

یادرکھواگرکوئی کافرسلام کرےاوراس کا جواب دیناہوتو یہی جواب دےیعنی سلام علی من اتبع الھدی کہےاس طرح اگرکسی کافرکوسلام لکھناہوتو یہی لکھے۔

ادعوک بدعایۃ الاسلام:

دعایۃ مصدر ہے۔دعوۃ اوردعایۃ دونوں ایک ہیں۔بمعنی بلانا

اسلم تسلم:

علماء نے اس جملہ کوجوامع الکلم میں شمارکیا ہے کہ ایک لفظ کے اندرسب کچھ فرمادیا۔

یوتک اللہ اجرک مرتین:

تم روایات میں پڑھ چکے ہواورآگے بخاری میں بھی آرہا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کودوہرااجر ملے گااس میں ایک وہ بھی ہے جواپنے نبی پرایمان لایااورپھرمیری تصدیق کرکے مجھ پرایمان لایا۔اس پرمزیدوہاں کلام ہوجائے گاجہاں روایت آئے گی۔

فان علیک اثم الیریسیین:

یہاں پردونسخے ہیں ایک یریسیین یا کے ساتھ دوسرے اریسیین الف کے ساتھ اول یریس اورثانی اریس کی جمع ہے جس کے معنی اکارکے ہیں یعنی کاشتکارکھیتی کرنے والاچونکہ اکثراہل روم کاشتکارتھےاس لئےصرف انہی کوذکرفرمایااورمراداس سے رومی ہیں۔اوران لوگوں کاگناہ بادشاہ پراس لئےہوگاکہ لوگ اپنے بادشاہوں کی اقتداءکرتے ہیں۔اب اگروہ ایمان لاتاتواس کی تمام لوگ اقتداءکرتے اوراگرایمان نہیں لاتاتووہ بھی اس کی اقتداءمیں ایمان نہ لائیں گے۔وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُمَنْ عَمِلَ بِھَا

یااھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا الآیۃ:

اس کےاندراختلاف ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت تک نازل ہوچکی تھی یانہیں یعنی حضوراقدس ﷺ نےخودتحریرفرمائی اورپھربعدمیں نازل ہوئی یایہ کہ پہلے نازل ہوچکی تھی بعدمیں آپ ﷺ نےتحریرکروائی۔ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں پہلے نازل ہوچکی تھی بعدمیں آپ ﷺ نےاس کوتحریرکرایا۔امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے یہاں توانہوں نےاس کااظہارنہیں کیاالبتہ کتاب الجہادمیں انہوں نےاس مضمون کےتحت کہ قرآن کاارض عدومیں لےجاناجائزہے یانہیں؟یہ روایت ذکرفرمائی ہے۔اورایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس وقت تک یہ آیت نازل نہ ہوئی تھی بلکہ حضورپاک ﷺ کی غایت فصاحت ہے کہ جولکھاوہی نازل ہوا جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نےحضورپاک ﷺ کےتحریرکرانےسےقبل ہی کہہ دیاتھافَتَبَارَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن حضور ﷺ نےفرمایاکہ اس کوبھی لکھ لوتوجب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کےمنہ سےایساجملہ نکل سکتاہےتوآپ ﷺ کی زبان سےبدرجہ اولیٰ نکل سکتاہےحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کایہ فرمانافَتَبَارَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن خودان کےحق میں توباعث شکرہوالیکن عبداللہ بن سعدبن ابی سرح[1] یہ کہہ کرمرتدہوگیاکہ بس جی جس کی زبان سےجوبھی اچھاکلمہ نکلابس کہہ دیاکہ اسی کولکھ لو۔اس آیت پر

---

(۱)ملاحظہ ہولامع الدراری ۷۲/۳

Maktaba Tul Ishaat. com

مزید اشکال یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت ہے لہٰذا ناپاک اور جنبی کو کیوں لکھ دی گئی؟ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت شریفہ نہیں بلکہ خود حضور اکرم ﷺ کا کلام ہے اور توارد کے قبیل سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مقدار قلیل ہے اور ایک دو آیت کی گنجائش ہے۔

كثر عنده الصخب:

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہرقل تو ساری باتوں کی تصدیق کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے سیملک موقع قدمی هاتین تو وہ شور کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا۔

واخرجنا:

اس خوف سے کہ ہم پر کوئی حملہ نہ کردے۔

لقدامر امر ابن ابی كبشة:

یعنی ابن ابی کبشہ کا کام تو بہت بلند ہو گیا کہ روم کا بادشاہ تک خوف کرنے لگا اور اس سے مراد حضور پاک ﷺ ہیں کہ آپ ﷺ کی تبلیغ کا کام نہایت تیز اور بلند ہو رہا ہے اور آپ کو ابن ابی کبشہ سے تعبیر یا تو اس وجہ سے کیا کہ ابو کبشہ ایک شخص تھا جس نے عبادۃ اوثان ترک کر کے توحید اختیار کی تھی تو آپ ﷺ کو بھی توحید اختیار کرنے کی مناسبت سے اس کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ آپ ﷺ بھی اس کی تقلید کرتے ہیں جیسے کہ بیٹا اپنے باپ کی کرتا ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ابو کبشہ حضرت حلیمہ سعدیہ حضور اکرم ﷺ کی مرضعہ کے خاوند کی کنیت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے نانا کی کنیت ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی رضاعی والدہ کے دادا کی کنیت ہے (۱) اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے آباؤ اجداد میں کسی کی کنیت ابو کبشہ تھی اس کی طرف نسبت ہے۔ غیر معروف کی طرف نسبت تحقیر و استہزاء کے لئے کی گئی۔

انه ليخافه ملک بنی الاصفر:

ارے! ابو کبشہ کے بیٹے کا کام تو اتنا پکا ہے کہ ہرقل یہاں بیٹھا ہوا باوجود اتنی بڑی سلطنت کے ڈر رہا ہے اور ہم اب تک اس سے لڑ رہے ہیں۔

فمازلت موقنا انه سيظهر:

یعنی یہ دیکھ کر کہ ہرقل بھی باوجود اتنی بڑی سلطنت ہونے کے ڈرتا ہے تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو غلبہ ہوگا۔

وكان ابن الناطور:

یہ امام زہری کا مقولہ ہے جس کو امام صاحب تکمیل قصہ کے واسطے بیان فرما رہے ہیں۔ ابن الناطور بہت بڑا عالم تھا اور کسی جگہ کا گورنر تھا۔ یہ قصہ ابوسفیان (۲) کے گزشتہ واقعہ سے پہلے پیش آیا۔

---

(۱) اس میں قدرے تجوز اختیار کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ کنیت بعض نے حلیمہ سعدیہ کے باپ کے چچا کی ذکر کی ہے۔ قال النووی نقلا عن ابن ماکولا قيل كبشة عم والد حليمة مرضعته ﷺ انتهى۔

(۲) واليه يميل مولانا الگنگوهی. لامع ۱ / ۱۰

Maktaba Tul Ishaat. com

صاحب ایلیاء وھرقل:

ہرقل کا عطف ایلیاء پر ہے اور ایلیاء کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں صاحب کے معنی گورنر کے ہوں گے اور ہرقل کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں ساتھی اور دوست کے معنی ہوں گے۔ بطریق عموم مشترک یا عموم مجاز کے۔ ایلیاء یہ سریانی لفظ ہے علماء نے اس کے معنی بیت اللہ کے لئے ہیں اس طرح پر کہ ایل بمعنی اللہ اور یاء کے معنی بیت کے ہیں جبرئیل وغیرہ کے اخیر میں جو ایل ہے اس کے معنی بھی اللہ ہی کے ہیں۔

سقف علی نصاری الشام:

یعنی اسقف بنا دیا گیا شام کے نصاری پر۔ اسقف ہمارے یہاں پوپ کو کہتے ہیں تو گویا بہت بڑا پوپ اور پادری تھا۔ یہ لفظ تین طرح پڑھا گیا ہے۔ اسقف رفع کے ساتھ اس صورت میں خبر ہوگی مبتدا محذوف کی۔ دوسرے سقفا بحالت نصب اس وقت خبر ہوگی کان ابن الناطور کی اور تیسرے سقف علی بناء المفعول۔ یعنی ان پر پوپ مقرر تھا، سب کا باوا تھا۔

حین قدم ایلیاء:

ہرقل اس وقت بیت المقدس بغرض ادائے شکر آیا ہوا تھا۔

فقال بعض بطارقته:

بطارقہ بطریق کی جمع ہے جس کے معنی اخص الخواص کے آتے ہیں۔

حزاء:

یعنی ہرقل نجومی تھا۔

ملک الختان:

سے مراد وہ لوگ ہیں جو ختنہ کرتے ہیں۔

انی رایت اللیلة حین نظرت فی النجوم ان ملک الختان قد ظھر:

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اگر ہرقل کو ملک الختان کا ظہور دیکھنا تھا تو وہ حضور پاک ﷺ کی ولادت مبارکہ کے وقت دیکھتا یا جب آپ ﷺ پر غار حرا میں جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اس وقت دیکھتا۔ اب جب کہ نبوت کو ملے ہوئے تیرہ سال ہو گئے اور حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ بھی شریف لے گئے اور ٦ ھ میں صلح حدیبیہ بھی واقع ہوگئی اور آپ ﷺ نے والا نامے روانہ فرمانے شروع کئے تو اتنی مدت کے بعد ملک الختان قد ظھر کا کیا مطلب ہے۔ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ظہور سے مراد بعثت نہیں بلکہ اس سے غلبہ مراد ہے کیونکہ اسی سال صلح حدیبیہ سے واپسی پر آیت کریمہ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِیْناً نازل ہوئی تھی تو صلح حدیبیہ مقدمة الفتح بنی اور مقدمة الشی شیئ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔

لیس یختتن الاالیھود:

یہاں صرف یہود کو ذکر کر دیا کیونکہ اہل عرب ان کے یہاں کچھ شمار ہی نہیں ہوتے تھے اور جو کچھ ان کو حاصل ہوا وہ سب حضور ﷺ کی بدولت حاصل ہوا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

فلایھمنک شانھم:

یعنی یہود سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ کون سے شان وشوکت والے ہیں۔ ان کے ختم کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اکتب الی مدائن ملکہ یعنی اپنے ملک کے شہروں میں ایک حکم لکھ کر بھیجدو کہ وہ ان سب کو قتل کردیں۔ مدائن مدینہ کی جمع ہے جس کے معنی شہر کے ہیں۔

ثم کتب ھرقل الی صاحب لہ برومیہ:

ان صاحب کا نام ضغاطر ہے جب ہرقل کا خط ان کے نام پہنچا تو یہ اس کو پڑھ کر مشرف باسلام ہوگئے لیکن ان کی قوم نے ان کو وہیں قتل کردیا۔

حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یوافق رأی ھرقل:

ضغاطر کے پاس جب ہرقل نے خط لکھا تو اس نے ہرقل کو لکھا اور جو اس کی رائے تھی کہ وہ نبی ہیں سب کی تصدیق کی اور مسلمان ہوگیا۔ اس کی قوم نے اس کو قتل کردیا۔

دسکرہ:

یعنی بڑا محل اور قصر۔

فغلقت الابواب:

دروازے بند کردیئے گئے اور کنجیاں (تالیاں) اپنے پاس رکھ لیں اور اونچی جگہ پر چڑھا بیٹھا تھا ثم اطلع پھر وہاں سے ان کی طرف جھانکا اور قوم سے خطاب کر کے کہنے لگا۔ ھل لکم فی الفلاح یعنی اگر تم دنیا وآخرت کی فلاح چاہتے ہو تو نبی ﷺ کی اقتدا کرو۔ اگر تم نے ان کی اقتدا نہ کی تو ملک تو ہاتھ سے جاوے گا ہی آخرت کا بھی ناس ہوجائے گا۔

فوجدوھا قد غلقت:

اور کنجیاں ملی نہیں اس لئے کہ ہرقل نے اپنے پاس رکھ لی تھیں اور خود اوپر محفوظ جگہ میں بیٹھ گیا تھا۔ اگر کہیں نیچے ہوتا تو پیس ڈالتے۔

فکان ذالک آخر شان ھرقل:

ہرقل کے ابتدائی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا لیکن اس کے آخری مقولہ اختبر بھا شدتکم علی دینکم نے تمام کلام پر پانی پھیر دیا۔ اب اس کے اندر اختلاف ہوگیا کہ وہ مسلمان تھا یا نہیں فکان ذالک سے امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ تم خود فیصلہ کرلو کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ اگر میں پہنچ سکتا تو ضرور جاتا اور قدموں کو دھو کر پیتا اور ان کا غلبہ یہاں تک ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اس کے بالمقابل اس کا یہ کہنا کہ میں تو تمہاری شدت علی الدین دیکھ رہا تھا اور باوجود اظہار دین پر قادر ہونے کے اس کو ظاہر نہ کیا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی یہ سب باتیں چاہتی ہیں کہ وہ کافر ہو۔ جہت اولیٰ کو دیکھ کر بعض علماء جیسے حافظ ابن عبدالبر صاحب استیعاب کی رائے یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے جو یہ کہا اختبر بھا شدتکم علی دینکم یہ اپنی جان بچانے کے واسطے کہا تھا۔ اور اکثرین کی رائے جہت ثانیہ کو دیکھتے ہوئے یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا اگرچہ اس نے اسلام کی تمنا کی۔ لیکن محض تمنا سے کام نہیں ہوتا۔ ان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کے مقابلہ میں جنگ موتہ ۶ھ میں ایک لشکر بھیجا تھا اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ جنگ تبوک میں بھی اس نے حضور ﷺ کے مقابلہ میں ایک لشکر بھیجا تھا مگر جب دیکھا کہ

Maktaba Tul Ishaat. com

کافروں کو ناکامی ہو رہی ہے تو اس نے آپ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تھا کہ میں مسلمان ہوں مگر کیا کروں جان کے خوف سے ظاہر نہیں کرتا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کذب عدو اللہ مگر یہ روایت محدثین کی شرط کے مطابق نہیں۔

مگر اب یہاں ایک بات سنو! حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کی تیرہویں جلد کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بخاری شریف کے اندر مختلف باریکیاں اور دقائق ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ ہر کتاب کے ختم پر امام بخاری ایسا لفظ کہتے ہیں جس سے کتاب کے ختم پر اشارہ ہو چنانچہ حافظ نے ساری بخاری چھان ماری اور ہر کتاب کے آخر میں کوئی ایسا لفظ بتلا دیا جس سے اختتام کتاب کی طرف اشارہ ہو۔ جیسے یہاں فکان ذلک اٰخر شان ھرقل سے آخر کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں نے لامع کے مقدمہ میں حافظ کی اس رائے کو ہر باب کے آخر میں لکھ کر اپنی رائے بھی لکھی ہے کہ میرے نزدیک امام بخاری کا مقصود کتاب کے ختم کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ تم لوگوں کے اختتام کی طرف متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی اکثروا ذکرھا ذم اللذات تو ایسے ہی یہاں بھی اٰخر شان ھرقل الخ سے متنبہ کر دیا کہ اس کا انجام تو یہ ہوا کہ یا جنت ہے یا دوزخ تم بھی اپنے انجام کو سوچو اور اپنی شان آخرت کا خیال کرو۔ موت کو یاد کرو کہ وہ آنے والی ہے۔ لہٰذا خیرات اختیار کرو۔ حدیث پاک تو ختم ہو گئی۔ اب رہا یہ کہ اس کو باب سے کیا مناسبت ہے؟ اس کے جوابات سنو:

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے کیف کان بدؤ الوحی کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور اس روایت میں موحی الیہ ﷺ کا تذکرہ ہے لہٰذا بطور تکملہ کے اس کو ذکر فرمایا۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بھی وحی کے ابتدائی زمانوں میں پیش آیا اس لئے اس واقعہ کو بدؤ الوحی کے ساتھ نسبت و تعلق ہے۔ (۱)

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے اندر آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہرقل کے سوالات کے جوابات میں آیا ہے اور ابتدائے وحی اخلاق حمیدہ پر ہوئی تھی اس مناسبت سے اس باب کے اندر یہ حدیث ذکر کر دی گئی۔

چوتھا جواب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ باب کی غرض عظمت وحی کو بیان کرنا ہے اور حدیث ہرقل میں حضور ﷺ کے اوصاف عالیہ کو بیان کیا گیا جس سے آپ کی عظمت معلوم ہوتی ہے اور موحی الیہ کی عظمت سے وحی کی عظمت خود ظاہر ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ یوں منعقد فرمایا ہے۔ کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عزوجل اِنَّآ اَوْحَيْنَـآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ اور رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو اپنے والا نامے میں يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا الآیۃ لکھوایا تھا تو آپ ﷺ نے ان کو الکلمۃ السواء کی دعوت دی تھی اور الکلمۃ السواء خود ترجمہ میں مذکور ہے اس لئے کہ وہی حضرات انبیاء علیہم السلام کا کلمہ ہے کہ سارے جس کے داعی بنا کر بھیجے گئے تھے یعنی کلمہ توحید۔

---

(۱) اس جواب کی توضیح یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود وحی کے ابتدائی احوال کو بیان کرنا ہے کہ وحی ابتدائی امر میں کن کن منازل سے گزری ہے اور کیا کیا حالات پیش آئے ہیں۔ اب اس صورت میں احوال ابتدائیہ میں حدیث ہرقل بھی داخل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ واقعہ بھی ابتداء احوال میں پیش آیا جیسے کہتے ہیں کہ اسلام ابتداء امر میں غریب تھا اس کو کوئی قبول نہیں کرتا تھا اور جو کوئی قبول کرتا تو اس کی مخالفت ہوتی تھی یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے اوطان سے نکال دیا گیا، حاصل یہ ہے کہ ابتداء سے ابتداء آنی مراد نہیں بلکہ ابتداء زمانی ممتد مراد ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الایمان

تمام بخاری شریف میں کبھی کتاب سے قبل اور کبھی کتاب کے بعد بسم اللہ آئے گی جیسا کہ یہاں باب کے بعد ہے اور اس سے قبل باب سے پہلے تھی۔ اور بعض جگہ بالکل بے جوڑ بھی بسم اللہ آئے گی۔ حالانکہ نہ وہاں باب شروع ہوگا اور نہ کوئی دوسرا علیحدہ مضمون۔ اس کی وجہ تو اسی مقام پر بیان کی جائے گی جہاں وہ بے جوڑ آئے گی۔ لیکن جس جگہ باب سے قبل اور باب کے بعد بسم اللہ آئی ہے اس کی وجہ ہمارے نزدیک اختلاف نسخ ہے کہ کسی نسخہ میں باب سے پہلے ہے اور کسی دوسرے نسخہ میں باب کے بعد ہے۔

اب یہاں یہ سنو! کہ اصحاب جوامع یعنی محدثین اپنی کتاب کے اندر حدیث کے ابواب ثمانیہ کو ذکر کرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جامع کو کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں مثلاً مشکوۃ شریف اور مسلم شریف وغیرہ اور خود حضرت امام بخاری بھی اصحاب جوامع میں سے ہیں چنانچہ انہوں نے بخاری شریف کو کتاب الایمان سے اگرچہ شروع فرمایا ہے مگر ایک جدت یہ پیدا فرمائی کہ کتاب الایمان پر وحی کے باب کو مقدم کردیا۔ اس کی وجہ امام بخاری کی دقت نظر ہے وہ اپنی دقت نظری سے لطائف وحکم کی طرف اشارہ فرماتے رہتے ہیں جو ان کی کتاب میں کثرت سے آئیں گے اور انشاء اللہ میں متنبہ بھی کروں گا۔ یہاں امام بخاری نے باب وحی کو کتاب الایمان پر اس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مقدم فرمادیا کہ ایمانیات کے اندر معتبر وہ ہے جو بواسطہ وحی کے ہو۔ ایمان باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی لغت میں تصدیق کے ہیں۔ قال اللہ تعالی وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ اور اس کا مادہ امن ہے۔ تو گویا کہ مومن مؤمن بہ کو بتلا دیتا ہے کہ تو ہماری طرف سے تکذیب سے مامون ہے اور جب وہ مومن یعنی ایمان لانے والے کی طرف سے مامون ہوگیا کہ اس کی تکذیب نہیں کرسکتا تو اب اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرے۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان نام ہے تصدیق الرسول ﷺ بما جاء بہ کا۔ اب اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب اس میں چار مذہب مشہور ہیں۔ بلکہ پانچ مذہب کہہ لو۔ اور علامہ عینی نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مذاہب شمار کرائے ہیں۔

سب سے پہلا مذہب مرجیہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے اور نام ہے تصدیق قلبی کا۔ اب چونکہ ان کے نزدیک ایمان بسیط ہے اس لئے وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو بشارتیں مؤمن کے واسطے نازل ہوئی ہیں وہ ان کا مستحق ہے اس لئے کہ اس کے اندر وہ حقیقت بسیط موجود ہے اور اعمال صالحہ کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی افعال سیۂ مضر ہیں۔ ان کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا ارشاد وان زنی وان سرق الخ ہے۔ دوسرا مذہب ان کے برخلاف خوارج اور بعض معتزلہ کا ہے کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی اور اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اعمال کو چھوڑ دے تو وہ کافر ہوگا۔ اسی طرح ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر خارج عن الاسلام ہے ان کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد لایزنی الزانی حین یزنی وهو مومن ہے۔

تیسرا مذہب اکثرین معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے تصدیق اور اقرار واعمال سے۔ مگر مرتکب کبیرہ حد اسلام سے تو خارج ہے لیکن کفر کے اندر داخل نہیں ہوگا یہ لوگ اسلام سے تو اس لئے خارج مانتے ہیں کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں اور کفر میں اس لئے داخل نہیں کرتے کہ توحید موجود ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

چوتھا مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔ پھر ان میں بھی دو فریق ہیں اسی لئے میں نے پہلے یہ کہا تھا کہ چاہے یہ کہہ لو کہ مشہور مذہب پانچ ہیں۔ مگر چونکہ ان دونوں میں فی الواقع کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے اس لیے اولاً میں نے یہ بھی کہا تھا کہ چار مذہب مشہور ہیں۔ بہر حال اول فریق تو حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اتباع رحمہم اللہ کا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار شرط ہے۔ یہی روایت راجح ہے اس کے بالمقابل ایک مرجوح روایت بھی ہے کہ اقرار (بجائے شرط کے رُکن ہے) مگر راجح یہ ہے کہ شرط ہے اور خارج ہے حقیقت ایمان سے۔ اور باقی اعمال مکمل ایمان ہیں اس کے اجزاء نہیں چونکہ حضرت امام ابوحنیفہ ایمان کو بسیط مانتے ہیں اس لئے بعض حضرات نے امام صاحب کو مرجیہ کے اندر شمار کیا ہے مگر یہ شمار غلط ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بتلادوں گا۔

دوسرا فریق محدثین کرام اور حضرات شافعیہ وغیرہ کا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی، اقرار باللسان اور اعمال جوارح سے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں بالکل تضاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے درمیان جو بسیط ومرکب ہونے میں اختلاف ہے یہ صرف لفظی ہے اور تعبیرات کا فرق ہے۔ وہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان اس وجہ سے مرکب ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے **بنی الاسلام علی خمس** الخ اور **الایمان بضع وثلاثون شعبة** الخ وغیرہ وغیرہ اور حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ سب ایمان کے مکملات ہیں۔ اختلاف لفظی ہونے کا مبنی یہ ہے کہ احناف یہ نہیں کہتے کہ تارک اعمال سیدھا جنت میں جائے گا جیسا کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا۔ پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی۔ اور حضرات محدثین وشافعیہ وغیرہ کا عقیدہ ہے کہ تارک اعمال جہنم میں جائے گا مگر مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ تو دونوں کے قول کا مآل ایک ہی نکلا کہ تارک اعمال جہنم میں جائیگا اور اپنے ایمان کی وجہ سے آخر کار ناجی ہوگا بخلاف مرجیہ کے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تارک اعمال کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور وہ صرف اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔ بس یہی فرق ہے امام صاحب اور مرجیہ کے مذہب میں۔ اسی لیے امام صاحب کو مرجیہ میں شمار کرنا غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ نہ معلوم محدثین کے نزدیک اعمال کے کس طرح اجزاء ہیں؟ پھر خود ہی جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اعمال کو اجزاء شمار کرنے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہاتھ پیر اور انگلیاں، ناک، کان وغیرہ یہ سب انسان کے اجزاء ہیں کہ انسان ان سارے اجزاء کے باقی ہوتے ہوئے بھی انسان ہی کہلائے گا اور اگر ہاتھ، پیر یا ناک، کان وغیرہ کاٹ لئے جائیں جب بھی وہ انسان ہی ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ کامل انسان ہوگا اور ثانی صورت میں ناقص انسان۔ بالکل اسی طرح ایمان اعمال کے ساتھ کامل ہے اور ان کے بغیر ناقص ہے۔ یہی احناف کا بھی مسلک ہے کہ اعمال ایمان کے لئے مکمل ہیں۔ اسی وجہ سے جن مقامات میں ایمان کی زیادتی وکمی وغیرہ کی احادیث مروی ہیں وہاں احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ کمال ایمان پر محمول ہے ورنہ اگر اعمال کو ایمان کا حقیقی جزو مان لیا جائے تو پھر اعمال نہ ہونے کی صورت میں ایمان ہی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ انتفائے جز انتفائے کل کو مستلزم ہوتا ہے۔ حضرت امام بخاری چونکہ محدثین میں سے ہیں اس لئے انہوں نے ایمان کے ذو اجزاء اور زیادۃ ونقصان کے قبول کرنے پر باب منعقد فرمائے ہیں اور قرآنی آیات اور دوسرے دلائل کے ذریعہ مرجیہ اور خوارج پر رد کیا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat. com

کہ احناف پر رد کرنا امام کا مقصد ہے یہ غلط ہے۔ کسی شارح نے خواہ وہ شافعی ہو یا مالکی یا حنبلی یہ نہیں کہا کہ امام بخاری ان ابواب سے احناف پر رد فرماتے ہیں بلکہ وہ مرجیہ پر رد کرتے ہیں اور خوب زور سے تردید کرتے ہیں۔ یہی نووی، کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی علامہ قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بھی فرماتے ہیں البتہ کہیں کہیں معتزلہ پر بھی رد فرمایا ہے۔ آج کل کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری احناف پر ان ابواب کے ذریعہ سے رد کرتے ہیں، یہ لوگ یا تو جاہل ہیں یا تجاہل برتتے ہیں جیسا کہ میں بیان کروں گا۔

اب یہ کہ امام بخاری نے مرجیہ پر کیوں اتنا زور باندھا اور معتزلہ پر کہیں کہیں رد فرمایا حالانکہ دونوں فرق باطلہ کے اندر داخل ہیں۔ اس کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ معتزلہ کے مذہب میں یہاں (دنیاوی حیثیت سے) کوئی نقصان نہیں آخرت میں جو بھی انجام ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک تارک اعمال ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ لہٰذا معتزلی تو اعمال کو چھوڑ ہی نہیں سکتا اس ڈر سے کہ کہیں ایمان سے نہ نکل جاؤں اور مرجیہ کے یہاں اعمال کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے ان پر شدت سے رد فرمایا۔

باب الایمان وقول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس

امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء اور قابل زیادۃ ونقصان ہونے کو ثابت کرنا شروع کر دیا، فرماتے ہیں کہ **بنی الاسلام علی خمس** الخ جب ایمان پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو ظاہر ہے کہ ذو اجزاء ہوگا اب جہاں وہ اجزاء پورے ہوں گے وہاں کمال ایمان ہوگا اور جہاں وہ اجزاء پورے نہ ہوں گے وہاں نقصان ہوگا لہٰذا زیادتی اور نقصان ثابت ہو گئی۔ اب یہاں **بنی الاسلام علی خمس الحدیث** پر ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جب اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے تو یہ اسلام مبنی ہوگا اور اشیاء خمسہ مبنی علیہ ہوں گی اور قاعدہ یہ ہے کہ مبنی مبنی علیہ کا غیر ہوتا ہے لہٰذا لازم آیا کہ اسلام کوئی اور چیز ہے اور یہ اشیاء خمسہ اس کے مغائر ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جواب یہ ہے کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ حروف جارہ ایک دوسرے کے قائم مقام استعمال ہو جاتے ہیں تو یہاں **علی**، **من** کے معنی میں ہے یعنی **بنی الاسلام من خمس**. اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اسلام کو **تقریب الی الفھم** کے واسطے ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس میں ایک ستون درمیان میں ہو اور چار کنارے کنارے، شہادت تو بمنزلہ عمود کے اور یہ چاروں ستون بمنزلہ اطناب کے ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ رہے گا تو وہ جگہ ناقص رہے گی اور اگر عمود گر جائے تو خیمہ ہی باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر شہادت نہ رہی تو ایمان ہی نہیں رہے گا جیسے عمود گر جانے کے بعد خیمہ باقی نہیں رہتا۔

وھو قول وفعل:

جب ایمان قول وفعل کے مجموعے کا نام ہے تو مرکب ہوا اس لئے کہ قول ایک جزء ہے فعل دوسرا جزء ہے۔

ویزید وینقص:

امام بخاری نے ترجمہ کو تین چیزوں سے مرکب فرمایا ہے اول **بنی الاسلام علی خمس** دوسرے **قول وفعل** تیسرے **یزید وینقص** سے۔ درحقیقت یہ تینوں ایک دوسرے کی تائید وتقویت اور توضیح وتبیین کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بناء علی الخمس ترکیب پر دلالت کرتا ہے اور قول وفعل کا مجموعہ ہونا بھی ترکیب ہی ہے اور زیادۃ ونقصان بھی مرکب ہی میں ہوا کرتا ہے۔

موجودہ زمانے کے اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس جملہ سے حنفیہ پر رد کیا ہے اس لئے کہ احناف بساطۃ

Maktaba Tul Ishaat. com

ایمان کے قائل ہیں اور امام بخاری ایمان کو ذو اجزاء ثابت فرما رہے ہیں جب ہی تو زیادۃ ونقصان کو قبول کرے گا مگر یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت امام بخاری حنفیہ پر رد فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے لئے اذعان قلبی ضروری ہے بغیر اس کے مؤمن ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی کو اذعان نہ ہو بلکہ اس میں نقصان ہو مثلاً شک ہو تو وہ کسی کے یہاں بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں یقین کے درجات مختلف ہیں مثلاً اس بات کا یقین کہ کلکتہ ایک شہر ہے ایک شخص کو بھی ہے جس نے اس کو دیکھا نہیں اور اس کو بھی ہے جس نے دیکھا ہے مگر دونوں کے یقین کے اندر فرق ہے اسی طرح ایمان ہے کہ وہ تو نفس تصدیق کا نام ہے لیکن اس میں مکملات کے ذریعہ زیادتی ہوتی رہتی ہے بخلاف مرجیہ کے کہ وہ بالکل کسی قسم کی زیادتی کے قائل نہیں لہٰذا ان پر رد ہوا۔ اور حنفیہ پر تو کسی حال میں بھی رد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بھی اس کے لئے اجزائے مکملہ مانتے ہیں اور جو لوگ اس کے لئے اجزاء ثابت کرتے ہیں وہ ان کو اجزائے حقیقیہ نہیں مانتے۔

قال اللہ تعالیٰ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَاناً:

اب یہاں سے حضرت امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء اور قابل زیادۃ ونقصان ہونے کو ثابت کرنے کے لئے دس آیات ذکر فرمائی ہیں آٹھ آیات تو ایک جگہ متصلا بیان فرمادیں اور دو اس کے بعد آرہی ہیں جب ان آیات سے زیادۃ ایمان ثابت ہوگی تو نقصان بھی ثابت ہوگا اس لئے کہ زیادۃ مستلزم ہے نقصان کو، زیادتی اسی شے میں ہو سکتی ہے جس کے اندر نقصان بھی ہو سکتا ہو۔

وَزِدْنَاهُمْ هُدًى:

ہدیٰ سے مراد ایمان ہے جب ایمان میں زیادتی ثابت ہوگئی تو نقصان بھی ثابت ہو گیا۔

اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ اِيْمَانًا:

جب قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی تھیں تو کفار مومنین سے پوچھا کرتے تھے کہ اس آیت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے۔

والحب فی اللہ والبغض فی اللہ:

حضرت امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی روایت جب ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور اس کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو حضرت امام اس کی طرف ترجمہ میں ارشاد فرما دیتے ہیں چنانچہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ. یہ ابوداؤد کی روایت ہے اس سے امام بخاری نے ایمان کے ذو اجزاء ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ وہ اس طرح کہ حب وبغض کلی مشکک ہے۔ اس کے ہزاروں درجے ہیں ایک محبت تو وہ ہے جس کے متعلق متنبی کہتا ہے کہ سودائے قلب کے اندر ہے اور ایک وہ ہے جو راہ چلتے ہوئے ہو جائے اور ایک عداوت یہ ہے جان سے مارنے کے لئے تیار ہے اور ایک یہ ہے کہ وقتی طور پر غصہ آجائے۔ جیسے ایک آدمی کسی بزرگ کے یہاں گیا کہ مجھ کو محبت کا تعویذ دیدو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی محبت کا تعویذ تو مجھ کو آتا نہیں ہاں البتہ عداوت کا آتا ہے۔ اس نے یہ سوچ کر کہ محبوبوں اور ان کے رقیبوں میں تفریق پیدا کیا کروں گا۔ یہ کہا کہ پھر عداوت ہی کا دیدو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ آنکھ بند کر اور منہ کھول۔ اس نے منہ کھول کر آنکھ بند کرلی۔ ان بزرگ نے ایک مٹھی مٹی کی لے کر اس کے منہ میں ڈالدی۔ اس کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا یہ کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ (عداوت) ہاتھ کے ہاتھ حاصل ہوگئی اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔ تو بہر حال اس کو غصہ تو آگیا مگر ساتھ ہی ساتھ ختم بھی ہو گیا۔ اور

Maktaba Tul Ishaat. com

جب محبت فی اللہ اور عداوت فی اللہ ایمان سے ہیں اور اس کے اندر مراتب ہیں تو ایمان کا قابل زیادۃ ونقصان ہونا ثابت ہوگیا۔

وکتب عمر بن العزیز:

یہ وہی عمر بن عبد العزیز ہیں جن کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا۔ ور جو عمر ثانی کہلائے ان کی مدت خلافت دو سال کے قریب رہی۔ جہاں انہوں نے بہت سے احکامات نافذ فرمائے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا جو عدی بن عدی کے پاس لکھا تھا کہ **ان للایمان فرائض الصلوۃ والصوم والشرائع ای عقائد وحدودا ای المنہیات وسننا ای المندوبات فمن استکملھا استکمل الایمان.**

جب ایمان کے اندر اتنی چیزیں ہیں تو ایمان کا ذو اجزا ہونا اور قابل زیادت ونقصان ہونا ثابت ہوگیا۔ ترکیب تو اس لئے کہ انہوں نے چار چیزیں شمار کرائیں اور زیادتی اور نقصان کا قبول کرنا اس طرح سے ثابت ہوگیا کہ ان میں سے جتنے اجزاء پائے جائیں گے اتنا ہی ایمان کامل ہوگا اور جتنے یہ اجزاء کم ہوں گے اتنا ہی ایمان ناقص ہوگا۔

آگے چل کر فرمایا **فمن استکملھا** الخ یہ بین دلیل ہے کہ امام بخاری کا مقصود حنفیہ پر رد کرنا نہیں کیونکہ احناف اعمال کو مکملات ایمان میں سے قرار دیتے ہیں اور خود اس سے بھی معلوم ہوگیا کہ ان حدود وشرائع کے اختیار کرنے سے ایمان کے اندر کمال پیدا ہوتا ہے۔ اب رہا یہاں پر یہ سوال کرنا کہ سنن مؤکدات اور غیر مؤکدات دونوں کو شامل ہیں یا نہیں؟ تو اس کی بحث وہاں ہوگی جہاں ایمان کی تفسیر **ھو التصدیق بجمیع ما جاء به رسول اللہ** ﷺ کے ساتھ کی گئی ہے۔ تو اب سوال ہوگا کہ جمیع میں فرائض بھی داخل ہیں یا نہیں سنن بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو موکدات یا غیر موکدات یہاں تو ساری مراد ہیں **فمن استکملھا استکمل الایمان** کی وجہ سے اس لئے کہ استکمال ایمان سب ہی کے اندر ہے۔

ولکن لیطمئن قلبی:

یہ بھی دلیل ہے ایمان کی ترکیب کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے متعلق سوال کیا اگر چہ یہ علم اور ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ احیاء پر قادر ہیں جیسا کہ آیت کریمہ **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی** سے ظاہر ہے لیکن اپنے اس ایمان ویقین کے اندر زیادتی پیدا کرنے کے لئے سوال فرمایا۔ اس سے پتہ چلا کہ ایمان کے اندر زیادتی ہوتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان تھا طمانیت قلب اور زیادۃ فی الیقین کے واسطے احیائے اموات کا سوال فرمایا تھا اسی لئے سوال کے اندر **رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی** فرمایا یعنی کیفیت احیاء کے متعلق سوال فرمایا۔ نفس احیاء کے متعلق سوال نہیں کیا اور یہ نہیں کہا **رَبِّ اَرِنِی الاحْیَاءَ**

اب یہاں اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کو ما قبل کی آیات میں کیوں ذکر نہیں فرمایا علیحدہ کیوں ذکر کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات ثمانیہ کے اندر صراحۃً زیادتی کا ذکر ہے اور اس کے اندر زیادتی کی تصریح نہیں بلکہ استنباطی طور پر زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ جو بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اس آیت کریمہ کو آثار کے ذیل میں اس لئے ذکر فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے یہ درست نہیں اس لئے کہ نبی تو پھر نبی ہیں اگر یہی وجہ تھی تو ان کے قول کو آثار پر مقدم کرنا چاہئے تھا۔

وقال معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلس بنا نؤمن ساعة:

اس سے بھی زیادتی ایمان ثابت فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت معاذ پہلے سے مسلمان تھے پھر ان کے **نومن ساعة** کہنے کا کیا

Maktaba Tul Ishaat. com

مطلب ہوگا۔ یہی تو کہ ذرا بیٹھو اللہ کا ذکر کریں جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ہمارے ایمان میں زیادتی ہوگی۔

وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ الیقین الایمان کلہ:

امام بخاریؒ نے اس سے بھی ترکیب ایمان پر استدلال کرلیا دو طریق سے، اول یہ کہ یہاں ایمان کی تاکید لفظ کل کے ذریعہ سے لائی گئی ہے اور تاکید بلفظ کل ذو اجزاء شے کی لائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان ذو اجزاء یعنی مرکب ہے۔ دوسرے یہ کہ اس جملہ کے اندر یقین کو ایمان کہا گیا ہے اور مراتب یقین مختلف ہیں۔ اس سے بھی ترکیب ثابت ہوگئی۔ لیکن یہ حنفیہ پر وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ تو خود کہتے ہیں کہ ایمان کامل ہی نہیں ہوتا مگر ان سارے اعمال کے ادا کئے بغیر جو مامور بہا ہیں۔

وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لایبلغ العبد حقیقۃ التقویٰ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بندہ حقیقت تقویٰ کو پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک کہ ان شبہات کو نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتے ہوں۔ یہ قول ماخوذ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد دع مایریبک الی مالایریبک سے۔ تقویٰ سے مراد ایمان ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی ترکیب ایمان پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ تقویٰ کی حقیقت اور اس کی کنہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بعض وہاں تک نہیں پہنچتے۔

وقال مجاهد شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا:

حضرت مجاہد یہاں سے شرع لکم الآیۃ کی تفسیر فرمارہے ہیں کہ ہم نے اے محمد! آپ کو اور حضرت نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل کے ادیان اور اس دین کے اندر جزئیات میں بڑا فرق ہے۔ پھر بھی ایک دین فرمارہے ہیں معلوم ہوا کہ ایمان مرکب شئے ہے۔

اوصیناک یامحمد وایاہ:

یہ مصنف نے ماوصی بہ نوحا کی تفسیر فرمائی ہے بعض شراح حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر وایاہ صحیح نہیں بلکہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح انبیائہ ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں اور نبیاء کا بھی تذکرہ ہے۔ حافظ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں آیت کے اتنے ہی ٹکڑے کی تفسیر کرنی مقصود ہے لہٰذا ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ہی راجع ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا ذکر ہے اور باقی انبیاء تبعاً داخل ہوگئے ہیں اور پھر قاطبۃ سارے نسخے اس پر متفق ہیں لہٰذا محض احتمال کی وجہ سے کتاب کو غلط نہیں کہا جائے گا۔

وقال ابن عباس شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا:

بعض علماء نے قال مجاھد سے لے کر سبیلا وسنۃ تک ایک استدلال شمار کیا ہے یعنی ان دونوں آیتوں کے ملانے سے ایمان کی ترکیب ثابت ہوگی کہ تمام انبیاء کا ایمان اور دین اصولی اعتبار سے ایک ہے لیکن فروعی اعتبار سے وہ مختلف طریقوں اور شعبوں سے مرکب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے مختلف طریقے پیدا فرمائے ہیں اسی سے ترکیب ثابت ہوگئی۔ لیکن چکی کا پاٹ یہ ہے کہ ان آیات کے ذکر کرنے سے حضرت امام کا مقصود ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق دینا ہے کہ اول آیت شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے اور دوسری آیت لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

Maktaba Tul Ishaat. com

ہر ایک کے لئے دین، طریقے، راستے الگ الگ بنائے تو دونوں آیات کے اندر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اسی کو امام بخاری دفع فرما رہے ہیں کہ اول آیت سے جو دین کا اتحاد معلوم ہوتا ہے وہ اصولی اعتبار سے ہے اور فروعی اعتبار سے اتحاد نہیں بلکہ اختلاف ہے کہ بعض احکام میں کسی کے یہاں سختی ہے کسی کے یہاں نرمی۔ اور بعض علماء نے شرعة و منهاجا کو امت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے متعلق کہا ہے کہ تمہارے لئے مختلف احکام مقرر فرمائے گئے ہیں مسافر کے لئے اور مقیم کے لئے اور صحیح کے لئے علیحدہ مریض کے لئے علیحدہ۔

اب یہاں پھر وہی سوال ہے کہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت اور ان کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کا ذکر آیت کریمہ میں کیوں نہیں ہے حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام سے قبل بھی انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اس کے بہت سے جوابات تو میں ابتداء کتاب میں دے چکا ہوں البتہ یہاں کے زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ آپ کو احکام تکلیفیہ دیئے جائیں گے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو دیئے گئے۔

ودعاؤكم ايمانكم:

اس سے بھی حضرت امام بخاری وہی ثابت فرما رہے ہیں جو ابتدائے باب سے اب تک ثابت کرتے آئے ہیں۔ اس جملہ سے سورۂ فرقان کی آیت قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ کی طرف اشارہ ہے اور دعا کی تفسیر ایمان سے کی ہے اور دعا کے اندر کمی زیادتی ہوتی ہے لہٰذا ایمان میں بھی کمی زیادتی ہوگی جو مرکب کا خاصہ ہے۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اس لئے کہ اس تفسیر کی بناء پر دعا کا اطلاق ایمان پر کیا گیا ہے اور دعا ایک عمل ہے۔

اس مقام پر بعض نسخوں میں باب دعاء كم وايمانكم ہے۔ مگر اس نسخے کا محققین شراح مثلاً حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ کرمانی رحمہم اللہ نے انکار فرمایا ہے اور اس کی دو وجہ ہیں، اول یہ کہ اس باب کے تسلیم کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ باب سابق بلا روایت ہی کے رہ جائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو روایت اس کے بعد مذکور ہے وہ اس کے مطابق نہیں بلکہ سابق کے موافق ہے کیونکہ باب کے اندر حدیث بنی الاسلام علی خمس مذکور ہے اور یہ روایت بنی الاسلام علی خمس ہی کی ہے۔ اس روایت پر میں باب کے شروع میں کلام کر چکا ہوں۔

باب امور الایمان

یہاں سے حضرت مصنف علیہ الرحمۃ ان امور ایمانیہ اور اجزاء مختلفہ وانواع متفرقہ کا ذکر شروع کرتے ہیں جن کی بناء پر مصنف نے ترکیب ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ وہ ذو اجزاء اور ذو شعب ہے۔ اب یہاں ایک بات غور سے سنو! وہ یہ کہ ان سارے ابواب میں جو آئندہ آرہے ہیں تین باتیں ہر جگہ چلیں گی۔ پہلی بات تو شراح کی ہے کہ حضرت امام بخاری جب کسی شئے کے اثبات پر اتر آتے ہیں تو اس کو مختلف طور پر ثابت فرماتے ہیں۔ اب چونکہ حضرت امام بخاری کو ترکیب ایمان ثابت کرنی ہے اس لئے اس کو طرح طرح سے ثابت فرما رہے ہیں۔ دوسری بات میرے والد صاحب کی ہے جو انہوں نے اپنے سبق میں دوران تقریر فرمائی تھی معلوم نہیں کہ لامع میں بھی یہ رائے موجود ہے یا نہیں؟ وہ یہ کہ ایمان کی ترکیب تو پہلے باب میں ثابت فرما چکے اب یہاں سے حضرت امام بخاری ان امور کو ذکر فرما رہے ہیں جنہیں مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے۔ گویا امور ایمانیہ پر ترغیب دلا رہے ہیں۔ تیسری بات میری اپنی ہے کہ بظاہر حدیث بنی الاسلام علی خمس سے جو ایک طرح کا ایہام حصر فی الخمس ہوتا تھا اس کو رفع فرما رہے ہیں کہ

Maktaba Tul Ishaat. com

انہی پانچ کے اندر انحصار نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی اجزاء ہیں۔ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ وقال الله تعالىٰ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾

ان دونوں آیات کوذکر فرما کر امام بخاری نے ایمان کے اجزاء کو ثابت فرمایا اور امور مرغوب فیہا کو ذکر فرمایا ہے پھر حصر فی الخمس کے ایہام کو دفع کر دیا۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ:

شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری آیت کریمہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ سے المتقون کی تفسیر فرما رہے ہیں جو آیت سابقہ میں ہے مگر میرے نزدیک امام بخاری نے اس آیت کو بھی استدلال کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ جس طرح مکملات ایمانیہ اس سے پہلی آیت کے اندر مذکور ہیں۔ ایسے ہی اس آیت میں بھی ان بہت سی اشیاء کا ذکر ہے جو آیت اولیٰ کے اندر نہیں ہیں۔

بضع وستون شعبة:

اس حدیث پاک میں بضع وستون شعبة کا ذکر آیا ہے. بضع کا ایک سے لے کر نو تک پر اطلاق ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں بضع وسبعون آیا ہے۔ دن دونوں میں جمع کرنے کے لئے بعض تو یہ جواب دیا کہ مفہوم عدد کا اعتبار ہی نہیں ہوتا اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ جواب دیا کہ چونکہ نبی کریم ﷺ پر بار بار وحی نازل ہوتی تھی تو بعد میں اضافہ ہوتا رہا اس لئے بعد میں ستون سے سبعون تک پہنچے ہوں گے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان مرکب ہے قول اول والوں کی رائے پر اور میرے والد صاحب کی رائے کی بنا پر مومن کو چاہئے کہ وہ ان شعب کو تلاش کر کے ان پر عمل کرے اور میری رائے کی بنا پر اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام امور خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں افضلها قول لااله الاالله وادناهااماطة الاذى عن الطريق وارد ہوا ہے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے مراد دنی نہیں ہے بلکہ ادنی اقرب کے معنی میں ہے اور اذى سے مراد نفس اور اس کی شہوات ہیں اور مطلب یہ ہے کہ طریق تزکیہ سے نفس کو ہٹانا اقرب ایمان ہے۔

والحياء شعبة من الايمان:

اس پر دو طرح سے کلام کرنا ہے اول تو یہ کہ آخر حیاء کو ان بضع وستون شعب کے اندر ایسی کیا خصوصیت ہے جو اس کو مستقل ذکر فرمایا۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ چونکہ حیاء ایک ایسا شعبہ ہے جس پر بہت سے شعبے مرتب ہوتے ہیں بلکہ یہ حیاء ان کے وجود کا سبب بنتی ہے اس لئے اس کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ چنانچہ کہتے ہیں بے حیا باش ہر چہ خواہی کن تو چونکہ حیا کذب سے بھی بچاتی ہے اس لئے کہ حیاء ہوگی تو یہ سوچے گا کہ اگر کل جھوٹ ثابت ہو گیا تو کیا ہوگا؟ اس وجہ سے پھر جھوٹ نہیں بولے گا۔ اسی طرح زنا، چوری وغیرہ غرض کہ ہر قبیح بات کے کرنے سے بچ جائے گا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

دوسرا کلام یہ ہے کہ شعب (۱) ایمانیہ سارے کے سارے مکتسبات کے قبیلے سے ہیں یعنی از قبیل اعمال ہیں اور حیاء ایک طبعی چیز ہے پھر اس کو شعب ایمانیہ میں کیونکر شمار فرمایا۔ اس کے تین جواب ہیں۔ پہلا جواب تو شراح کا ہے کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی دوسرے عقلی جس حیاء کو ایمان کے شعب میں شمار کیا گیا ہے وہ عقلی ہے اور وہ مکتسب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک تو غریزۂ طبع ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے وہ وہبی ہے اور ایک یہ ہے کہ اس حیاء کے مقتضی پر عمل کرے لہٰذا بتقاضائے حیاء جو کام کیا جائے گا وہ حیاء عقلی ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حیاء ابتداء تو فطری ہوتی ہے اور انتہاء کسبی ہو جاتی ہے۔ تیسرا جواب جو کہ چکی کا پاٹ ہے وہ یہ کہ یہاں حیاء سے مراد اس کے ثمرات ونتائج ہیں اور وہ نتائج اختیاری ہیں۔ پہلے اور اس تیسرے جواب کا حاصل ایک ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے حیاء کی دو قسمیں ذکر کر دیں اور میں نے یہ کہہ دیا کہ ایک تو حیاء ہوتی ہے وہ تو شعب ایمان ہے نہیں بلکہ شعب ایمان اس کے ثمرات ونتائج ہیں۔

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

اس باب میں بھی وہی تینوں باتیں جاری ہوں گی جو میں نے ابھی بتلائی ہیں۔ وہ یہ کہ شراح کے نزدیک ترکیب ایمان ثابت فرما رہے ہیں کیونکہ مسلمان وہ ہوا جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ایمان کا جز ہے کیونکہ اس کے علاوہ بھی اجزاء ثابت ہو چکے ہیں لہٰذا ترکیب ثابت ہو گئی۔ اور میرے والد صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ایمان کی ترکیب تو پہلے ہی باب سے ثابت فرما چکے جہاں پر دس آیات اور آثار واحادیث ذکر فرمائی تھیں۔ اب باب امور الایمان سے کتاب العلم تک ان امور کو ذکر فرما رہے ہیں جو مومن کے اندر ہونی چاہئیں اور جن کو حاصل کرنا چاہئے۔ اور میرے نزدیک حدیث بنی الاسلام علی خمس سے جو ایہام انحصار فی الخمس ہوتا ہے اس کو دفع فرما رہے ہیں یہ تینوں امور آخر تک چلیں گے۔ ان کو یاد رکھو۔

من لسانه ويده:

یہ حدیث ان احادیث خمسہ میں سے ہے جس کو حضرت امام ابوحنیفہ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب فرمایا ہے۔ یہاں اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ من لسانه کیوں فرمایا من کلامه کیوں نہیں فرمایا دوسرے یہ کہ لسان کو ید پر کیوں مقدم فرمایا؟ حالانکہ ہاتھ وغیرہ سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے زبان سے تو زائد سے زائد گالی ہی دے سکتا ہے لیکن ہاتھ سے تو قتل بھی کیا جا سکتا ہے؟ اول سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی جامعیت کی علامت ہے کہ من لسانه فرمایا من کلامه نہیں فرمایا۔ کیونکہ اگر من کلامه فرماتے تو زبان سے جو اور ایذائیں بغیر کلام کئے ہوئے پہنچتی ہیں وہ شامل نہ ہوتیں۔ مثلاً کسی کو زبان سے اشارہ کرنا جس کو چڑانا کہتے ہیں تو چونکہ لسان اعم ہے بہ نسبت کلام کے کہ بعض مرتبہ بغیر کلام کے بھی صرف زبان سے ہی ایذاء پہنچائی جاتی ہے اس لئے لسانه فرمایا۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ زبان کا زخم زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے جیسا کہ تم شرح جامی میں پڑھ چکے ہو

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

---

(۱) ہمارے حضرت اقدس کی ایک دوسری تقریر میں اس اشکال کو ذرا کھلے انداز میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ "حیا ایک فطری شے ہے اور ایمان کسبی شے ہے لہٰذا حیاء ایمان کا جز کیسے بن گئی"۔ شاھد

Maktaba Tul Ishaat. com

دوسرا جواب یہ ہے کہ لوگ زبان کی ایذاؤں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے چنانچہ جب کوئی آدمی کسی کے کچھ کہنے سننے سے ناراض ہوتا ہے تو کہنے والا یہی کہتا ہے کہ کیا تجھے میں نے مارا تھا؟ صرف ایک بات ہی تو کہی تھی۔ تو اس کے اہتمام کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مقدم فرمایا۔

والمهاجر من هجر مانهى الله عنه:

یوں فرماتے ہیں کہ ہجرت ایک تو یہ ہے کہ اپنے گھربار کو ایمان کے لئے چھوڑ دے لیکن حقیقی مہاجر وہی ہے جو اللہ کی منہیات کو چھوڑ دے شراح حدیث نے اس حدیث کی دو غرضیں بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ تنبہ اور تنبیہ کرنا ہے مہاجرین کو کہ صرف ان کا ہجرت کر لینا کافی نہیں کہ اس کے بعد کسی شے کی پھر ضرورت ہی نہیں بلکہ ہجرت کے بعد آدمی گناہوں سے بچے۔ تب اس کی ہجرت کا اصل فائدہ مرتب ہوگا۔ اور اگر ہجرت کے بعد گناہ شروع کر دیئے تو کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا دوسری غرض یہ بیان کی گئی کہ تسلی دینی مقصود ہے ان لوگوں کو جو کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے کہ تم لوگ اگرچہ اس کے ثواب سے محروم ہو لیکن اصل ہجرت یہ نہیں بلکہ اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی گناہ اور ہر قسم کے منہیات کو ترک کر دے اور یہ تم لوگ اب بھی کر سکتے ہو لہٰذا کرو اور ثواب کماؤ یہی اعلیٰ درجہ ہے۔

حدثنا داود عن عامر:

یہ عامر وہی شعبی ہیں جو پہلی سند میں گزرے ہیں مگر چوں کہ اس میں عن الشعبی عن عبداللہ بن عمر روایت معنعنہ ہے اس لئے تنبیہ کرنے کے واسطے یہ سند ذکر کر دی کہ شعبی نے اسکو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے (عن داود عن عامر عن عبدالله عن النبی ﷺ) اس سند کو اس لیے ذکر فرمایا کہ جب عبداللہ مطلق بغیر نسبت کے بولا جاتا ہے تو اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوتے ہیں اور یہاں بھی مطلق ہے تو وہم ہو سکتا تھا کہ یہی مراد ہوں گے اس لیے تنبیہ فرما دی کہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں۔

باب ای الاسلام افضل

یہاں بھی وہی تینوں باتیں چلیں گی جن کے متعلق میں اوپر بیان کر چکا۔ ان کو یاد رکھو میں ہر جگہ بیان نہیں کروں گا۔ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ای جب کسی چیز پر داخل ہوتا ہے تو اس سے مقصود اس شے کے افراد کے متعلق سوال کرنا ہوتا ہے تو یہاں باب کا مطلب ہے ای افراد الاسلام افضل اور مطلب یہ ہوگا کہ افراد اسلام میں سے یہ چیزیں حاصل کرنے کی ہیں ان کو حاصل کرنا چاہیے یہاں ایک بات سنو وہ یہ کہ امام بخاری نے کتاب تو منعقد فرمائی ہے ایمان کی لیکن اس میں انہوں نے ایمان، اسلام، دین تینوں کو ذکر فرما دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم لغوی ان تینوں کا جو چاہے ہو مگر چونکہ ہر ایک کے اندر تلازم ہے اس لئے سب کو جمع فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو اسلام کے ساتھ ہو کیونکہ ایمان نام ہے ایقان اور اذعان کا۔ اسی طرح اسلام وہی معتبر ہے جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ اگر اسلام بدون ایمان کے ہوگا تو وہ اسلام نہیں بلکہ نفاق ہوگا اور کفر ہوگا۔ اسلام کہتے ہیں گردن نہادن کو۔ اسی طرح دین کے معنی طریقہ کے ہیں اور طریقہ وہی معتبر ہے جو ایمان اور اسلام کے ساتھ ہو۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب اطعام الطعام من الاسلام

اطعام کے اندر صرف مسلم کی قید نہیں ہے بلکہ کافر کیا جانوروں تک کے کھلانے کا اجر وثواب ہے البتہ مسلمان کو کھلانے کا ثواب اوروں کے کھلانے سے زیادہ ہے۔

وتطعم الطعام:

چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ گرجان طلبی مضائقہ نیست وزر طلبی سخن دریں است اس لئے اہتمام سے اس کو ذکر فرمایا۔

وتقرء السلام علی من عرفت الخ:

یعنی اسلامی سلام وہ ہے جو تعلقات کی بناء پر نہ ہو بلکہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو سلام کیا جائے۔ یہاں حضور ﷺ نے وتسلم السلام نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تقرئ عام ہے اور کتابت کو بھی شامل ہے کیونکہ اگر آدمی خط میں کسی کو سلام لکھے تو وہ بھی قرأت میں داخل ہے لیکن لفظ تسلم کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

باب من الایمان ان یحب لاخیه

اس باب میں امام بخاری نے حدیث ذکر فرمائی ہے لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه یہ حدیث ان پانچ احادیث میں سے ہے جس کا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہے اور یہی روایت ان چار میں سے ہے جس کو امام ابوداؤد نے انتخاب فرمایا ہے اور بھائی ہے بھی یہی بات کہ کمال ایمان اسی سے حاصل ہوتا ہے یہ جتنے فسادات دنیا میں ہوتے ہیں اگر صرف اسی حدیث پر عمل کرلیا جائے تو سب کی جڑ کٹ جاوے۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اگر وہ ساتھ ساتھ یہ سوچ لے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کیا اس چیز کو پسند کرلیتا جو میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اگر صرف یہی سوچ لے تو سارا فساد ہی نیست ونابود ہوجائے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ فرمایا تھا رب هب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی الآیة۔ اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعا کرنا جواز کی دلیل ہے یا اہتمام کے قصد سے دعا کی تھی اور چکی کا پاٹ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعا کرنا امور طبعیہ کے قبیل سے ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ان امور شنیعہ کے بارے میں ہے جن کو کوئی پسند نہیں کرسکتا۔

وعن الحسین المعلم قال ثناقتادۃ عن انس عنی النبی صلی اللہ علیه وسلم:

مصنف پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کو قتادة عن انس عن النبی ﷺ سند اول میں ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ سند ثانی میں بعینہ یہی آرہا ہے۔ شراح نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاری نے اپنے استاذ سے اسی طرح سنا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ تصنیف میں ہر مصنف کی شان جداگانہ ہوتی ہے۔ مصنف اس قسم کے امور کا اہتمام نہیں فرماتے بلکہ یہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب حب الرسول ﷺ من الایمان

حضور اقدس ﷺ سے محبت ایمان کا جز ہے اگر کسی کو آپ ﷺ سے محبت نہ ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ مگر یہاں اشکال یہ پیش آتا ہے کہ ہم بسا اوقات یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کو حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر اپنی آل واولاد سے محبت ہے حالانکہ حدیث لایومن احدکم حتی اکون احب الیه وارد ہوا ہے۔ اس اشکال کا ایک جواب تو شراح نے دیا ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی، دوسری عقلی۔ یہاں مقصود ومطلوب محبت عقلی ہے نہ کہ محبت طبعی۔ لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو طبعاً اپنی اولاد سے زیادہ محبت ہو مگر عقلی محبت وہ حضور ﷺ سے ہی ہوگی۔ اور دوسرا جواب میرے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے فرماتے ہیں کہ یہاں مطلوب جو محبت ہے وہ محبت طبعی ہی ہے لیکن یہ جو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ اولاد وغیرہ کی محبت حضور اقدس ﷺ سے زائد معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی محبت کے مواقع بہت کم پیش آتے ہیں۔ بخلاف ان اولاد واقارب کی محبت کے مواقع کے۔ چنانچہ اگر دونوں میں تصادم ہو جائے تو آپ ﷺ کی محبت ہی راجح ہوگی۔ مثلاً کسی کی بیوی حضور اقدس ﷺ کو نعوذ باللہ برا بھلا کہہ دے تو وہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا بلکہ گلا تک گھونٹ دے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا لڑکا قرآن پاک پر پیر رکھ دے تو دور ہی سے ڈانٹتا ہوا دوڑے گا اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں۔

اس باب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس باب کو دوسرے ابواب پر مقدم ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ حقوق العباد مقدم ہیں اور مضرت کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے اس لئے دوسرے ابواب کو مقدم فرمادیا۔

لایومن احد حتی اکون احب الیه من والده وولده:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے والد کو پہلے ذکر فرمایا حالانکہ آدمی کو بہ نسبت اپنے باپ کے بیٹے سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور یہاں مقصود بھی سب سے زائد محبوب شے کو بیان کرنا ہے لہٰذا پہلے ولده فرمانا چاہئے تھا اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جس طرح اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے اسی طرح ادنیٰ سے بھی اعلیٰ کی طرف ترقی ہو جاتی ہے یہاں پر ادنیٰ سے ترقی ہے جو والد کی محبت ہے اعلیٰ کی طرف جو ولد کی محبت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ والد کے احترام کی وجہ سے اس کو مقدم فرمادیا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے ولد کا ہونا ضروری نہیں لیکن ہر ولد کے لئے والد کا ہونا ضروری ہے تو اس کی کثرت کی وجہ سے مقدم فرمادیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ وہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے اور یہاں محبت اعتقادی وتعظیمی مراد ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان روایات میں حضور ﷺ کی محبت کو حب والد اور ولد سے مقدم رکھا گیا ہے لیکن اپنے نفس سے محبت کے تقدم وعدم تقدم کا کوئی ذکر نہیں؟ اس کی علماء نے تین وجہیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ بعض روایات میں من نفسه کا لفظ بھی موجود ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ذکر باعتبار ظہور کے ہے اور اپنے نفس سے محبت کا ظہور نہیں ہوتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ لڑکے کی محبت اپنی ذات سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔

والناس اجمعین:

دوسری روایت کو اس جملہ کی زیادتی کی وجہ سے ذکر فرمایا ہے اور اس کے عموم میں نفس رجل بھی داخل ہو گیا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب حلاوۃ الایمان

شراح فرماتے ہیں کہ حلاوت سے مراد حلاوت قلبیہ ہے یعنی استلذاذ اور لذت کا حاصل ہونا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اللہ کے احکام کی اسی طرح سے پابندی کریں۔ جیسے کہ ہمیں حکم فرمایا ہے تو یقیناً حلاوت ایمان ہمیں حاصل ہوگی۔ میں نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ ان کو ذکر کے وقت نہایت ہی حلاوت حاصل ہوتی تھی۔

شراح کی یہ جورائے ہے کہ حضرت امام بخاری ان ابواب سے ایمان میں کمی اور زیادتی کو ثابت فرمارہے ہیں۔ وہ اس باب سے بالکل واضح ہے اس لئے کہ جتنی شیرینی ڈالی جاتی ہے اتنی ہی مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جتنی پختگی کے ساتھ یہ خصال ہوں گی اتنی ہی ایمان میں زیادتی ہوگی اور جس قدر کمی ہوگی اتنا ہی نقصان ہوگا اور میرے والد صاحب کے ارشاد کے مطابق مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو حلاوت ایمان پیدا کرنے کے لئے ان خصائل کو اختیار کرنا چاہئے جو احادیث میں مذکور ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ اس سے اشارہ کردیا کہ ایمان پانچ ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ یہ بھی اس کی تکمیل کے لئے ایک مستقل شعبہ ہے۔

وجد حلاوۃ الایمان:

شراح کے نزدیک حلاوۃ معنویہ اور میرے نزدیک حلاوۃ حسیہ وظاہریہ مراد ہے۔

وان یحب المرء لایحبہ الا اللہ:

یہ ہے معیار محبت اس لئے کہ اگر کسی سے دنیا کے واسطے محبت کرتا ہو تو جب یہ معلوم ہوگا کہ یہ تو بڑا بخیل ہے تو پھر اس سے نفرت ہو جائے گی۔ اور اگر شہوت کی وجہ سے کسی سے محبت کرلے اور وہ منہ پھیر لے تو دو تین مرتبہ کے بعد یہ بھی کہہ اٹھے گا کہ مارکم بخت کو لیکن اگر اللہ کے لئے محبت کرتا ہے تو اگرچہ وہ اس کو کچھ نہ دے اور بے رخی کرے تو پھر بھی وہ اس کے ساتھ محبت کرے گا اس لئے کہ وہ ذات جس کے لئے یہ محبت کرتا ہے وہ تو اسی طرح باقی ہے۔

ان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار:

یہ بات اس وقت ہوگی جبکہ ایمان دل کی جڑ میں پیوست ہو جائے اور یہ ایمان کے اندر پختگی لا الہ الا اللہ کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں ذکر بالجہر ضروری نہیں بلکہ زبان سے آہستہ آہستہ بھی کافی ہے۔

باب علامۃ الایمان حب الانصار

انصار سے محبت کرنا اجزاء ایمان سے تو نہیں ہے لیکن چونکہ امام بخاری نے ایمان کے ابواب ذکر فرمائے ہیں تو ایمان کے بعض مناسب امور کا بھی ذکر فرمادیا۔

آیۃ الایمان الخ:

حضور اکرم ﷺ نے انصار کی محبت پر تحریض فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے دین کی مدد کی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اگر کوئی ان سے اس وجہ سے محبت کرتا ہے کہ انہوں نے دین کی مدد کی ہے اور حضور اکرم ﷺ کی اعانت کی ہے تو حقیقتاً یہ دین ہی سے محبت ہوگی۔ اسی لئے اس

Maktaba Tul Ishaat. com

کو علامت ایمان فرمایا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی آدمی حضرات انصار سے اسی علت کی بناء پر عداوت رکھتا ہے تو اس کے دل میں ایمان نہ ہوگا کیونکہ اس کی دشمنی اس نصرت و مدد کی بناء پر ہوئی ہے اسی لئے انصار سے عداوت و بغض کو نفاق کی علامت فرمایا گیا ہے۔

باب

یہ باب بلاترجمہ ہے اور شراح حضرات باب بلاترجمہ ہونے کی مختلف توجیہات تحریر فرماتے ہیں اس کی چھ وجوہات میں مقدمہ لامع میں بیان کر چکا ہوں، لیکن وہ سب ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق طور پر مختلف اصول کے تحت مذکور ہیں یعنی اصل ۲۰ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۵۷ کے تحت میں جہاں جہاں حافظ کے کلام میں ملیں وہاں ان کے کلام سے اور جہاں شاہ صاحب کے کلام میں ملیں وہاں ان کے کلام سے ماخوذ ہیں تاہم ان وجوہات میں سے ایک وجہ بہت مشہور اور شائع ہے۔ وہ یہ کہ حضرت امام بخاری باب بلاترجمہ وہاں لاتے ہیں جہاں اس باب کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہو اور فی الجملہ تفارق ہو۔ چنانچہ اس باب بلاترجمہ میں جو حدیث آرہی ہے اس کا تعلق فی الجملہ تو پہلے باب سے یہ ہے کہ جیسے وہاں انصار کا ذکر ہے ایسے ہی اس حدیث میں بھی ہے کہ انصار کے کچھ حالات بیان کردیئے لیکن فی الجملہ مناسبت نہیں۔ کیونکہ پہلے باب میں انصار کی محبت کا ذکر ہے لیکن اس باب میں حب الانصار من علامة الایمان کا کچھ ذکر نہیں۔

چکی کا پاٹ یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ تو وہی ہے کہ باب بلاترجمہ کو باب سابق سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے اور فی الجملہ تفارق مگر وہ مناسبت جو ابھی بیان کی گئی ہے وہ دوسرے شراح کے نزدیک ہے اور میرے نزدیک مناسبت یہ ہے کہ باب سابق میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اب اس پر تنبیہ کرنے کے واسطے کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے انصار کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے باب بلاترجمہ باندھ کر بتلا دیا کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی ابتداء اسلام میں مدد فرمائی اور اس کی اشاعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ موافقت کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی مصیبت کے وقت کام آتا ہے اس کو زیادہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے بہ نسبت اوروں کے۔ حضرات مہاجرین نے گو مدد کی مگر اجتماعی طور پر انصار ہی نے ابتدا کی۔ میری اس توجیہ سے باب سابق میں جو حب الانصار کو علامت ایمان قرار دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ خود بخود معلوم ہوگئی۔ ہمارے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کبھی کبھی باب بلاترجمہ تشحیذ اذہان کے واسطے لایا کرتے ہیں جیسا کہ میں خود کہیں کہیں متنبہ کروں گا اور تشحیذ اذہان کے معنی ہیں ذہنوں کا تیز کرنا اور مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت امام بخاری متعدد تراجم باندھ کر کہیں باب بلاترجمہ ذکر فرما دیتے ہیں اور ناظر کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ روایت کو دیکھ کر کوئی ترجمہ اس کے مناسب منعقد کرے بالکل اسی طرح جیسے ابتدائی تعلیم میں قاعدہ وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں بچہ کو سبق پڑھا کر چند سوالات دیتے ہیں کہ ان سوالات کے جوابات لکھ کر لاؤ تو ایسے ہی امام بخاری فرماتے ہیں کہ اتنے تراجم ابواب کے ہم نے بیان کئے اب ہم سوال دیتے ہیں کہ اس باب کا ترجمہ تم گھڑو چنانچہ اس باب کا ترجمہ باب اجتناب الکبائر علامة الایمان یا باب اجتناب المعاصي من الایمان ہوسکتا ہے۔

ایک دوسرا قاعدہ حضرت شیخ الہند نے باب بلاترجمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری کبھی کبھی تکثیر تراجم کے پیش نظر باب کو بلاترجمہ ذکر فرما دیتے ہیں کیونکہ اگر خود ہی کوئی ترجمہ منعقد فرما دیتے تو وہی رہتا۔ اب جب کہ کوئی ترجمہ ہی منعقد نہیں فرمایا تو ناظر

Maktaba Tul Ishaat. com

دیکھے گا اور خوب غور وفکر کر کے جو مناسب سمجھے گا وہی ترجمہ وضع کرے گا جیسا کہ ابھی ابھی تشحیذ الاذہان کے ذیل میں باب اجتناب المعاصی وغیرہ گزر چکے۔

ایک دوسری بات یہاں یہ بھی سن لو کہ حضرت امام بخاری نے سابقہ ابواب کے اندر مرجئہ پر رد فرمایا ہے لیکن اس باب سے مرجئہ اور خوارج دونوں پر رد ہے تو تمایز کے لئے باب بلاترجمہ کے ذکر فرمادیا۔ خوارج پر رد تو انشاء عفا عنہ سے کیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا بلکہ معافی ہوسکتی ہے اور مرجئہ پر رد انشاء عاقبہ سے فرمادیا کہ اعمال نہ کرنے کی صورت میں عذاب دے سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے باب بلاترجمہ کو حاء تحویل کے معنی میں بھی لکھا ہے لیکن مجھے ساری بخاری میں سوائے ایک جگہ کے کوئی باب حاء تحویل کے معنی میں نہیں ملا جس کو شاہ صاحب نے خود ذکر کیا ہے اور حافظ وغیرہ کے نسخ میں وہاں لفظ باب ہی نہیں۔ اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ گاہے باب بلاترجمہ اختلاف طرق کے واسطے بھی پیش فرمادیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ گاہے امام بخاری باب بلاترجمہ رجوع الی الاصل کے لئے ذکر فرماتے ہیں۔ اس کی صورت (۱) یہ ہے کہ امام بخاری نے ایک باب قائم کر کے اور پھر اس کے بعد دوسرا باب اس کے مناسب ذکر فرمادیا پھر کوئی روایت اس کے بعد ایسی ذکر فرمائی جو باب متصلہ کے مناسب نہیں ہے لہٰذا باب بلاترجمہ ذکر فرما کر اشارہ کرتے ہیں کہ اب ہم اس باب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو پہلے گزر چکا۔

وکان شهد بدرا:

یہ بطور منقبت کے ذکر فرمایا چونکہ بدر میں حاضر ہونے والوں کے بڑے فضائل ہیں حتی کہ حضور اقدس ﷺ سے اہل بدر کے بارے میں مروی ہے لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال لهم افعلوا ماشئتم فقد غفرت لكم۔ جب صاحب حق ہی کسی کو معاف کردے تو کیا کہنا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کسی روسیاہ سے فرمائیں کہ تو اس قابل تو نہ تھا کہ تجھے چھوڑ دیا جائے مگر ہم نے محض اپنے فضل سے تجھے بخش دیا تو کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ اس خصوصیت کی بناء پر کہیں کہیں کان شهد بدرا بالبدری وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔

وهو احد النقباء ليلة العقبة:

حضور اکرم ﷺ کا قاعدہ ہجرت سے پہلے یہ تھا کہ قبائل پر اسلام پیش فرمایا کرتے تھے مگر بجائے اس کے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی بات مانتے ایذائیں پہنچاتے تھے۔ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات میں جا کر لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے ایک بار حضور ﷺ نے سنہ ۱۱ نبوی میں انصار کے چھ آدمیوں سے ملاقات کی اور ان کو اسلام کی دعوت

---

(۱) مثلاً حضرت امام بخاری نے ترجمہ منعقد فرمایا ہے باب مايقول الامام ومن خلفه اذا رفع راسه من الركوع اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث کان النبی ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا ولك الحمد ذکر فرمائی اور اس کے بعد باب فضل اللهم ربنا لك الحمد ذکر فرمایا اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه ذکر فرمائی ہے اور اس کے بعد پھر باب بلاترجمہ قائم فرما کر تین روایات ایسی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے کسی ایک سے بھی اللهم ربنا ولك الحمد کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن مايقول الامام ومن خلفه ثابت ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ باب بلاترجمہ اسی باب یعنی مايقول الامام الخ کی تکمیل کے لئے ہے تو یہ باب حافظ کے اس بیان پر رجوع الی الاصل ہوا۔ محمد یونس مدظله العالی شیخ الحدیث بمدرسه مظاهر العلوم

Maktaba Tul Ishaat. com

دی۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمیں کوئی وقت رات کا کسی خاص مقام میں دیا جائے تا کہ ہم آپ سے کچھ بات کریں حضور اقدس ﷺ نے ایک گھاٹی مقرر فرمادی۔ رات کو اس میں آپ اور وہ چھ آدمی حاضر ہو گئے۔ ان میں سے ایک اسعد بن زرارہ بھی تھے حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے صبح کو شور مچ گیا کہ یہ لوگ صابی ہو گئے مگر چونکہ یہ چند آدمی تھے بات پھیل نہ سکی اور انہوں نے اس کی شدومد سے تغلیط کردی۔ اس کے بعد ۱۲ نبوی میں بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں اسی طرح بات چیت ہوئی اور پھر یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اس کے بعد ۱۳ نبوی میں ستر (۷۰) آدمی حاضر خدمت ہوئے اور اسی گھاٹی میں اسلام لائے۔ اس لیلۃ العقبۃ الثالثۃ میں جہاں اور باتیں ہوئیں وہاں یہ بات بھی ہوئی کہ ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ حضور (آپ) مدینہ طیبہ ہمارے یہاں تشریف لے جائیں ہم لوگ حضور کی ہر طرح مدد کریں گے۔ بس یہ آغاز اور سبب ہے ہجرت کا۔ اس مجلس میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے جب مدینہ طیبہ لے جانے کی باتیں ہو رہی تھیں تو انہوں نے ایک تقریر کی اور کہا کہ لوگ محمد ﷺ کی بات کو نہیں مانتے اور آپ سب کی نظروں میں معتوب ہیں لہٰذا تم اس شرط پر لے جاؤ کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ بڑے عہود مواثیق ہونے کے بعد یہ حضرات رخصت ہوئے۔ نقبا سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو موسم حج میں پوشیدہ طور پر اس گھاٹی میں اسلام لائے اور لیلۃ العقبہ وہ رات کہلاتی ہے جس میں وہ سب لوگ اس گھاٹی میں جمع ہوئے اب حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وہ لیلۃ العقبۃ الثانیہ کے نقبا میں سے ہیں مگر بعض نے ان کو بیعت اولیٰ کے نقباء میں شمار کیا ہے اور اسی لئے محشی نے بین السطور الاولی او الثانیۃ لکھ دیا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ وہ نقباء ثانیہ میں سے ہیں۔ اس تمام واقعہ سے حب انصار کا پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو آپ سے کتنی محبت تھی جس کی بنا پر ان لوگوں نے اپنے پاس حضرت ﷺ کو بلایا۔ اس صورت میں اس حدیث پاک کو حب الانصار علامۃ الایمان سے خوب مناسبت ہو جائے گی کہ جیسے یہ حضرات آپ سے محبت کرتے تھے ایسے ہی یہ خود بھی اس لائق ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔

بایعونی علی ان لاتشرکوا باللہ شیئا:

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت عقبہ یعنی بیعت اسلام ہے لیکن اس سے قبل جو جملہ وارد ہوا ہے یعنی وحولہ عصابۃ من اصحابہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیعت اسلام نہیں کیونکہ اس بیعت کے وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود نہ تھے۔ ایک دو تھے لہٰذا حافظ کی رائے یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

غور سے سنو بعض جاہل اعتراض کرتے ہیں کہ بیعت صوفیہ بدعت ہے مگر یہ اعتراض جہالت ہے اور غلط ہے حضور اکرم ﷺ سے بیعت الاسلام، بیعت الجہاد، بیعت السلوک سب ثابت ہیں، یہاں وہ حضرات اس روایت پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ یہ بیعت تو اسلام کی بیعت ہے لیکن حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت سے بیعت السلوک بھی ثابت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا بایعونی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا قد بایعناک یارسول اللہ! حضور اقدس ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا بایعونی اب جب کہ وہ بیعت الاسلام کر چکے تھے اور اس وقت کہیں جہاد کا ارادہ بھی نہیں تھا تو پھر یہ بیعت سوائے بیعت السلوک کے اور کیا تھی؟ یہ روایت جب آئے گی تو میں اس پر تنبیہ کروں گا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

ولاتاتونه ببهتان تفترونه بين ايديكم:

بہتان یہ ہے کہ کسی آدمی پر وہ عیب لگایا جائے جو اس میں نہ ہو۔(۱) ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے یہ کہا کہ اگر کسی آدمی میں کوئی عیب ہو اور میں اسے ظاہر کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی اس نے کہا کہ اگر ایسی بات کہوں جو اس میں نہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ اس کے معنی میں علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد منہ درمنہ اور آمنے سامنے ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو آمنے سامنے بہتان نہ باندھو۔ کیونکہ اول تو بہتان فی نفسہ قبیح ہے مگر کسی کے سامنے یہ کہنا کہ رات تو نے کیا کیا۔ کہاں گیا تھا۔ یہ زیادہ قبیح ہے اس سے اس کو زیادہ شرم آئے گی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد فرج ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو فرج کا بہتان نہ لگاؤ کیونکہ یہ بہت قبیح ہے تیسرا مطلب یہ ہے کہ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد قلب ہے کیونکہ وہ سینے کے درمیان بھی ہے۔ اور یدین و رجلین کے درمیان بھی ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نفی ولد کے سلسلہ میں بہتان مت باندھو یعنی یہ مت کہو کہ وہ حرامی ہے۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے اپنے شوہر پر بہتان مت باندھو کہ بدفعلی عرب میں عام تھی اور کسی سے زنا کرالیا اور جو بچہ پیدا ہوتا اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی تھیں۔ بس یہی بہتان ہے اور اسی سے منع کیا گیا ہے۔

ولاتعصوا فی معروف:

ای لاتعصونی فی معروف اگرچہ آنحضرت ﷺ جتنے بھی اوامر فرمائیں وہ سب معروف ہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنے کلام میں یہ قید تعلیم امت کے لئے لگائی ہے کہ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.

فهو كفارة له:

اس پر کلام تو مجھے کتاب الحدود میں کرنا چاہیے مگر ہم وہاں تک ماہ رجب میں پہنچیں گے اس لئے یہیں سن لو کہ اس سے ایک مسئلہ خلافیہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں حضرات شافعیہ کے نزدیک حدود کفارہ ہیں اور حدود کے بعد سمجھو کہ گناہ ایسا ہو گیا جیسے توبہ کے بعد۔ اور حضرات حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں صرف زواجر کے درجہ میں ہیں اس مسئلہ میں امام بخاری شوافع کے ساتھ ہیں اور وجہ اختلاف وجہ ترجیح کا اختلاف ہے نصین متعارضین کے درمیان ترجیح کے طریقے تقریبا سو سے زائد ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا مشہور مقولہ ہے کہ حدیث کو جتنی سرسری نظر سے دیکھا جائے گا وہ اتنی ہی حضرات حنفیہ کے خلاف ہوگی۔ اور جتنا حدیث پاک میں توغل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ تمام حدیث حنفیہ کے بالکل موافق ہے نیز احناف کے یہاں ایک قاعدہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پر نظر کی جائے اور جو حدیث اوفق بالقرآن ہو اس پر عمل درآمد کیا جائے کیونکہ اکثر احادیث روایت بالمعنی ہیں اور الفاظ قرآنی قطعی ہیں مثلاً حدیث کے اندر رفع اور عدم رفع دونوں وارد ہوئے ہیں لیکن قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وقوموا لله قانتين کے موافق عدم رفع ہے ایسے ہی احادیث میں آمین بالجہر و بالسر دونوں وارد ہیں لیکن آمین بالسر قُومُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ

---

(۱) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان رسول الله ﷺ قال اتدرون ما الغيبة قالوا الله اعلم ورسوله اعلم قال ذكرك اخاك بما يكره قيل افرأيت ان كان فی اخی ما اقول قال ان كان فيه ما تقول فقد اغتبته وان لم يكن فيه ما تقول فقد بهته. (رواه مسلم عن ابی هريره)

Maktaba Tul Ishaat. com

کے زیادہ موافق ہے۔ ایسے ہی بعض احادیث سے جلسہ استراحت کا ثبوت اور بعض سے عدم ثبوت کا پتہ چلتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت میں دوحرکتیں ہوتی ہیں اور عدم جلسہ میں ایک حرکت ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی اسی آیت کریمہ کے موافق ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو اس قاعدہ مسلمہ پر مرتب ہوں گی اسی قسم کے اصول دوسرے ائمہ کے یہاں بھی ہیں چنانچہ امام مالک کے مرجحات قویہ میں سے یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے عمل اہل مدینہ کو دیکھتے ہیں جو حدیث بھی عمل اہل مدینہ کے موافق ہوگی وہ ہی ان کے نزدیک راجح ہوگی۔ جس نے مؤطا امام مالک کو بغور پڑھا ہوگا اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔ **ولکل وجهة هو موليها** حضرات احناف اوفق بالفاظ القرآن کو اس لئے راجح قرار دیتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کے الفاظ **منزل من الله** ہیں لہٰذا جو حدیث اس کے موافق ہوگی وہ زیادہ اقرب الی الصواب ہوگی کیونکہ چند احادیث ہی روایت باللفظ ہیں جن میں سے ایک **من كذب علي متعمدا فليتبوء مقعده من النار** ہے باقی سب روایت بالمعنی ہی ہیں۔ اور حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اسلام مدینہ میں آیا اور یہیں رہا لہٰذا جتنے اہل مدینہ واقف ہوں گے اور کوئی واقف نہیں ہوگا اور شافعیہ کے یہاں اہم اصول میں **اخذ بـروايـة الاوثق** ہے اور حنابلہ کی اصل اعظم **اخذ بروایة الثقه** ہے خواہ اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ اصول معلوم ہوگئے تو اب سنو! حنفیہ کے نزدیک توبہ کفارہ بن سکتی ہے۔ محض حدود کفارہ نہیں بنیں گے کیونکہ قرآن پاک پر جو نظر ڈالی تو یہ آیت سامنے آئی **والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم**. اس آیت میں جو چور کی سزا قطع ید ذکر فرمائی گئی ہے وہ تو بیان ہو چکی۔ اب آگے ارشاد فرماتے ہیں **فمن تاب من بعد ظلمه و اصلح فان الله يتوب عليه ان الله غفور رحيم** الآیۃ تو ہمیں پوچھنا یہ ہے کہ جب حد ختم ہو چکی اور حدود کفارات ہیں اور کفارہ سیئہ ہو چکا تو اب **فـان تـاب** کا کیا مطلب ہے؟ اور اس میں فاء تعقیب کے لانے کی وجہ کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حدود کفارہ نہیں ہیں بلکہ توبہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کہ حدود ساتر اثم ہیں رافع اثم نہیں۔ ایسے ہی ایک دوسری جگہ ارشاد ہے **وَالَّـذَانِ يَـأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا** الآیۃ تو جب کہ ایذاء دینی اور رجم کرنا کفارہ ہو چکا تو پھر **فان تابا** کا کیا مطلب؟

اسی طرح سے قاذفین کے بارے میں ارشاد ہے ﴿**وَالَّـذِيـنَ يَـرْمُـونَ الْـمُـحْـصَـنَـاتِ ثُـمَّ لَمْ يَـأْتُـوا بِـأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَـاجْـلِـدُوهُـمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا**﴾ الآیۃ تو جب حد قذف اسی (۸۰) کوڑے مار چکے اور حدود کفارات ذنوب ہیں تو پھر **إِلَّا الَّـذِيـنَ تَـابُوا** کا کیا مطلب؟ اور یہ استثناء کس وجہ سے فرمایا گیا ہے اور جو روایات میں **فهو كفارة له** وارد ہوا ہے اس کا مطلب وہ ہے جو دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی بندہ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے کفارہ بنتی ہے **حتى الشوكة يشاكها** جیسا کہ مشکوۃ **باب ياتي المريض ثواب المرض** میں تم لوگ پڑھ چکے ہو۔ اسی طرح اس کو یہاں تکلیف پہنچی ہے کہ اس نے حد کی مشقت اور مصیبت برداشت کی تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اس کو کفارہ سے تعبیر کر دیا اور یہی مراد **كفارة له** سے ہے۔

باب من الدين الفرار من الفتن

چونکہ پہلے ان امور کو ذکر فرمایا تھا جن کو حاصل کرنا چاہئے اب یہاں سے ان امور کو ذکر فرماتے ہیں جن سے بچنا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے **وبـضـدهـا تتبين الاشياء** امام بخاری نے یہاں لفظ دین استعمال کیا ہے اور اس سے پہلے بعض ابواب پر ایمان اور بعض پر

Maktaba Tul Ishaat. com

اسلام کا اطلاق کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں اور مشترک ہیں فی معنی واحد۔

حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ:

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ شہر میں رہنا دشوار ہو جائے گا اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر لوگ شہر سے بھاگ کر جنگلات کو مسکن بنائیں گے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم

یہاں امام بخاری پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس باب کو کتاب العلم میں ذکر کرنا چاہئے تھا۔ کتاب الایمان میں کیوں ذکر فرمایا۔ اس اعتراض کو دیکھ کر بعض شراح نے یہ کہہ دیا کہ حقیقت میں یہ باب کتاب العلم میں تھا مگر کاتب کی غلطی کی وجہ سے یہاں لکھ دیا گیا۔ لیکن یہ اعتراض غلط ہے محض اعتراض کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب العلم کا باب تھا اور سہو کاتب سے یہاں لکھدیا گیا۔ اب جب کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض شراح کی تو رائے یہ ہے کہ یہاں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں بجائے انا اعلمکم باللہ کے انا اعرفکم باللہ ہے۔ چنانچہ حاشیہ کے نسخے میں انا اعرفکم باللہ ہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے علم سے معرفت مراد لی ہے اور اس کی تائید حضرت امام بخاری کے قول وان المعرفۃ فعل القلب سے ہوتی ہے اور معرفت بھی ایمان میں ہی داخل ہے لہٰذا اس باب کو کتاب الایمان سے مناسبت ہوگئی۔ اس باب سے امام بخاری قیاس ونظیر کے ذریعہ یہ ثابت فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ مرکب ہے اور ثابت اس طرح کیا کہ علم قلبی شے ہے اور یہاں حضور ﷺ نے اعلم اسم تفضیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے جو زیادتی کو چاہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قلبی اشیاء میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔

اور میرے اساتذہ ومشائخ کی یہ رائے ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انا اعلمکم فرمایا ہے معلوم ہوا کہ حضور پاک ﷺ کے پاس اوروں کی بہ نسبت زیادہ علم تھا اور اس علم سے مراد معرفت ہے (جیسا کہ میں ابھی بتلا چکا) اور معرفت فعل قلب ہے اور قلبی اشیاء میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور ایمان بھی قلبی ہے لہٰذا اس کے اندر بھی کمی زیادتی کی شان پائی جائے گی۔ اب یہ کہ معرفت فعل قلب کیوں ہے؟ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ اگر معرفت فعل قلب نہیں ہے تو پھر مواخذہ کے کیا معنی؟ مقصد اس باب سے ان لوگوں کی تردید کرنی ہے جو ایمان کے بسیط ہونے کے قائل ہیں لیکن یہ حنفیہ کی تردید نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ تو خود ہی ایمان وایقان کی زیادتی کے قائل ہیں۔

اذا امرھم امرھم من الاعمال بمایطیقون:

یہاں پر یہ روایت مختصر ہے واقعہ یہ ہوا (۱) کہ ایک بار تین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس آئے اور حضور اکرم ﷺ کی عبادات کے متعلق استفسار کیا جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں کہ قد غفر اللہ ماتقدم من ذنبہ وماتاخر۔

ایک صحابی نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صحابی نے عہد کیا کہ میں سارے دن روزہ رکھا کروں گا۔ اور

---

(۱) یہ پورا واقعہ بخاری شریف کتاب النکاح، کے ص ۷۵۷ پر مذکور ہے۔ شاہد غفرلہ۔

Maktaba Tul Ishaat. com

تیسرے نے عہد کیا کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ حضور اقدس ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا اور فرمایا کہ میں تو سوتا بھی ہوں، جماع بھی کرتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ جیسے نہیں ہیں آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ اس پر حضور اقدس ﷺ کو غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں اللہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اس سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

فیغضب حتی یعرف الغضب:

نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کا اور خوشی، مسرت کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو جتنا حسین ہوگا اس کا چہرہ اتنا ہی زیادہ ان اشیاء کے اثرات کا مظہر ہوگا اور آنحضرت ﷺ تو سب سے زیادہ حسین تھے۔

باب من کرہ ان یعود فی الکفر کمایکرہ ان یلقی فی النار من الایمان

یہ من الایمان یعود یا یلقی کے متعلق نہیں بلکہ یہ خبر ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ اس باب کو کتاب الایمان سے کیا مناسبت ہے؟ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری ہر جگہ اضداد کو ذکر فرماتے ہیں اگر علم کا ذکر آئے گا تو اس کے ساتھ جہل کو ضرور ذکر فرمائیں گے اور اگر ایمان کا ذکر فرمائیں گے تو اس کے ساتھ کفر کو بھی ذکر فرمائیں گے کیونکہ قاعدہ ہے وبضدھاتتبین الاشیاء. لہٰذا اس عادت مبارکہ کی وجہ سے یہ باب یہاں ذکر کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں فرار من الفتن کو دین سے قرار دیا تھا تو اب یہاں سے فرار من الکفر کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بھی دین میں سے ہے لہٰذا جس طرح ہر شخص فرار من النار کی کوشش کرتا ہے ایسے ہی فرار من الکفر کی بھی کوشش کرے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جب کراہت کفر اس قدر ہے کہ جہنم میں تو جانا گوارا ہے لیکن کفر کو اختیار کرنا گوارا نہیں تو یہ تو عین ایمان ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے کراہت فی الکفر کی انتہاء بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جہنم میں تو جانا گوارا کر لے مگر کفر اختیار کرنا مشکل ہو۔ حدیث پاک پر کلام باب حلاوۃ الایمان میں ہو چکا۔

باب تفاضل اهل الایمان وفی الاعمال

غور سے سنو! حضرت امام بخاری یہاں وہی فرما رہے ہیں جو حنفیہ کا مذہب ماقبل میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے اور نفس ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی وہ یکساں رہتا ہے بلکہ کمی زیادتی اعمال کے اعتبار سے ہوتی ہے لہٰذا یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری مرجئہ اور خوارج پر رد فرما رہے ہیں اور اصل تردید مرجئہ کی کرنی ہے کیونکہ وہ لوگ اعمال کو بالکل ہی بے فائدہ کہتے ہیں اور اس کے بعد رد کرنا ہے خوارج پر۔ مگر ان پر اتنا شدید رد نہیں کیونکہ وہ فرقہ بھی اگرچہ ضال ومضل ہے مگر اعمال کے مسئلہ میں ان کے یہاں کوتاہی نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ تارک عمل کو کافر کہتے ہیں تو وہ بے چارہ اس ڈر سے کہ کہیں کافر نہ ہو جائے خوب عمل کرے گا۔

حدثنا اسماعیل:

اس حدیث میں آگے چل کر وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کو جہنم سے سزا دینے کے بعد نکال دینے کا حکم فرمائیں گے تو اس کے بعد اعلان ہوگا اخرجوا من کان فی قلبہ حبۃ من خردل من الایمان یعنی جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل خیر ہو تو اس کو نکال لاؤ، یہاں ایمان سے مراد عمل خیر ہے جیسا کہ دوسری روایت میں صراحۃ خردل من خیر وارد ہوا ہے

Maktaba Tul Ishaat. com

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اعمال خیر ذرا سے بھی ہوں گے تو بھی مغفرت فرمادیں گے۔

اس حدیث میں رد ہے مرجہ اور خوارج دونوں پر۔ مرجہ پر اس لئے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال کا کوئی اثر نہیں لہٰذا ان پر رد اس طرح ہوگا کہ جب اعمال میں کوئی اثر ہے ہی نہیں تو وہ پھر جہنم میں کیوں گیا؟ اور خوارج پر اس لئے کہ وہ مرتکب کبائر کو کافر مانتے ہیں تو اگر وہ کافر ہوگیا تھا تو اس کو جہنم سے نکالا کیوں گیا؟

قد اسود:

یعنی جل کر کوئلوں کی طرح سیاہ ہوگئے ہوں گے۔

فیلقون فی نهر الحیاء او الحیاة:

راوی کو شک ہوگیا کہ حیا فرمایا جس کے معنی پانی کے ہیں یا حیاۃ فرمایا۔

قال وهیب حدثنا عمرو الحیاة:

اس سند کو ذکر کر کے تنبیہ فرمادی کہ حیا اور حیاۃ میں جو شک ہوا ہے وہ عمرو بن یحیٰ کے دوسرے شاگرد مالک کو ہوا ہے۔

وقال خردل من خیر:

اس کو ذکر کر کے اشارہ فرمادیا کہ من الایمان سے مراد اعمال ہیں۔

قال الدین:

دین سے مراد یہاں ایمان تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ایمان میں جواذعان ہے اگر اس میں کمی ہوجائے تو وہ شک ہوگا ایمان نہیں ہوگا لہٰذا دین سے مراد اعمال ہیں اور مطلب روایت کا یہ ہے کہ لوگوں کے اعمال میں فرق ہے بعض کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے قمیص کہ بس سینہ تک ہی پہنچ پاتی ہے اور بعض حضرات کے ہاں اعمال کی مثال ایسی قمیص کی ہے جو اتنی بڑی ہے کہ زمین پر گھسٹتی چلتی ہے اور آثار قدم اس کی وجہ سے مٹتے چلے جاتے ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعمال کی مثال ہے۔

باب الحیاء من الایمان

اس حیاء کا ذکر اگرچہ ماقبل میں حدیث الحیاء شعبة من الایمان کے ذیل میں ہو چکا لیکن وہاں ضمناً آیا تھا اور وہیں پر میں کلام بھی کر چکا ہوں اگر وہاں نہ کیا ہوتا تو یہاں کر دیتا۔ اس باب سے حیاء کو مستقلاً بیان فرمارہے ہیں اہمیت کی وجہ سے۔

وهو یعظ اخاه فی الحیاء:

اور وہ نصیحت یہ تھی کہ بہت زائد حیا نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے نقصان ہوتا ہے یعنی ترک حیاء کی نصیحت ہے۔

باب فان تابوا و اقاموا الصلوة الخ

شراح کی رائے یہ ہے کہ امام کی غرض اس باب سے قرآن پاک کی آیت کی تفسیر بیان کرنا ہے اور میرے اساتذہ کی رائے ہے کہ ایمان کی ترکیب ثابت کرنی ہے اس طرح پر کہ جہنم سے نجات ایمان ہی کی بدولت ملے گی اور یہاں تخلیہ سبیل کو توبہ عن

Maktaba Tul Ishaat. com

الشرک اوراقامة الصلوة وایتاء الزکوة پر مرتب فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان ان سب چیزوں سے مرکب ہے۔

الابحق الاسلام:

مثلاً کسی شخص نے کسی کو قتل کر دیا یا محصن تھا لیکن زنا کر لیا۔

باب من قال ان الایمان هو العمل

شروع کتاب میں حضرت امام بخاری نے فرمایا تھا باب قول النبی ﷺ الخ وهو قول و فعل اس لئے بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ مکرر ہو گیا۔ وهو قول و فعل میں عمل خود آ گیا بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ غایت اہتمام کی بنا پر مستقل باب دوبارہ منعقد فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر ترجمہ کے الفاظ نہ بدلیں اور غرض بدل جائے تو ترجمہ مکرر نہیں کہلاتا۔ لہٰذا یہاں پر بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ترجمہ مکرر ہو گیا کیونکہ غرض دوسری ہو گئی اور وہ یہ ہے کہ جیسے ایمان عمل وقول کا نام ہے ایسے ہی قول وعمل کا نام ایمان ہے یعنی تلازم دونوں طرف سے ہے اور یہی مضمون آگے چل کر آیت کریمہ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ سے ثابت فرما رہے ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔ لہٰذا جنت کی وراثت اس عمل کی وجہ سے جو لازم ہے ایمان کو اور ایمان لازم ہے اس عمل کو۔ ایسے ہی دوسری آیت کریمہ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ہے۔ یہاں بھی عمل سے مراد لا الہ الا اللہ یعنی ایمان مراد ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ترجمہ شارحہ ہے یعنی اس ترجمہ سے امام بخاری کی غرض ان آیات وغیرہ کی شرح کرنا ہے جس میں نجات کو عمل پر مرتب کیا ہے۔

حدثنا احمد بن یونس:

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے ای العمل افضل اور جواب میں ایمان بالله ورسوله فرمایا تو ایمان پر عمل کا اطلاق کیا گیا ہے لہٰذا تلازم ثابت ہو گیا کہ کسی جگہ ایمان پر عمل کا اطلاق اور کسی جگہ عمل پر ایمان کا اطلاق ہوا ہے۔

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا الآیة اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور شے ہے اسلام اور شے۔ حالانکہ حضرت امام بخاری اب تک کسی جگہ اسلام اور کسی جگہ دین سے تعبیر کر کے اشارہ فرماتے چلے آئے ہیں کہ یہ تینوں ایک ہیں۔ اب آیت شریفہ اور امام بخاری کے قول میں تعارض پیدا ہو گیا تو اس باب کے ذریعہ اس تعارض کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے کہنے میں اور آیت کریمہ کی مراد میں تعارض نہیں بلکہ چونکہ ایمان ایک قلبی شے ہے خود بخود وہ ظاہر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس اظہار کا نام اسلام ہے تو ایک کا تعلق قلب سے اور دوسرے کا ظاہر سے ہوا تو یہاں آیت میں نفی اس ایمان کی ہے جو دل سے نہ ہو صرف ظاہر سے ہو اور اگر دل سے ایمان ہو تو وہی اسلام اور دین بھی ہے۔

حدثنا ابو الیمان:

اس حدیث میں حضرت سعد کے سوال اراہ مومنا پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا او مسلما یعنی تم نے جو قسم کھا کر اس کے

Maktaba Tul Ishaat. com

مسلمان ہونے کو بیان کیا ہے یہ غلط ہے۔ کیا پتہ کہ وہ دل سے ایمان نہ لایا ہو صرف ظاہرا مسلمان ہو۔ کیونکہ ایمان اذعان قلبی کا نام ہے اور اس کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی حالت کسی کو معلوم نہیں کہ یہ انقیاد جو ہے یہ انقیاد حقیقی ہے یا ظاہری۔ بہر حال تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ میں بعض مرتبہ ایسے شخص کو مال نہیں دیتا جو مجھے محبوب ہو بلکہ اس کے غیر کو دے دیتا ہوں یہ سوچ کر کہ "مجھ سے جس کو محبت ہے اگر میں اس کو نہ دوں تو کوئی مضائقہ نہیں وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن دوسرے شخص کو اگر نہ دوں تو وہ مجھے برا بھلا کہے گا تو اس کا نقصان ہوگا اور کہیں بطور سزا کے جہنم میں نہ پھینک دیا جائے۔"

اب ان رجل کے بارے میں شراح ومشائخ کے درمیان یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا یہ قسم اول میں سے تھے یعنی جو لوگ اسلام حقیقی رکھتے ہیں یا قسم ثانی میں سے ہیں یعنی جو صرف اسلام ظاہری رکھتے ہیں۔ شراح حدیث حضور ﷺ کے اس جملہ او مسلما کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ قسم ثانی میں سے تھے اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومنا کہنے پر نکیر فرمائی۔ مگر میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص قسم اول میں سے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ انی لا عطی الرجل وغیرہ احب الی منه ان کو احبین کی فہرست میں داخل فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ احب وہی ہوگا جو انقیاد ظاہری و باطنی دونوں کے ساتھ متحلی ہو۔

باب افشاء السلام من الاسلام:

یہ بھی منجملہ شعب ایمانیہ کے ہے اور بضع وستون شعب جس کا ذکر پہلے آچکا ہے انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

الانصاف من نفسک:

اس کے علماء نے کئی مطالب بتلائے ہیں۔ اول یہ کہ اپنے نفس سے اللہ کے لئے انصاف کرو۔ اور اللہ کے لئے انصاف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ تم سے چھوٹے تمہارے ساتھ ادب واحترام سے پیش آئیں اسی طرح تم بھی یہ دیکھو کہ آیا مالک الملوک کے ساتھ ان کے پاس واحترام میں تمہارا کیا مرتبہ ہے۔ جس طرح تم اپنے چھوٹوں سے ادب کے طالب ہو۔ اسی طرح تم بھی پاس امر الٰہی کرو اور اس کا ادب کرو۔

حضرت گنگوہی سے منقول ہے کہ اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو تم اپنے آپ کو اس پر پیش کر دو تا کہ وہ تم سے بدلہ لے لے یا معاف کر دے تا کہ آخرت کی گرفت سے محفوظ رہ سکو۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ جس کو میں نے کوئی تکلیف پہنچائی ہو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو ایک مرتبہ چھڑی ماری تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور! میں اس وقت ننگا تھا۔ حضور ﷺ نے فوراً قمیص اتار دی۔ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً حضور ﷺ سے لپٹ گئے اور کبھی ادھر بوسہ دیتے اور کبھی ادھر بوسہ دیتے۔ ان کو تو بدلہ لینا تھا جس طرح چاہا لے لیا۔

اور بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ حضور ﷺ کے ارشاد لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ کے ہم معنی ہے اور اپنے نفس سے انصاف لینے کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ اوروں کے لئے بھی پسند کرو۔ اور جو دوسروں کے لئے پسند کرتے ہو وہ اپنے لئے پسند کرو۔ اور بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو اپنے اوپر واجب ہو اس کو

Maktaba Tul Ishaat. com

ادا کرے خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد سے متعلق ہو۔ ان تمام اقوال میں مشہور پہلے دو ہیں۔

وبذل السلام للعالم:

یہ ہے مقصود۔ اور یہ ہے السلام علی من عرفت ومن لم تعرف.

والانفاق من الاقتار:

یعنی تنگی کے وقت خرچ کرنا۔ چنانچہ حق تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یہ ہے محمود کہ آدمی پر عسرت اور تنگی ہو مگر پھر بھی خرچ کرے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مالدار ہو اور مثلاً ایک ہزار روپے میں سے پچاس روپے خرچ کرے تو گویا بیسواں حصہ ہی خرچ کیا بخلاف اس کے کہ جس کے پاس سو ہی روپے ہوں وہ اگر پچاس روپے خرچ کردے تو اس نے تو اپنا نصف خرچ کر دیا۔

حدیث پاک میں آتا ہے افضل الصدقة جهد المقل یعنی افضل صدقہ نادار کی مشقت ہے انفاق بحالت اقتار محمود ہے اور بڑی ہی عمدہ شے ہے اور کلام تو اس پر کتاب الزکوۃ میں آئے گا مگر نہ معلوم وہاں تک کب پہنچیں سنو عسرت کے باوجود خرچ کرنا بڑی ہی محمود شے ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اعتماد علی اللہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ اس وقت دے کر دوسرے وقت پھر افسوس ہوگا یا دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرے گا اور اگر یہ خوف ہو تو پھر اس کے لئے محمود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک سونے کی ڈلی لایا اور خدمت اقدس ﷺ میں پیش کر کے کہنے لگا کہ یہ میری کمائی ہے اور تو میرے پاس کچھ نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ وہ اسی جانب لے کر حاضر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔ وہ اسی طرف لے گیا۔ آپ ﷺ نے وہ ڈلی لے کر اس زور سے پھینک کر ماری کہ اگر وہ ہٹ نہ جاتے تو ہڈی ٹوٹ جاتی۔ اور اس کے برخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ پوچھتے ہیں کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا؟ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو چھوڑا۔ یہاں حضور ﷺ نے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ پہلا شخص جزع فزع کرے گا اس لئے اس کو تو واپس کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتماد علی اللہ معلوم تھا اس لئے اس کو قبول فرما لیا اور رد نہیں کیا۔

باب كفران العشير وكفر دون كفر

یہاں تک پانچ باب ہوئے ہیں جس سے امام بخاری نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ایمان ایک حقیقت بسیط ہے اور اس میں جو تفاضل وغیرہ ہے وہ اعمال کے اعتبار سے ہے۔ اور چونکہ قاعدہ وبضدها تتبين الاشياء اس لئے حضرت امام بخاری کفر کے بھی مراتب ثابت فرما رہے ہیں اور جب کفر کے مراتب ہیں تو اس کے مقابل (اسلام) کے بھی مراتب ہوں گے لیکن یہ سارے مراتب حقیقی نہیں کہ خلود فی النار کا سبب بن جاویں۔

حدثنا عبدالله بن مسلمة:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اريت النار فاذا اكثر اهلها النساء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ایکفرن

Maktaba Tul Ishaat. com

باللہ. حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا یکفرن العشیر ۔معلوم ہوا کہ کفر حقیقی جو کفر باللہ ہے وہ کل مراتب نہیں ہے جب ایسا ہے تو اسی طرح ایمان کے سارے مراتب حقیقت ایمان میں داخل نہ ہوں گے بلکہ اس کی حقیقت تو ایک ہوگی اور یہ چیزیں اس کی مکملات ہوں گی۔اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جہنم میں بکثرت عورتوں کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں زیادہ ہوں گی اور اس کے بالمقابل دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں کم از کم ہر شخص کو دو بیویاں ملیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں مردوں سے زیادہ عورتیں ہوں گی یعنی کم از کم دوگنی تو ہوں گی۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہاں عورتیں زیادہ ہیں تو مرد کم ہوئے اور جہنم کے اندر مرد زیادہ ہونے چاہئیں۔اور عورتیں کم۔حالانکہ اس حدیث سے وہاں کی کثرت معلوم ہوتی ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عوتوں کی پیداوار کثرت سے ہے اس لئے دونوں جگہ یہی زیادہ ہوں گی۔دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ عورتیں کفران عشیر کی وجہ سے جہنم میں گئی ہیں اور کفران عشیر ، کفر دون کفر ہے تو ابتداء سزا بھگتنے کے لئے وہ جہنم میں جائیں گی اور پھر وہاں سے جنت میں آئیں گی تو گویا ابتداء جہنم کے اندر کثرت اور پھر انتہاء جنت میں کثرت ہوگی۔

اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو یہ جو کثرت دکھلائی گئی وہ کس طرح سے دکھلائی گئی۔بعض علماء تو کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کو یہ ان عورتوں کے متعلق دکھلایا گیا تھا جو مر چکی ہیں اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے اگر وہ نیک ہوتا ہے تو اس کی قبر کو وسیع کر دیا جاتا ہے اور جنت کی کھڑکی وہاں کھول دی جاتی ہے اور اگر وہ برا ہوتا ہے تو پھر جہنم کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے تو حضور پاک ﷺ نے یہ منظر بیان فرمادیا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو بطور کشف آئندہ ہونے والی بات بتلائی گئی ہے جیسے ہمارے زمانے میں اولیاء اللہ کو بعض آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق انکشاف ہو جاتا ہے مگر انبیاء اور اولیاء کے انکشافات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام کے انکشافات میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا تاہم کبھی کبھی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں ہوا مگر غلطی نہیں ہوسکتی بخلاف کشف اولیاء کے کہ وہاں احتمال وقوع غلطی کا ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

ویکفرن الاحسان:

احسان کا کفر کیسے کرتی ہیں؟ یوں کرتی ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کرتے رہو۔اور جب کسی وقت کوئی بات ہو جائے تو کہہ دیں "تیرے یہاں مجھے کوئی راحت ملی؟ ہمیشہ ہی مجھے اس گھر میں تکلیف پہنچی۔"

باب المعاصی من امر الجاهلیة

یہ دوسرا باب ہے اس سے بھی وہی ثابت کرنا ہے یعنی کفر دون کفر یہاں پر کفر کو جاہلیت سے تعبیر کیا کیونکہ اس زمانے میں کفر ہی کفر تھا۔میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ امام بخاری جب کسی چیز کے اثبات پر اتر آتے ہیں تو اس کو مختلف عنوانات سے ثابت فرماتے ہیں۔

اب یہاں فرماتے ہیں کہ معاصی امر جاہلیت سے ہے اور جاہلیت کی چیزیں کفر ہیں حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا انک امرؤ فیک جاهلیة تو اگر معصیت کفر حقیقی تھی تو یہاں حضور اکرم ﷺ نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا؟ معلوم ہوا کہ معصیت کفر حقیقی نہیں ہے بلکہ کفر دون کفر ہے جیسے طاعت ایمان دون ایمان ہے عین ایمان

Maktaba Tul Ishaat. com

نہیں۔آگے فرماتے ہیں۔

ولایکفر صاحبھا بارتکابھا:

یعنی اگر کوئی معاصی کا ارتکاب کرلے تو وہ کافر نہیں ہوگا اس باب سے امام بخاری نے خوارج پر رد فرمایا ہے کہ اگر کبائر کے ارتکاب سے آدمی کافر ہوجاتا ہے تو پھر حضور اقدس ﷺ نے تجدید ایمان کا امر کیوں نہیں فرمایا۔اور اس سے پہلے باب میں مرجئہ اور خوارج دونوں پر رد فرمایا ہے مرجئہ کا تو اس لئے کہ اگر معاصی مضر نہیں تو پھر جہنم میں جانے کا کیا مطلب؟اور خوارج پر اس طرح کہ اگر وہ عورتیں کافر ہوگئیں تھیں تو پھر حضور اکرم ﷺ نے ایکفرن باللہ کے جواب میں یکفرن العشیر کیوں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ اس آیت سے پتہ چلا کہ مادون الشرک کوئی اور چیز ہے جو اختیار الٰہی میں ہے خواہ معاف کردیں یا اس پر سزا دیں ہاں مشرک کو معاف نہیں کریں گے۔اسی طرح ارشاد ہے وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا اس سے مقصود کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے کیونکہ قتال مؤمن کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ وارد ہے قتالہ کفر۔

اب یہاں جو یہ فرمارہے ہیں وان طائفتان الخ تو اگر قتال مؤمن کفر حقیقی تھا تو پھر مؤمن کیسے کہہ دیا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن ہیں اور کفر سے کفر دون کفر مراد ہے عین کفر مراد نہیں ورنہ آیت اور حدیث میں تعارض ہوجائے گا۔

قال ذھبت لانصر ھذا الرجل:

یہ روایت یہاں مختصر ہے البتہ کتاب الجہاد میں مفصل آئے گی۔یہ واقعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باہمی لڑائی جنگ جمل کا ہے۔احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار سونت کر چلے۔راستہ میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔انہوں نے کہا کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے اس رجل کی مدد کرنے کے لئے ھذا الرجل سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہاں تو بس نام ہی مذکور ہے آگے جو روایت آرہی ہے اس میں یہ جملہ اور ہے ابن عم رسول اللہ ﷺ یعنی میں حضور ﷺ کی قرابت کی وجہ سے ان کی مدد کرنے جارہا ہوں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تلوار رکھو۔میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے فرمارہے تھے اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار (کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل تلوار لے کر نکلتے ہوں تو قاتل ومقتول دونوں جہنم میں جاویں گے)

فقلت یارسول اللہ ھذا القاتل:

یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قاتل تو اپنے قتل کی وجہ سے جہنم میں گیا۔لیکن مقتول نے کیا قصور کیا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلوار تو وہ بھی لے کر گیا تھا قتل ہی کے واسطے اگر موقع پاتا تو قتل کردیتا مگر موت دوسرے کی تھی وہ ہی مارا گیا۔

لقیت اباذر بالربذہ:

یہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الزہاد اور امام الزاہدین ہیں ان کا حال یہ تھا کہ جہاں کسی کو اچھا کپڑا پہنے دیکھا اور پتہ چلا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

اس میں پیوند نہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ مالدار ہے تو لاٹھی اٹھاتے اور پہنچ کر کہتے ۔ درھم کی من النار و درھمان کیان من النار ۔ حضرت عثمان شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب فتوحات کا زور ہو رہا تھا اور دراہم و دنانیر گھر کے کونوں میں بکھرے پڑے رہتے تھے ۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے زہد کی شکایت کی ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ دیہات میں جا کر سکونت اختیار کریں ۔ کیونکہ بے چارے دیہاتیوں کے پاس پیسہ زیادہ نہیں ہوتا ۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیل حکم میں مدینہ کے قریب ربذہ نامی ایک گاؤں میں چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کسی نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں چلے آئے فرمایا خلیفۃ المومنین کا حکم ہے ۔ اگر مجھ پر کسی حبشی غلام کو بھی امیر بنا دیا جاتا تو میں ان کی اطاعت کرتا ۔ یعنی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی اطاعت بھلا کیسے نہ کرتا ۔ یہ قصہ آگے بھی تفصیل سے آئے گا ۔

وعليه حلته:

حلة کہتے ہیں ازار اور رداء کو جو ایک ہی نوع کی ہوں ۔ اب جب کہ وہ حلة پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی حلة پہنے ہوئے تھا تو پھر اس کے متعلق سوال کا کیا مطلب؟ اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ ایک رنگ کا ایک کپڑا دونوں کے پاس تھا جس کو حلة سے مجازاً تعبیر کر دیا یعنی یہ تم نے کیا کر کھا ہے اگر تم غلام کو اپنی چادر دے کر دوسری عمدہ چادر لے لو جو کہ آپ کے لباس میں رنگ میں شریک ہے تو آپ کا تمام لباس ایک رنگ کا ہو جائے گا اور غلام کا دوسرے رنگ کا ۔ اس پر انہوں نے فرمایا:

انی سابت رجلا:

رجل کا مصداق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ۔ یعنی میں نے ان کو ایک مرتبہ عار دلائی تھی ان کی ماں کے ساتھ ۔ کیونکہ وہ حبشہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے باشندے کالے ہوتے ہیں ۔ تو میں نے ان کو ''کالی عورت کا لڑکا'' کہہ دیا تھا ۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے اس کی شکایت کر دی آپ ﷺ نے فرمایا انک امرؤ فیک جاهلية ۔ تیرے اندر سے اب بھی جاہلیت ختم نہیں ہوئی، تو عار دلانے کو امر جاہلیت یعنی معصیت قرار دیا لیکن اس سے ان کا کفر لازم نہیں آیا ۔

آگے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ بھائی تمہارے پاس یہ لوگ دوسری جگہ سے تمہارے غلام اور ماتحت بن کر آئے ہیں ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہئے ۔ جو تم خود پہنو وہی ان کو پہناؤ اور جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور ان کی مدد کرو ۔ اس واقعہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلایا کہ حضور پاک ﷺ کے اس ارشاد کی بناء پر میں نے بھی اپنے غلام سے یہی معاملہ کیا کہ میں نے پورا سوٹ نہیں پہنا بلکہ ایک چادر میں نے لی اور دوسری اس کو دی ۔

باب ظلم دون ظلم

امام بخاری کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی بات منعقد فرماتے ہیں تو اس کے بعد دوسرے باب سے اس کی توضیح وتکمیل فرمایا کرتے ہیں ۔ یہ باب بھی اسی قبیل سے ہے ۔ اور باب سابق میں جو مضمون ثابت کیا ہے اسی کو پھر یہاں سے ثابت فرما رہے ہیں ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ تحت النفی واقع ہوتا ہے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے ۔ اسی بنا پر آپ ﷺ سے سوال بھی کر لیا کہ اینا لم یظلم ۔ یعنی ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے ظلم نہ ہو اور کچھ نہ کچھ کوتاہی نہ ہوئی ہو ۔ اس پر آیت

Maktaba Tul Ishaat. com

شریف نازل ہوئی۔ ان الشرک لظلم عظیم اس سے پتہ چلا کہ جب شرک عظیم ہے تو اس سے چھوٹا ظلم یقیناً کوئی نہ کوئی ہوگا۔ جب ہی تو عظیم کا مقابل سمجھ میں آئے گا۔ اس تقریر سے ظلم دون ظلم ثابت ہوگیا۔

باب علامة المنافق

اس سے قبل امام بخاری نے جو ابواب منعقد فرمائے ہیں وہ علامۃ الایمان سے متعلق ہیں۔ اب چونکہ کفر کا باب چل رہا ہے تو جو علامات کفر ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق امام بخاری نے یہاں سے باب قیام لیلۃ القدر من الایمان تک پانچ ابواب ذکر فرمائے ہیں۔ انہی علامات میں سے ایک نفاق ہے۔

آیة المنافق ثلاث:

اس پر اشکال ہے کہ یہ علامات مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں لہٰذا المنافق کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟

مجھے حضرت امام بخاری کی طرف سے جواب دینے کی ضرورت نہیں میں اس کا جواب ترجمہ میں دے چکا ہوں کہ امام کی غرض کفر دون کفر کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہ علامات حقیقی کفر کی علامتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر بھی پایا جانا ممکن ہے۔

اذا وعدا خلف:

وعدہ خلافی کا یہ مطلب نہیں کہ وعدہ کرتے وقت اس کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ ہو لیکن معذوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے بلکہ وعدہ خلافی کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کرتے وقت ہی اس کا پختہ ارادہ یہ ہو کہ میں اس کو پورا نہیں کروں گا۔

حدثنا قبیصة:

اس کے اندر منافقوں کی چار علامتوں کا ذکر ہے اور اس سے پہلی حدیث میں جو اسی باب میں مذکور ہے صرف تین علامتوں کا ذکر ہے علماء نے اس کے چند جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ آپ ﷺ کو اتنا ہی معلوم تھا اس لئے اسی پر اکتفا فرمالیا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مزید علامتیں بتلائیں تو وہ بھی ارشاد فرمادیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ موقعہ کے اعتبار سے ایسا فرمایا کہ جس کے اندر جو خصلتیں نمایاں تھیں اسی پر اس کو متنبہ کردیا۔

کان منافقا خالصا:

خالص منافق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہوگیا بلکہ کمال نفاق کا مرتبہ اس کو حاصل ہوگیا جس کی بنا پر کفر حقیقی کے قریب قریب ہوگیا۔

حتی یدعھا:

مطلب یہ ہے کہ اس میں نفاق کی یہ خصلتیں جب تک رہیں گی وہ منافق رہے گا اور جب اس خصلت کو چھوڑ دے گا نفاق بھی ختم ہو جائے گا اور تجدید ایمان کی ضرورت نہ ہوگی۔ ماقبل میں چونکہ ایمان کا بیان تھا اور زیادتی وضاحت کے لئے درمیان میں پانچ ابواب

Maktaba Tul Ishaat. com

وبضدها تتبين الاشياء کے قاعدے کے مطابق ذکر فرمائے تھے اب پھر اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے ایمان کا ذکر شروع فرمادیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

باب قيام ليلة القدر من الايمان

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ یہ باب رجوع الى الاصل کے لئے ہے۔ اور باریکیاں پیدا کرنے والوں نے یہ باریکی بتلائی کہ امام بخاری نے باب افشاء السلام کے بعد قیام لیلۃ القدر کا باب منعقد فرما کر آیت کریمہ سلام هي حتى مطلع الفجر کی طرف اشارہ کیا ہے اور سلام سے مراد شب قدر ہے تو گویا کہ اس آیت کی مناسبت سے شب قدر کو افشاء سلام کے بعد ذکر کر دیا۔ کسی شارح نے یہ نہیں بتلایا کہ افشاء سلام اور قیام لیلۃ القدر میں پانچ بابوں کا فصل کیوں کر دیا گیا؟ چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ طریقہ اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کی وہ فضیلت جو احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ کسی خاص آن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں امتداد ہے یہ نہیں کہ بس ہوئی اور ختم ہوگئی۔

ایمانا و احتسابا:

یہاں پر ایمان کی قید تو واضح ہے لیکن احتساب کا ذکر بھی کافی اہمیت رکھتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کام ثواب کی نیت سے کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا ورنہ ثواب سے محرومی رہے گی تو گویا اس جملہ سے نیک نیتی پر تنبیہ کرنا ہے۔

باب الجهاد من الايمان

اس سے پہلے امام بخاری لیلۃ القدر کا باب باندھ چکے ہیں اب یہ باب الجہاد منعقد فرمایا ہے اس کے بعد تطوع قیام رمضان ذکر فرمائیں گے سوال یہ ہے کہ تطوع قیام رمضان میں تو لیلۃ القدر ہوتی ہے پھر ان دونوں کے درمیان باب الجہاد سے کیوں فصل کر دیا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لیلۃ القدر مشقت اور مجاہدہ سے حاصل ہوگی۔

ایمان بی او تصدیق برسلی:

یہ اوشک کے لئے بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو تصدیق بالرسول کے ساتھ ہو۔ اور تصدیق بالرسول ایمان باللہ کو مستلزم ہے اور تنویع کے لئے بھی ہوسکتا ہے على سبيل مانعة الخلو محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ او کے بعد لفظ قال پڑھوایا کرتے ہیں لیکن میری عادت یہ ہے کہ میں اس کو تنویع پر حمل کر کے قال نہیں پڑھوایا کرتا۔

من اجر اوغنيمة:

یہاں پر او مانعۃ الخلو کے لئے ہے۔

لو لا ان اشق على امتي:

یعنی اگر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر جہاد میں جاتا لیکن چونکہ میرے جانے کی وجہ سے ہر شخص چلنے کو چاہے گا تو اس خوف سے

Maktaba Tul Ishaat. com

کہ سواریوں کی قلت ہے میرے جانے کی صورت میں ہر شخص جانے کی کوشش کرے گا اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔

ثم احیی ثم اقتل:

یہ ہے عشق کی بات کہ آدمی محبوب کے راستہ میں قتل ہونا چاہتا ہے۔ جہاں یہ فضیلت ہے کہ محبوب کے راستے میں قتل ہوتا ہے وہیں شہرت عشق بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ یادرکھو کہ شہرت عشق اور چیز ہے شہرت ریا اور چیز وہ اچھی چیز ہے اور یہ مذموم

ما و مجنون ہم سبق بودیم در ایوان عشق
او بصحرا رفت ومادر کو چہار سوا شدیم

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

ہم لوگ ایمان کی بساطت کے قائل ہیں اس کے لئے اجزائے ترکیبیہ نہیں مانتے لیکن جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان مرکب ہے ان میں اختلاف ہے کہ آیا جو اعمال کہ جزء ایمان ہیں ان کے اندر نوافل بھی داخل ہیں یا نہیں۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ صرف فرائض جز ہیں نوافل نہیں۔ اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ بھی نوافل ہیں یہ میلان امام بخاری کا بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے تطوع قیام رمضان کی قید لگائی۔

باب صوم رمضان احتسابا

احتساب کی قید ہر عبادت میں معتبر ہے اور صوم رمضان میں خاص طور سے اس قید کا اظہار الفاظ روایت کے پیش نظر کیا گیا ہے احتساب کے معنی اللہ تعالیٰ شانہ سے ثواب کی تمنا کرنا ہے مصنف نے احتسابا فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ اشیاء ایمان میں اس وقت شمار ہوں گی جب کہ مع الاحتساب ہوں۔

باب الدین یسر

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس باب سے امام بخاری خوارج پر رد فرمارہے ہیں اس لئے کہ انہوں نے دین کو اتنا سخت بنادیا کہ اگر ایک وقت کی نماز چھوٹ گئی تو کافر ہوگیا ذرا سی لغزش ہوئی تو کافر بن گیا لہٰذا حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ دین اتنا سخت نہیں جتنا اس کو بنا رکھا ہے بلکہ دین آسان ہے اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ ابھی باب الجہاد گزرا ہے اور اس سے پہلے باب میں یہ گزر چکا کہ لیلۃ القدر کا قیام مجاہدہ سے ہوتا ہے تو اب بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ ضروری ہے اور وہ سرآنکھوں پر لیکن یہ سب جب ہے جبکہ تحمل بھی ہو ورنہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعها تو گویا یہ بتلانا مقصود ہے کہ تحمل کے بقدر مشقت کا مطالبہ ہے۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیة السمحة:

حنیفیہ سے مراد ملۃ ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اس سے مذہب حنفی مراد نہیں کیونکہ یہ

Maktaba Tul Ishaat. com

تو ڈیڑھ سو سال بعد کی پیداوار ہے ہاں البتہ تفاول کے طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مذہب حنفی زیادہ قابل اتباع ہے غور سے سنو اور پھر سے سنو میری طرف سے یہ مت نقل کر دینا کہ انہوں نے بتلایا ہے کہ اس سے مذہب حنفیہ مراد ہے البتہ تفاول ہے السمحہ بمعنی آسان۔

ولن یشادالدین احد:

دین کے اندر شدت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عذر کی حالت میں جو رخصت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے مشروع فرمائی ہے ان کو اختیار نہ کرنا مثلاً مریض کے لئے اللہ نے اجازت دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے لیکن شیطان کی چالبازیوں میں آ کر اس رخصت پر عمل نہیں کرتا، اسی طرح شریعت نے حکم دیا ہے کہ عذر کی حالت میں تیمم کرلو لیکن تم اس وقت بھی بجائے تیمم کے وضو کرتے ہو تو ایسی صورت میں اور زیادہ بیمار ہو جاؤ گے ذات الجنب کا مرض ہو جائے گا اور یہی اس کے غالب ہو جانے کے معنی میں ہے کہ اس سختی سے تم کو پریشانی ہوگی۔

فسددوا:

ٹھیک ٹھیک دین کا راستہ اختیار کرو۔ وقاربوا اور آپس میں ایک دوسرے سے مل کر رہو باہم اختلاف نہ کرو۔

وابشروا:

اور ایک دوسرے کو خوشخبری سناؤ۔

شیء من الدلجة کا مطلب ہے اندھیری رات کا تھوڑا سا حصہ۔ بھائی! نہ تو علم ہی بلا رات کو جاگے آتا ہے اور نہ ہی طریقت۔ دونوں کے لئے راتوں کو جاگنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ومن طلب العلی سهر اللیالی

باب الصلوة من الایمان

بعض علماء فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود اس باب کو منعقد فرما کر باب سابق میں جو ایک جملہ واستعینوا بالغدوة آیا ہے اس کی تفسیر کرنا ہے کہ اس سے مراد نماز ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض ایمان کی ترکیب اور اعمال کا جزء ایمان ہونا ثابت کرنا ہے کیونکہ سارے محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں آیۃ کریمہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم میں ایمان سے مراد نماز ہے اور شان نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ تو نماز پر ایمان کا اطلاق اطلاق الکل علی الجزء ہے لہٰذا جزئیت ثابت ہوگئی۔

عندالبیت:

بعض شراح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ عندالبیت غلط ہے صحیح الی غیر البیت ہے کسی کاتب سے یہ غلطی ہوگئی اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ ابتداء اسلام میں نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتی تھی لیکن جب ہجرت کے سولہ، سترہ ماہ بعد آیت کریمہ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ نازل ہوئی اور جب تحویل قبلہ ہوا تو اس پر یہود وغیرہ نے یہ اعتراض کیا کہ اب تک تمہارے آباؤ اجداد نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہیں ان میں، یا تو وہ حق پر تھے یا اب تم غلطی پر ہو اس پر یہ آیت شریفہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ نازل ہوئی جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

اس لئے کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئیں وہ بھی بحکم الٰہی تھیں اور اب بھی اسی کے حکم سے قبلہ بیت اللہ بنا ہے تو اب کہنا یہ ہے کہ جب بیت اللہ بولا جاتا ہے تو اس سے کعبہ ہی مراد ہوتا ہے حالانکہ اس وقت کعبہ کی طرف آپ ﷺ نمازوں میں رخ نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ بیت المقدس کی طرف رخ ہوا کرتا تھا لہٰذا یہاں پر صحیح الی غیر البیت ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سارے نسخے اس لفظ پر متفق ہیں لہٰذا ایک معنی کو صحیح کرنے کے لئے سارے نسخوں کو غلط نہیں قرار دینا چاہئے اس کے بعد حافظ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ عند البیت سے مراد وہ نماز ہے جو مکہ میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی۔ جس کی صورت یہ ہے:

جنوب 0 مکہ .... 0 مدینہ .... 0 بیت المقدس

تو حضور پاک ﷺ جب تک مکہ میں رہے اس طور پر نماز پڑھتے رہے کہ قبلتین سامنے ہوتے تھے۔ یعنی کعبہ کے جنوب میں کھڑے ہوتے تھے لیکن جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اب صرف بیت المقدس کی طرف رخ فرماتے تھے کیونکہ مدینہ سے کعبہ کی جانب جنوب میں ہے اور بیت المقدس جانب شمال میں تو اس کے متعلق فرمایا کہ آپ نے جو نمازیں تحویل قبلہ سے قبل بیت اللہ کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو کر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہیں ہم ان کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ قبول کریں گے اور جب عند البیت والی نمازوں کو ہم نے قبول کر لیا تو جو نمازیں عند البیت نہیں پڑھی گئیں بلکہ مدینہ رہ کر پڑھی گئیں ہیں وہ بطریق اولیٰ مقبول ہوں گی۔ حافظ کی اس توجیہ کی بناء پر عند البیت سے مراد خانہ کعبہ ہوگا۔ جیسا کہ متبادر یہی ہے کہ بیت بول کر خانہ کعبہ مراد لیا جاتا ہے۔

نزل علی اجداده او قال علی اخوانه:

یہ او شک کے لئے ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ اجداد سے مراد اجداد من قبل الام یعنی ننھال مراد ہے تو وہ اخوال ہی ہوا۔

ستة عشر شهرا او سبعة عشر شهرا:

یہاں سے مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت بتلا رہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی اور اگلے سال ماہ رجب میں قبلہ بدل گیا۔ اب یہاں اختلاف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کتنے ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس میں تین طرح کی روایات ہیں ایک میں سولہ ماہ مذکور ہے دوسری روایت میں سترہ ماہ اور تیسری روایت میں اٹھارہ ماہ مذکور ہیں تعارض ان روایات میں کسی قسم کا نہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ماہ ربیع الاول کے کچھ حصے کے گزر جانے کے بعد ہجرت کی گئی تھی اور ادھر رجب کے آخر میں تحویل ہوئی تو بعض نے کسر کو شمار نہ کر کے پورے سولہ ماہ ذکر کر دیئے اور بعض نے دونوں مہینوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے ان کو ایک ہی ماہ شمار کر کے سترہ ماہ بتلا دیئے اور بعض حضرات نے دونوں کو مستقل مہینہ شمار کر کے اٹھارہ ماہ بتلا دیئے۔ تم ابوداؤد شریف میں پڑھو گے۔ کہ نماز میں تین طرح کا تغیر ہوا اور روزوں میں بھی تین طرح سے تغیر و تبدل ہوا اس کے بعد امام ابوداؤد نے نماز

Maktaba Tul Ishaat. com

کے تغیرات میں یہ شمار کرایا ہے کہ مسلمانوں نے تیرہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ یہ تیرہ ماہ والی روایت بالکل غلط ہے اور کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

و کان یعجبه ان تکون قبلته علیه السلام:

کیونکہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے اتباع کا حکم آیت کریمہ وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا میں دیا گیا تھا اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی قبلہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے۔

وانه صلی اول صلوة صلاها صلوة العصر:

خوب غور سے سنو! اس میں اختلاف ہے کہ تحویل قبلہ کہاں ہوا اور کب ہوا ایک قول تو یہ ہے کہ مسجد نبوی علی صاحبها الصلاة والسلام میں ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ بنوسلمہ میں ہوا اور پھر دونوں میں دو دو قول ہیں ایک یہ کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی دوسرے یہ کہ عصر کی نماز میں ہوئی چار قول میں حاشیہ لامع میں ذکر کر چکا ہوں۔ لامع کے متن میں راجح یہ بتلایا گیا ہے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی مگر یہ اس کے خلاف ہے جو میں نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کیونکہ اس میں میں نے یہ لکھا ہے کہ تحویل مسجد نبوی میں ظہر وعصر کے درمیان ہوئی اور یہی میرے نزدیک راجح ہے لامع میں میرے والد صاحب کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ظہر کی نماز کے درمیان مسجد نبوی میں تحویل ہوئی مگر مولانا محمد حسن صاحب مکی کی (ضبط کردہ) تقریر میں لامع کے خلاف لکھا ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی یہ غلط ہے بلکہ ظہر وعصر کے مابین ہوئی نیز اگر اس کو مان بھی لیا جائے کہ ظہر کی نماز میں تحویل ہوئی تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ مسجد نبوی بھی ذوقبلتین ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ مولانا محمد حسن صاحب مکی حضرت گنگوہی کے تلامذہ میں سے ہیں ولایتی تھے مکہ ہجرت کو گئے تھے بڑے بزرگ اور عزلت نشین تھے اپنی لکھی ہوئی تقریر مجھے یہ کہہ کر دیدی تھی کہ تیرے اندر خوش بختی کے آثار پاتا ہوں اس لئے تجھے دیتا ہوں بہرکیف اگر یہ مان لیا جائے کہ ظہر وعصر کی نماز کے درمیان تحویل ہوئی تو یہ اس صورت میں بخاری کی روایت بھی ٹھیک ہو جائے گی وہ اس طرح کہ تحویل ظہر کی نماز کے بعد عصر سے پہلے ہوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ادا فرمائی ایک آدمی قبیلہ بنوسالم میں گزرا اس نے ان کو خبر دی کہ قبلہ اب بدل گیا وہ لوگ اسی وقت بیت اللہ کی طرف پھر گئے، پھر دوسرے دن قبا میں نماز فجر میں دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خبر ہوئی بنوسلمہ میں اسی دن عصر کی نماز میں تحویل قبلہ کی خبر اس وجہ سے پہنچ گئی کہ وہ مدینہ ہی کا ایک محلہ ہے اور قبا مدینہ سے باہر ہے۔

فدار وا کماهم:

دوسری مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ان کو نماز میں تحویل قبلہ کی نہایت انتظار کے بعد خبر ملی تو وہ لوگ کھڑے کھڑے الٹی طرف گھوم گئے لیکن مجھے اشکال ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آئیگا کہ امام تمام مقتدیوں کے پیچھے ہو جائے اور سارے مقتدی امام سے آگے کسی اور حدیث میں تو اس کا ذکر نہیں اس امام کا کیا ہوا لیکن اس کی تاویل یہ ہے کہ امام اپنی جگہ سے ہٹ کر آگے پہنچ گیا اس لئے کہ اتنی مشی مفسد نہیں ہے جبکہ توالی حرکات نہ ہو۔

Maktaba Tul Ishaat. com

دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ توجہ الی القبلہ قطعی الثبوت ہے لہٰذا خبر واحد کی بناء پر جو کہ ظنی بھی ہے یہ لوگ کیسے پھر گئے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ نماز خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے جس کا ذکر آیت شریف قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ میں ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور ﷺ کی خواہش معلوم تھی اس لئے اس خبر پر محتف بالقرائن ہونے کی وجہ سے اعتماد کر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کعبہ کا استقبال کر لیا۔

فلم ندر مایقول فیھم:

شراح اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ آیا ہمارے آباؤ اجداد کی وہ نمازیں جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں صحیح ہیں یا نہیں۔

اور میرے والد صاحب اس کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا بہت اشتیاق تھا اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ جس چیز کے مشتاق ہوں گے اس کے کرنے میں زیادہ ثواب ہوگا تو گویا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ شبہ ہوا کہ اکمل ثواب ہم ہیں یا وہ ہمارے اباؤ اجداد۔

باب حسن اسلام المرء

امام بخاری کا مقصود اس باب سے بھی یہ ثابت کرنا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ آدمی جب اسلام میں تحسین پیدا کرتا ہے تو پھر حسنہ میں سات سوگنا اضافہ شروع ہوتا ہے اور پھر وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ تو اس تضعیف سے اسلام کے کمال میں بھی زیادتی ہوگی۔

اذا اسلم العبد:

یعنی اخلاص کے ساتھ مسلمان ہو انفاق وغیرہ نہیں برتا تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ یہ معاملہ فرمائیں گے کہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیں گے کبائر کو بھی اور صغائر کو بھی لان الاسلام یھدم ماکان قبلہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے لیکن یہاں ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے وہ یہ کہ اگر کوئی آدمی مسلمان ہو گیا تو آیا اسلام لانے کی وجہ سے اس کے ان اعمال صالحہ پر جو زمانہ کفر میں کئے ہیں ثواب ہوگا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے وکان بعدذلک القصاص ای المقاصہ یعنی اس کے بعد جزا وسزا کا معاملہ ہوگا۔

باب احب الدین الی اللہ ادومہ

یہاں دین سے مراد اعمال ہیں بدلالۃ حدیث الباب اور مطلب ہوا احب الاعمال الی اللہ ادومہ اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر دین کی اشیاء پر مداومت کرے تو زیادہ محبوب ہے اللہ کو بہ نسبت اس کے کہ مداومت تو نہ ہو سکے اور بغیر تحمل کے ان اشیاء کو اختیار کرے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

قالت فلانة:

اس فلانۃ کا مصداق حولاء ہیں یہ فلانۃ غیر منصرف ہے اس لئے کہ یہ کنایہ ہے علم سے مَدّ یہ کلمۂ زجر ہے۔

لایمل اللہ حتی تملوا:

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے عاجز نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے خزانہ قدرت میں تو بہت کچھ بلکہ سب کچھ ہے۔ ہاں تم عمل سے عاجز ہو جاؤ گے تو ثواب بھی رک جائے گا۔

باب زیادۃ الایمان الخ

یہ باب ایک مرتبہ تو کتاب الایمان کے شروع میں بنی الاسلام علی خمس کے اندر آیا تھا اس کے بعد دوسری مرتبہ ص ۸ پر باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال میں آیا اور تیسری مرتبہ یہاں آیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی جگہ فعل کا لفظ تھا اور یہاں مصدر ہے اور اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ لفظ بدل جانے سے جبکہ مقصود میں کوئی فرق ظاہر نہ ہو ختم نہیں ہوتا چنانچہ یہاں الفاظ اگرچہ بدل گئے مگر مقصود وہی اثبات زیادت ونقصان ہے لہذا ترجمہ میں تکرار ہے بعض حضرات نے اسکی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ کتاب الایمان کے شروع میں جو زیادتی ونقصان کو ثابت کیا گیا ہے۔ وہ باعتبار اجزاء ایمانیہ کے ہے کیونکہ ان تراجم سے امام بخاری کا مقصود ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے اور ترکیب اجزا چاہتی ہے لہذا وہاں پہلے مقام پر تو ایمان کے نقصان کو باعتبار اجزاء اور کمیت کے بتلانا ہے اور یہاں کیفیت کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے مگر بعض مشائخ کی رائے جس کو لامع میں بھی اختیار کیا گیا اور حضرت شیخ الہند نے اپنے تراجم میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے یہ ہے کہ زیادتی وکمی باعتبار اجزاء اعمال کے تھی یعنی اعمال اجزاء کثیرہ پر مشتمل ہیں اب جو پورے اعمال کرے گا وہ زیادہ کو حاصل کرلے گا اور جو ان میں سے کم کرے گا اسی کے یہاں نقصان ہوگا اور یہاں مومن بہ کی کمی وزیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ اعمال ایک دم نازل نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں مثلاً معراج میں نماز کی فرضیت اور یکے بعد دیگر دوسرے فرائض کی فرضیت نازل ہوئی تو جس جس طرح احکامات نازل ہوتے رہے مومن بہ میں زیادتی ہوتی رہی۔

الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ:

یہاں اکمال سے مراد زیادتی ہے اور جب دین کی کسی بات کو ترک کردیا جائے تو اس میں نقص پیدا ہوگا کہا جاتا ہے کہ آیت کے بعد شریعت میں بذریعہ وحی کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔

لاتخذنا ذلک الیوم عیدا:

اس لئے کہ جس دن اتنی بڑی بشارت سنائی جائے کہ ہم نے تم پر دین کو کامل کردیا اور اتمام نعمت فرمایا اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دین والوں سے راضی بھی ہیں لہذا ایسا مبارک روز جس میں اتنی بشارتیں ہوں وہ اسی قابل ہے کہ اس کو عید بنالیا جائے۔

قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد عرفنا ذلک الیوم:

یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس یہودی کی بات کا جواب بھی ہوگیا یا نہیں؟ بظاہر تو ہوا نہیں اس

Maktaba Tul Ishaat. com

لئے کہ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم یوم العید بنا لیتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس دن کو اور اس مکان کو حتی کہ اس وقت کو بھی جانتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو یہ کچھ نہیں بتلایا کہ یوم عید بنانا چاہئے یا نہیں۔ اور اگر نہیں بتایا تو کیوں نہیں بتایا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اگرچہ بظاہر جواب نہیں ہے مگر فی الحقیقت یہی جواب ہے اور جواب کی تقریر دو طرح سے کی جا سکتی ہے ایک تو یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ذرا سوچ کر بات کر تو کیا کہہ رہا ہے تو عید بنانے کو کہتا ہے۔ ارے! ہمیں تو عید بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ وہ تو پہلے ہی سے یوم عید ہے کیونکہ وہ دن جمعہ کا ہے وہ بھی عید ہے اور عرفہ بھی عید ہے پھر ہمیں عید بنانے کی کیا ضرورت۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ اتفاق سے وہ دن جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تمام فرقوں کی عید کا دن تھا چنانچہ نصاری، یہود، مجوس، سب ہی اس روز عید منا رہے تھے اور مسلمانوں کی عید کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اور دوسری تقریر اس طرح کی جاتی ہے کہ تم کیا کہتے ہو ذرا غور تو کرو ہمیں سب کچھ معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی۔ کب نازل ہوئی کس حال میں نازل ہوئی میدان عرفات میں جبکہ حضور ﷺ اپنی ناقہ مبارکہ پر تشریف فرماتے تھے جمعہ کا دن تھا اس وقت یہ نازل ہوئی مگر ہم ایسے نہیں کہ بس اپنی طرف سے جو دن چاہے عید کا مقرر کر لیں بلکہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع ہیں جب انہوں نے عید نہیں بنائی تو ہم کیوں بنائیں۔ یہ تقریر میرے نزدیک راجح ہے۔

باب الزکوۃ من الاسلام

زکوۃ چونکہ اعمال اسلام میں سے ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ اور مقصود اس سے ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے یہ حنفا حنیف کی جمع ہے جس کے معنی مائل ہونے والے کے ہیں یعنی مائلین عن الزیغ.

وذلک دین القیمۃ:

دین القیم اور دین القیمہ دونوں طرح سے روایات میں آتا ہے اور دونوں ہی قرائتیں ہیں جیسا کہ آگے آئے گا یہاں پر سب کو دین قیم قرار دیا گیا ہے اور دین ایمان ایک ہی ہے لہٰذا زکوۃ بھی ایمان کے اعمال میں سے ہوئی۔

ثائر الرس:

الجھے ہوئے بالوں والا۔ یہ بدوی لوگ تہذیب وتمدن تو کچھ رکھتے نہیں اپنا، ایسے ہی رہتے ہیں لہٰذا اسی شکل میں آ گئے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ متعلم اور سائل ہو کر آیا تھا اس لئے یہ تعلیم دے گیا کہ طالب علم کو بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک دھن ہو اور کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

نسمع دوی صوتہ:

دوی کہتے ہیں صوت خفی کو یعنی اس آواز کو جو سنائی دے لیکن معنی سمجھ میں نہ آئیں اور عرف عام میں صوت نحل شہد کی مکھی کی آواز سے تشبیہ دیتے ہیں جس کی تفسیر بھنبھناہٹ سے کی جاتی ہے۔ یہاں پر شراح قاطبۃ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ چونکہ دیہاتی تھا تمدن سے عاری اس نے دور ہی سے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا مگر دور ہونے کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا جب

Maktaba Tul Ishaat. com

قریب آیا تو بات معلوم ہوئی۔ میرے والد صاحب نے اپنے شیخ قدسرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شراح کے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے اس لئے کہ دوی کہتے ہیں صوت خفی کو لہٰذا یہ کہنا کہ وہ زور زور سے پکارتا ہوا آرہا تھا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بڑے کے پاس جاتا ہے اور کوئی بات اس سے کرنا چاہتا ہے تو اس پر ایک قسم کا خوف اور سہم سوار ہو جاتا ہے اس بناء پر وہ ان باتوں کو رٹتا ہے اور آہستہ آہستہ یاد کرتا جاتا ہے۔ تاکہ مقام پر پہنچ کر بلا تکلف کہہ دے اور سوچتا رہتا ہے کہ یہ پوچھوں گا اور یہ بات دریافت کروں گا وغیرہ وغیرہ۔

خمس صلوات فی الیوم و اللیلة:

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اسلام کے اہم ارکان بتلائے ہیں احناف پر اس حدیث سے استدلال کر کے ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ وتر فرض نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے پانچ نمازیں بتلا کر آگے فرمادیا لاالا ان تطوع اس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ وقت کے علاوہ جو نماز پڑھی جائے گی وہ فرائض میں داخل نہیں ہوگی۔ علماء احناف اس کے کئی جوابات دیتے ہیں اول یہ کہ وتر ابتداء سنت تھے پھر بعد میں واجب کیے گئے اور اس کی دلیل حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔

ان اللّٰہ امدکم صلوٰۃ الا وھی الوتر:

یہاں پر جس نماز کی زیادتی کو بتلایا گیا ہے وہ وتر ہی ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز کے تابع ہے مستقل کوئی نماز نہیں لہٰذا عشاء کی نماز میں یہ خود شامل ہیں اور اسی تابع ہونے کی بناء پر ہمیشہ وتر عشاء کے بعد پڑھے جاتے ہیں پہلے پڑھنا جائز نہیں اسی وجہ سے اگر عشا کی نماز دہرانی پڑ جائے تو وتر بھی دوبارہ پڑھے جاتے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تو فرائض کو بتلانا مقصود ہے اور وتر احناف کے یہاں فرض نہیں صرف واجب ہیں اور فرض و واجب میں وہی فرق ہے جو آسمان زمین میں ہے میں کہتا ہوں کہ نماز جنازہ بھی تو فرض ہے اور صلوۃ الکسوف بعض ظاہریہ کے یہاں واجب ہے اسی طرح عیدین کی نماز بعض ائمہ کے یہاں فرض ہے جو جواب یہ سب حضرات دیں گے ہم احناف بھی وہی جواب دیں گے۔

لاالا ان تطوع:

یہاں ایک مسئلہ سنو وہ یہ کہ اگر کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کردے تو حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں اس کا اتمام واجب ہوجاتا ہے اور افساد میں قضا واجب ہوتی ہے اور شوافع و حنابلہ کے یہاں قضا واجب نہیں۔ دراصل اس اختلاف کی وجہ یہ ہورہی ہے کہ یہاں پر الاان تطوع میں استثناء متصل ہے یا منفصل حنفیہ و مالکیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے اور جب استثناء متصل ممکن بھی ہے تو پھر منفصل بنانے کی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا یہاں استثناء متصل ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تیرے اوپر اس کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہاں یہ کہ تو نوافل شروع کردے تو پھر وہ واجب ہوجائیں گی۔ شوافع و حنابلہ کہتے ہیں کہ جس طرح تم زکوٰۃ میں استثناء منفصل مانتے ہو اسی طرح یہاں بھی مان لو۔ حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چونکہ زکوٰۃ کوئی منظم نہیں بلکہ معطی کو اختیار ہے کہ کچھ آج دیدے اور کچھ کل۔ بخلاف مصلی اور صائم کے کہ ان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بعض رکعت آج پڑھ لیں بعض رکعت اگلے روز یا نصف دن کا روزہ آج رکھیں اور نصف بقیہ کل رکھیں بلکہ ان میں اتساق و انتظام ہوگا اس لئے یہاں استثناء متصل ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہاں چونکہ خود انفصال

Maktaba Tul Ishaat. com

ہوتا ہے استثناء بھی منفصل ہو جائے گا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لو کہ فرائض کا پڑھنا واجب مؤکد ہے اور نوافل باعث اجر وثواب ہیں اور ان کے ترک پر کچھ عقاب وعذاب نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص پورے پورے فرائض ادا کرے اور نوافل نہ پڑھے تو وہ ناجی ہوگا لیکن میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ کوئی نجات کے دھوکہ میں آ کر نوافل کو نہ چھوڑ دے کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے روز فرائض کی کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اب کیا ہماری نمازیں ایسی ہیں کہ ان پر پورا اور کامل ثواب ملے ہاں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان کے صرف فرائض ان کے لئے ناجی ہیں۔

وذکرله رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم:

اس ذکر کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے صوم وصلوۃ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یاد تھے لیکن یہاں یہ یاد نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اس لئے ذکرله سے تعبیر فرمادیا ہے یہ حضرات محدثین کی غایۃ احتیاط ہے الا ان تطوع یہ استثناء سب کے نزدیک منفصل ہے اور بعض روایات میں حج کا بھی ذکر واقع ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعہ دوسرا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واقعہ تو ایک ہی ہے مگر یہاں پر راوی نے اختصار کر دیا ہے۔

والله لاازید علی هذا ولاانقص:

یہاں اشکال یہ ہے کہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقصان نہ کرنے پر قسم کھالی یہ تو قرین قیاس ہے اور ٹھیک ہے مگر یہ جو انہوں نے زیادتی نہ کرنے پر بھی قسم کھالی اور اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افلح الرجل ان صدق فرما کر اس پر فلاح مرتب فرمادی یہ کس طرح صحیح ہے کیونکہ یہاں پر بقیہ فرائض حج وغیرہ مذکور نہیں۔ اس کے علماء نے چند جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر یہ روایت میں فاخبره صلی اللہ علیہ وسلم بشرائع الاسلام (۱) موجود ہے لہٰذا اس کے اندر ساری شریعت آگئی، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آنے والے صحابی ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور وافد تھے تو انہوں نے اس بات کی قسم کھائی کہ ان احکام کو اپنے قبیلے تک پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا لیکن پھر اشکال یہ ہو جائے گا کہ یہی حدیث صفحہ ۲۵۴ پر بھی آرہی ہے وہاں ہے لاا تطوع شیئا ولاانقص اس سے یہ پتہ چلا کہ وہ اس کی زیادتی کو اپنے متعلق کہہ رہے ہیں کہ میں نہ نفلیں پڑھوں گا اور نہ کوئی اور عبادت کروں گا لہٰذا یہ تیسری توجیہ یہاں نہیں چل سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی شان یہ تھی کہ یونہی کہیں اس لئے کہ اگر فرائض کو ان کے پورے آداب کے ساتھ ادا کرلے اور درمیان میں ادھر ادھر کا خیال دل میں نہ لاوے تو وہ ناجی ہے اور یہ جو روایات میں آتا ہے کہ بندہ کے فرائض کو دیکھا جائے گا اگر کم ہوں گے تو نوافل کو دیکھا جائے گا اور ان نوافل کے ذریعہ سے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی تو یہ ہم جیسوں کے لئے ہے جن کی عبادت ناقص ہے۔ ہماری عبادتوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عبادتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہماری نمازیں اگر وہاں منہ پر مار کر نہ پھینکی جائیں تو بھی بہت کافی ہے۔

افلح ان صدق:

یہ ان شرطیہ بھی پڑھا گیا ہے اور ان نصب کے ساتھ بھی یعنی لان صدق.

---

(۱) اخرجه البخاری فی کتاب الصوم صفحه ۲۵۴ مرتب

Maktaba Tul Ishaat. com

باب اتباع الجنائز من الایمان

حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے شعب ایمانیہ کو اتباع الجنائز کے باب پر ختم فرمایا ہے کیونکہ جنازہ کا نمبر بھی شریعت میں سب سے آخر میں ہے۔اور تقسیم غنائم چونکہ موت کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو مؤخر فرمادیا ہے۔

باب خوف المومن ان یحبط عمله:

یعنی مومن کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے کہ زبان سے کوئی کلمہ کفر وغیرہ کا ایسا نہ نکل جائے جس سے اعمال حسنہ ضائع ہو جائیں۔
بعض محدثین فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس باب سے فرقہ احباطیہ کی طرف پہنچ گئے کیونکہ اس جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے پہلے اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے کہ شدہ شدہ کفر کی نوبت آجائے۔ترجمۃ الباب کی اصل غرض مرجیہ پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ **لا ینفع طاعة ولا یضر معصیة** اس لئے اگر معصیت مضر نہیں تو حبط عمل کے کیا معنی؟

وھو لایشعر:

یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے **وھو لایشعر** بڑھا کر ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کوئی لاعلمی میں الفاظ کفر یہ کہتا رہے تو کیا وہ کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ کلمات کفر جب قصد کے ساتھ کہے جائیں تو کفر ہیں اور اگر قصد کے ساتھ نہ کہے جائیں تو وہ کفر نہیں۔علامہ کرمانی نے نووی پر رد کیا اور فرمایا کلمات کفر کے کہنے سے کافر ہو جاتا ہے خواہ قصد وخبر کے ساتھ کہے یا بغیر قصد وخبر کے کہے یہی جمہور کی رائے ہے۔امام بخاری نے اسی قول (ثانی) کی تائید فرمائی **وھو لایشعر** بڑھا کر کہ آدمی کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں لاعلمی میں ایسا عمل نہ ہو جائے جس سے اعمال حبط ہو جائیں۔

وقال ابراھیم التیمی:

یہ ابراہیم بہت بڑے واعظ تھے جب وعظ کہتے تھے تو یہ دیکھا کرتے تھے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر خود میرا عمل بھی ہے یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کہہ رہا ہوں کچھ، اور عمل اس کے خلاف ہو۔

کلھم یخاف علی نفسه:

چنانچہ حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا قصہ مشہور ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں ایسے ہوتے ہیں گویا جنت دوزخ سب ہمارے سامنے ہے اور جب ہم اپنے گھروں کو آتے ہیں تو بیوی بچوں میں لگ جاتے ہیں مجھ کو تو ڈر ہو گیا کہ کہیں میں منافق تو نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا بھی یہی حال ہے چلو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں چلیں۔دونوں حضرات خدمت میں حاضر ہوئے اور معاملہ عرض کیا۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کبھی یہ کبھی وہ امام بخاری نے ابن ابی ملیکۃ کا مقولہ نقل فرمایا۔

مامنھم احد یقول:

بعض مشائخ درس میں فرماتے ہیں کہ یہاں سے امام بخاری امام اعظم پر رد فرما رہے ہیں کیونکہ حضرت امام صاحب سے مشہور

Maktaba Tul Ishaat. com

ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا ایمانی کایمان جبرئیل لیکن یہ اشکال غلط ہے۔ لامع میں حضرت نے اس کے چھ جوابات دیئے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک چونکہ یہ اعتراض ہی نہیں لہٰذا جواب کی بھی ضرورت نہیں اور اعتراض اس وجہ سے غلط ہے کہ ان لوگوں نے حضرت امام صاحب کے کلام کو غور سے دیکھا ہی نہیں کیونکہ اول تو امام بخاری حضرت امام صاحب پر رد فرما ہی نہیں سکتے۔ شراح میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ امام ابوحنیفہ پر رد ہے۔ اور اگر امام بخاری نے خدانخواستہ امام صاحب پر رد فرمایا ہے تو حضرت امام بخاری نے امام صاحب کی بات ہی نہیں سمجھی اس لئے کہ امام صاحب پر رد اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ امام صاحب کا مقولہ جو ہے وہ ایمانی کایمان جبرئیل ولا اقول مثل ایمان جبرئیل ہے۔ تو امام صاحب نے ایمانی کایمان جبرئیل فرما کر مثل ایمان جبرئیل کی نفی فرمائی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کاف سے تشبیہ ذات کے اندر دیجاتی ہے اور مثل سے صفات میں تو گویا امام صاحب ذات ایمان میں اپنے ایمان کو ایمان جبرئیل سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اور صفات میں برابری کی نفی فرمارہے ہیں لہٰذا امام صاحب پر رد نہیں ہوسکتا۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب خود واضح ہوگیا کہ حضرت امام اعظم کا مقصد صرف یہ بات کہنی ہے کہ جن جن چیزوں پر ان کا ایمان ہے۔ ان ہی پر ہمارا بھی ایمان ہے لہٰذا مومن بہ کے اعتبار سے ایمان میں کوئی فرق نہیں البتہ رہے اوصاف اس میں یقیناً جبرئیل علیہ السلام جیسا ایمان نہیں ہوسکتا اسی کو حضرت نے صراحۃً ذکر فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام اعظم کا مقولہ صرف ایمانی کایمان جبرئیل ہے اس میں حضرت میکائیل علیہ السلام کا کہیں ذکر نہیں اور یہاں (بخاری میں) لفظ میکائیل بھی ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ یہ مقولہ کسی اور کا ہے۔ ماخافه الا مومن یعنی نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے اور اس سے مامون منافق ہی ہوتا ہے۔

ومایحذر من الاصرار علی التقاتل:

یہ عطف ہے خوف المومن ان یحبط عمله پر اور مطلب یہ ہے کہ نفاق وعصیان سے بچنا چاہئے کیونکہ اصرار علی المعاصی کفر تک منجر ہوتا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس کی صورت یہ بیان فرماتے ہیں کہ من تهاون بالنوافل تهاون بالسنن ومن تهاون بالسنن تهاون بالفرائض ومن تهاون بالفرائض سلب المعرفة ومن سلب المعرفة یقع فی الکفر یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کا ایک جملہ وقتاله کفر ہے۔ اس سے مرجئہ پر رد ہے کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک صرف لا اله الا الله محمد رسول الله کہنے کے بعد آدمی جو چاہے کرتا رہے تو معلوم ہوا کہ یہ فرقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی صراحۃً مخالفت کرتا ہے لہٰذا ابووائل نے جو مرجئہ کے متعلق سوال کیا تھا اس کا جواب بھی مفہوم ہوگیا کہ یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف کرتا ہے۔

وانه تلاحی فلان وفلان فرفعت:

چونکہ باب کے اندر اصرار علی التقاتل وغیرہ سے بچنے کا امر تھا تو اب یہاں سے تقاتل کی خرابی اور اس کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ اتنی بری شے ہے کہ لیلۃ القدر جیسی رفیع الشان چیز دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے اٹھالی گئی اگرچہ ان دونوں کو علم بھی نہیں تھا پھر بھی ان کے تنازع کی وجہ سے ایسی اہم چیز اٹھالی گئی لہٰذا اگر علم بھی نہ ہو پھر بھی گناہ سے اعمال حسنہ ضائع ہوسکتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ فرفعت سے مراد شب قدر ہے کہ وہ اٹھالی گئی۔ اس حدیث پر مزید کلام میں آگے چل کر کروں گا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب سوال جبرئیل النبی ﷺ

امام بخاری کا مقصود اس باب سے بھی ایمان کی ترکیب کو ثابت کرنا ہے کہ ایمان کے یہ سب اجزا ہیں احسان، علم، ساعة وغیرہ جن کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ آگے امام بخاری ایک جملہ لائے ہیں و مابین النبی ﷺ اس سے بھی ترکیب ثابت کردی کہ آپ ﷺ سے وفد عبدالقیس نے چند اشیاء کا سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا تھا اور چار باتوں سے روکا تھا اس سے بھی معلوم ہوگیا کہ ایمان کے بہت سے اجزا ہیں۔ نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کرنے سے ہر ایک متعلق الگ الگ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام، ایمان، دین الگ الگ ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حقیقۃ سب ایک ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے صرف اعتباری فرق ہے کہ ظاہراً جو شے ہے وہ اسلام ہے اور وہی شے اگر قلب میں ہے تو ایمان ہے اور یہی دین ہے جیسے و من یتبع غیر الاسلام دینا اس سے بھی معلوم ہوا کہ دین و اسلام ایک ہی مرکب شے ہے دونوں الگ الگ نہیں۔

ماالایمان:

ایمان کا تعلق چونکہ قلب سے ہے اس لئے ماالایمان کے جواب میں ان امور کو بتلا دیا جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلام کا تعلق جوارح سے ہے اس لئے ایسی چیزیں بتلا دیں جو جوارح سے متعلق ہیں۔

ان تعبدالله کانک تراہ:

یہ احسان کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو عابد دیکھ رہا ہے۔ یہاں پر حدیث پاک میں کانک فرمایا گیا ہے کیونکہ دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ تو محال ہے لیکن اب اعتراض یہ ہے کہ جب یہ محال ہے تو اس رؤیت کا تصور کیسے کرے یعنی ہم تو یہ تصور نہیں کر سکتے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اس کو محال ہے تو آگے اس کا طریقہ بیان فرمایا گیا کہ تو یہ تصور کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے اور جب تو یہ تصور کرے گا تو پھر عمل کے اعتبار سے ایسا ہو جائے گا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے، اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب مالک دیکھتا ہے تو کام بڑی توجہ سے ہوتا ہے لیکن صرف تم ہی اسے دیکھ رہے ہو وہ تمہیں نہ دیکھ رہا ہو تو اس میں وہ بات نہیں ہوگی جو پہلی صورت میں ہوتی، تو مطلب یہ ہوا کہ غایت توجہ سے عبادت کرو یہ تشریح ہے اس پورے کلمہ کی۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے اس کے اندر دو درجے پیدا فرمائے ہیں کہ اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ تو اس کا تصور کرے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ تجھے دیکھے۔ حضرات صوفیاء کرام یہاں ایک تیسری توجیہ بھی فرماتے ہیں کہ فان لم تکن تراہ میں فان لم تکن شرط اور تراہ جزا ہے ای ان لم تکن تراہ یعنی اگر تو موجود نہیں رہے گا تو تو اس کو دیکھ لے گا۔ اس پر اشکال ہوا کہ تراہ اگر جزاء ہے تو مجزوم ہونا چاہئے اس کا جواب دیا کہ تراہ اصل میں ہے. فبقلبک تراہ.

اذا ولدت الامة ربتها:

اس کی دو توجیہیں مشہور ہیں اول یہ کہ اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ اتنی نافرمانی ہوگی کہ والدین اولاد کے تابع ہو جائیں گے۔ دوسری توجیہ فقہاء کرام نے کی ہے کہ ام ولد کی کثرت بیع کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ام ولد اتنی کثرت سے ایک دوسرے

Maktaba Tul Ishaat. com

کے ہاتھ فروخت ہوگی کہ چکر لگاتے لگاتے اسی کے گھر پہنچ جائے گی جہاں سے وہ ام ولد بن کر نکلی تھی اور اس کا ثمرہ جہالت ہے۔ آگے چل کر فرمایا اذا تطاول رعاۃ الابل آج کل تم خوب دیکھ رہے ہو کہ ان چماروں کے مکانات زیادہ اونچے ہیں۔

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور بالکل مصداق ہے اس شعر کا

دو گونہ رنج وعذاب است جانِ مجنون را بلائے صحبت لیلیٰ وفرقت لیلیٰ

کیونکہ اول تو ترجمۃ الباب کی روایت سے مناسبت کرنی مشکل ہے اور پھر جبکہ سرے سے ترجمہ ہی نہ ہو اور یہ مصیبت ہے کہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت شیخ الہند کی رائے یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گزرا ہے باب خوف المومن ان یحبط عملہ اور اب اس باب میں ہرقل کی حدیث کا وہ ٹکڑا ذکر کرتے ہیں جس کے اندر یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب آدمی کے قلب میں آجاتی ہے تو ایمان کی تکمیل ہوجاتی ہے اور ایمان تام ہوجاتا ہے تو اس باب سے یہ بتلایا گیا کہ احباط عمل کا خوف اس وقت نہیں رہتا جب ایمان بشاشت قلوب میں گھس جائے۔ مگر مجھ کو اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری نے باب خوف المومن میں اتنا زور باندھا ہے کہ کچھ حد نہیں ابن ابی ملیکہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ میں تیس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملا ہوں ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا خوف رکھتا تھا اور میں نے یہ بھی بتلایا تھا کہ انہی لوگوں میں سے جو نفاق سے ڈرتے تھے حضرت ابوبکر وحضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے تو اب میرا اشکال یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نفاق سے ڈرتے تھے تو کیا ایمان ان کے بشاشت قلوب سے مخالط نہیں ہوا تھا لہٰذا میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ باب سابق میں جو حدیث جبرئیل گزری ہے اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال ایمان، اسلام میں مغائرت معلوم ہوتی تھی تو اب اس باب سے ان دونوں میں اتحاد ثابت فرمارہے ہیں یہ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ یہ اشیاء گو مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن معتبر ومعتمد ہونے کے اعتبار سے ایک ہیں اور باہم ان میں تلازم ہے۔ اب یہاں اشکال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ استدلال ایک کافر کے قول سے کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد اس کو بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرمارہے ہیں لہٰذا مراسیل صحابہ یا موقوفات صحابہ کے قبیل سے ہوئی اور یہ سب ہمارے نزدیک حجت ہیں۔

باب فضل من استبرأ لدینه

اس سے مراد تقویٰ ہے کہ آدمی اپنے دین کے لئے پاکی حاصل کرے تو مصنف کا مقصود یہ ہے کہ تقویٰ وورع بھی اجزاء ایمانیہ میں سے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک باب گزرا ہے باب خوف المومن الخ اس میں مومن کو احباط عمل سے ڈرایا ہے اب امام بخاری اس باب سے ایسا طریقہ اور راستہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کے اختیار کرنے سے آدمی حبط عمل سے بچ جائے اور وہ راستہ ہے اپنے دین کے لئے استبراء کرنا اور شبہات سے بچتے رہنا۔ استبراء کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے دین سے براءت یعنی تقویٰ حاصل کرے گا وہ کفر سے بھی بچ جائے گا جو کہ حابط عمل ہے جیسے جانور حمی سے بچا رہے تو حمی میں داخل ہونے سے بھی بچا رہے گا اور اگر حمیٰ کے قریب ہوگیا تو حمی میں چلے جانے کا اندیشہ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

فمن اتقی الشبہات استبرألدینہ:

یہ روایت کتاب البیوع میں آئے گی مفصل کلام تو وہاں پر کروں گا کتاب البیوع میں اس لئے اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں کہ بیوع میں شبہات زیادہ پیش آتے ہیں امام بخاری کا مقصد اس روایت سے یہ ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ متقی ہو جائے تو اسے شبہات سے بچنا چاہئے۔

یعلم اللہ راہ خدا از دو قدم بیش نیست — یکدم برنفس خودنہ دیگرے برکوئے دوست

الاوان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ یعنی یہ سب اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دل کی اصلاح ہو جائے اور صوفیاء کی ضربیں بھی اسی قلب کے زنگ کے زائل کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ قلب کا یہ زنگ کوئی ظاہری شے تو نہیں کہ اس کو دھو یا جائے بلکہ وہ تو ایک عرض ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی معصیت کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو دھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو دھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر دوسرا گناہ کرنے پر دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے اسی طرح ہر گناہ سے نقطہ لگتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ یہی وہ ران ہے جس کو اللہ نے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس باب کی یہ حدیث امام ابوداؤد کی ان چار احادیث میں سے ایک حدیث ہے جس کا انہوں نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا ہے۔

باب اداء الخمس من الایمان

امام بخاری شعب ایمانیہ کو ذکر فرما رہے تھے یہ سب سے آخری شعبہ ہے جس کو امام بخاری نے ذکر کیا۔ اس باب کو باب اتباع الجنائز کے بعد اس وجہ سے لائے کہ عام طور سے شہید ہو جانے کے بعد ہی خمس وغیرہ تقسیم ہوتا ہے۔

عن ابی جمرة قال کنت اقعد:

شراح وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اپنے پاس تخت پر بٹھایا کرتے تھے اور ان کے لئے وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا یہ سب اکرام و اعزاز اس وجہ سے تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس فارس اور دوسرے ممالک سے جو وفود اور خطوط وغیرہ آیا کرتے تھے تو یہ ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ترجمانی کرتے تھے تو اس ترجمانی کی وجہ سے ان کا اعزاز و اکرام ہوا کرتا تھا چنانچہ بین السطور لکھا بھی ہے کہ **لانہ کان یترجم لہ بالفارسیة**۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ بخاری کتاب الحج میں آگے چل کر صفحہ دوسو تیرہ پر شروع صفحہ میں تفصیل سے یہ روایت آرہی ہے کہ حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد نے پوچھا تھا کہ آخر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا اتنا اکرام کیوں فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا **للرویا التی رایت** یعنی اس خواب کی بناء پر جو میں نے دیکھا تھا اور واقعہ اس خواب کا یہ ہے کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اپنے زمانہ خلافت میں قران سے روکا کرتے تھے مگر لوگ کہاں ماننے والے تھے ان کی مخالفت کرتے تھے انہی مخالفت کرنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے کہ انہوں نے قران کا احرام باندھ کر اعلان کر دیا تھا کہ میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا جو جی چاہے کرے میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قران کا احرام باندھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب یہاں تم کو اشکال

Maktaba Tul Ishaat. com

ہو رہا ہوگا کہ جب حضور اقدس ﷺ نے قران کا احرام باندھا تھا تو حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو کیوں منع کرتے تھے اس کا جواب اپنی جگہ پر کتاب الحج میں آجاوے گا۔ بہر حال حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اپنے اپنے زمانے میں طوطی بول رہی تھی ان کے حکم کے خلاف اگر کوئی قران کا احرام باندھ لیتا تو اس پر فقرے کسے جایا کرتے تھے حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قران کا احرام باندھا لوگوں نے فقرے کسے مگر وہ اپنے احرام پر رہے اسی دوران انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ حج مبرور وعمرة متقبلة ان کو بڑی خوشی ہوئی اور اپنا یہ خواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا کر سنایا ان کو بھی بہت خوشی ہوئی اور ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اسی عقیدت کی بنا پر ان کو اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے اور وظیفہ مقرر فرما رکھا تھا دراصل قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی پر صلاح کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس سے لوگوں کو عقیدت ہو ہی جاتی ہے اور احترام کیا ہی جاتا ہے اس بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ان کا احترام اس بزرگی کی وجہ سے ہوتا ہوگا ورنہ محض ترجمانی ایسی بات نہیں کہ جس کی وجہ سے اتنا احترام ہو۔

ان وفد عبدالقیس:

حضرت ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو ماہ ٹھہرے رہے اور ان حضرات کا یہی مشغلہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی احادیث ایک دوسرے کو سناتے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سی احادیث سنائیں ان میں ایک حدیث یہ وفد عبدالقیس کی بھی ہے۔ یہ وفد عبدالقیس سنۃ الوفود میں ۹ھ کے درمیان آیا جیسا کہ محدثین اور مورخین کی رائے ہے اور میری رائے یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے حجۃ الوداع کے سال تک کسی دوران آیا۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ غزوۃ الفتح کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا بول بالا کر دیا تھا اور قبائل کے قبائل آ کر مسلمان ہو رہے تھے پھر اس وفد عبدالقیس کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ یارسول اللہ انا لانستطیع ان ناتیک الا فی الشهر الحرام وبیننا وبینک هذا الحی من کفار مضر یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس سوائے اشہر حرم کے نہیں آسکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے۔ جو مکہ اور مدینہ آتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے اور لوٹ مار کرتا ہے۔ تو اعتراض یہ ہے کہ جب قبائل کے قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور اسلام کا ڈنکہ بج رہا تھا تو ان کی مخالفت قبیل مضر سے کس طرح باقی رہ گئی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وفد عبدالقیس حضور اکرم ﷺ کے دربار میں دو مرتبہ آیا ایک ۸ھ کے درمیان فتح مکہ سے قبل دوسرے ۹ھ کے درمیان۔ تو یہ واقعہ جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ ۸ھ کا ہے نیز اس میں جو سوالات پوچھے گئے ہیں وہ بھی ۸ھ ہی کے ہیں یہاں پر چونکہ مقصود صرف احکامات کو بتلانا ہے اس لئے اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ بھی بتلایا جائے کہ یہ کس سنہ کا واقعہ ہے۔

لما اتو النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

یہاں بین السطور تمہارے محشی نے عام الفتح لکھ رکھا ہے عام الفتح ۸ھ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ واقعہ ۶ھ کا ہے کیونکہ اس میں کفار مضر کے پریشان کرنے کا تذکرہ ہے اور یہ پریشان کرنا اور لوٹ مار ۶ھ میں ہی ہو سکتی ہے اگر اس ۶ھ کے قول کو نہ مانا جائے تو پھر قبیلہ مضر کی یہ شکایت کرنا غلط ہوگا کہ یہاں اس حدیث میں اشہر حرم کا لفظ آیا ہے جو اہل مکہ کے یہاں بین الاقوامی مہینے تھے اس میں کوئی آدمی کسی کو نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ حتی کہ باپ کے قاتل سے بھی کوئی تعرض نہیں ہوتا تھا۔ اشہر حرم سے مراد ذی قعدہ اور ذی الحجہ

Maktaba Tul Ishaat. com

محرم اور رجب ہے۔

غیر خزایا ولاندامی:

رسوائی تو اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ تم لوگ خود بخود آ گئے قید کر کے لانے کی نوبت ہی نہیں آئی اور ندامت اس بنا پر نہیں ہے کہ تم سے ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی جس میں تمہارے اور ہمارے آدمی قتل ہوتے تو آج منہ دکھانا مشکل ہوتا اور باپ کا قاتل بیٹے کے سامنے آتا تو شرمندگی اور ندامت ہوتی بلکہ تم سب ان چیزوں سے محفوظ ہو سالوہ عن الاشربہ اس وفد نے حضور پاک ﷺ سے امر فیصل دریافت کیا تو آپ ﷺ نے چار چیزوں سے منع فرمایا اور چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا چونکہ ان کے یہاں شراب کا بہت زور تھا اور مدینہ میں شراب کی حرمت مشہور ہو چکی تھی اس لئے اس کے متعلق ان لوگوں نے خاص طور سے آپ ﷺ سے سوال کیا۔

فامرهم باربع ونها هم عن اربع:

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ جن چیزوں کا امر فرمایا گیا ہے وہ اجمال میں تو چار بتلائی ہیں لیکن تفصیل میں پانچ ذکر کی گئی ہیں۔شهادة ، اقامة صلوة ،ایتاء زكوة ،صيام رمضان ،اعطاء خمس تو اجمال و تفصیل میں مطابقت نہیں رہی اس کا ایک جواب جیسا کہ تم مشکوۃ میں بھی پڑھ چکے ہو یہ ہے کہ پہلے چار یعنی شہادۃ وحدانیۃ ورسالۃ اور اقامۃ صلوۃ ،ایتاء زکوۃ اور صیام رمضان یہ سب شمار کے اعتبار سے ایک ہیں اور تفسیر ہے الایمان بالله وحده کی اور دوسرا غنیمت میں سے خمس ادا کرنا ہے اور بقیہ دو کو راوی نے اختصارا یا سہوا چھوڑ دیا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کا اصل مقصد ان چار ہی کو بیان کرنا تھا اور پانچویں چیز ان کو خاص طور سے بغیر ان کے سوال کئے ہوئے بتلا دی یعنی خمس کا ادا کرنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنگجو اور بہادر قسم کے لوگ تھے اور ان کے آس پاس کفار رہا کرتے تھے اس لئے مال غنیمت ملنے کی امید ہر وقت رہا کرتی تھی تو اس کو حضور ﷺ نے بتلایا کہ اگر مال غنیمت کہیں سے مل جائے تو اس کا خمس ادا کر دینا یہی وجہ ہے کہ اس پانچویں حکم کا اسلوب بدل دیا،اور وان تعطوا من المغنم الخمس کے الفاظ سے ذکر کیا لیکن اس جواب پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ خود بخاری میں صفحہ ایک سو اٹھاسی پر یہی روایت پھر آ رہی ہے وہاں شهادة ان لا الـه الا اللّٰه وان محمدا رسول الله وعقد واحدة وارد ہوا ہے اور پھر ایتاء الزكوة ، اقامة الصلوة ، اعطاء خمس ان تین کا ذکر ہے جس سے پتہ چلا کہ اعطاء خمس خود ان چار میں سے ایک ہے لہٰذا اس حدیث کی بناء پر اعطاء خمس کو مزائدہ اور امر خارجی سمجھنا غلط ہوگا۔نیز اس صورت میں مصنف پر اعتراض ہوگا کہ جب اصل مقصود اول چار تھے اور اعطاء خمس خارجی امر ہے تو اس پر باب اداء الخمس من الایمان کا ترجمہ کیسے درست ہوا لہٰذا اب پہلا ہی جواب دیا جائے گا یہاں صرف دو امر مذکور ہیں بقیہ دو امور راوی نے اختصارا یا سہوا چھوڑ دیئے۔دوسرا اشکال اس حدیث پر یہ ہے کہ اس میں حج کو ذکر نہیں کیا گیا وہ بھی تو فرائض میں سے ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بعض دوسری روایات میں حج کا بھی ذکر ہے مگر وہ روایات صحاح کی نہیں ہیں۔دوسرا جواب یہ ہے کہ حج سب لوگوں پر فرض نہیں ہوتا اس لئے اس کو شمار نہیں فرمایا بعض لوگوں نے تیسرا جواب یہ دیا کہ حج اس وقت تک فرض ہی نہیں ہوا تھا،یہاں تک تو وہ چار باتیں تھیں۔جن کے کرنے کا حکم ہے اور آگے جن اشیاء اربعہ سے منع کیا گیا ان میں سے ایک حنتم ہے حنتم کہتے ہیں مٹکے کو مگر چونکہ عام طور سے شرابیں سبز مٹکوں میں بنتی ہیں اس لئے سبز مٹکے ہی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔جیسے بوتل عام ہے چاہے کسی بھی چیز کی ہو

Maktaba Tul Ishaat. com

لیکن جب یوں کہیں کہ ذرا ایک بوتل دکان سے لا دینا تو اس سے مراد سوڈے کی بوتل ہوتی ہے عرف کی وجہ سے اسی طرح یہاں بھی۔ دوسرا برتن دباء ہے یہ آل کدو کا برتن ہوتا ہے اس کو خشک کر لیتے ہیں اور اندر سے بیج وغیرہ صاف کر کے برتن سا بنا لیتے ہیں کبھی میٹھے کدو کا بھی بتایا جاتا ہے۔ تیرنے والے اس کو بغل میں لے کر تیرتے ہیں۔ تیسرا برتن ہے نقیر، نقیر تو ہر منقور یعنی کھدی ہوئی چیز کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو کھجور کی جڑ میں کھود کر برتن سا بنا لیتے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لکڑیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں جن کے اندر سے کھود کر صاف کر لیا جاتا ہے والمزفت وربما قال النقیر یہ چوتھا برتن ہے مزفت اور نقیر رال ملے ہوئے برتن کو کہا جاتا ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں ان برتنوں کے استعمال سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ یہ تمام برتن شراب کے لئے تھے اور شراب کے اثر سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں اگر تازہ تازہ نبیذ بھی ڈالی جائے تو وہ بھی بہت جلد خراب ہو جائے گی اس لئے خاص طور سے ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔

باب ماجاء ان الاعمال بالنية والحسبة

یہاں امام بخاری اس چیز کو ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ کی نیت کر کے اگر نماز پڑھے گا تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں ایسے ہی ہر عمل میں اگر نیت خالص ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود اور اسی کی تائید کے لئے فرماتے ہیں قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ یعنی جیسا کرنا ویسا بھرنا امام بخاری نے ترجمہ میں حسبة لاکر بتلا دیا کہ اس سے مجرد ارادہ مع الاخلاص مراد ہے یعنی اعمال صرف نیت اور حسبة وثواب کی امید پر کئے جاتے ہیں اور ثواب کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اعمال خالصة لوجہ اللہ ہوں اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث بیان کی ہے اس پر میں ابتداء کتاب میں کلام کر چکا ہوں اور وہاں میں نے حنفیہ وشافعیہ کے درمیان جو اختلاف ہے اس کو بھی بتلا دیا تھا کہ ہمارے نزدیک انما الاعمال بالنیات کا مطلب ہے ثواب الاعمال بالنیات اور شوافع کے یہاں اس کا مطلب ہے صحة الاعمال بالنیات میں امام بخاری کو زبردستی اپنی طرف کھینچ کر لانا نہیں چاہتا وہ مستقل مجتہد ہیں لیکن اس ترجمہ کو دیکھ کر میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے کہ نیت کی تفسیر انہوں نے حسبة سے کی اور حبسة واحتساب کہتے ہیں ثواب طلب کرنے کو تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک انما الاعمال بالنیات کا مطلب انما ثواب الاعمال بالنیات ہے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں۔ فدخل فیه الایمان یعنی اس ضابطہ اور کلیہ میں سارے اعمال داخل ہیں ایمان بھی اسی طرح ہے کہ اس میں اخلاص ملحوظ ہے کہ محض اللہ کے لئے ایمان لائے کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے ایمان نہ لائے۔

اذا انفق الرجل علی اهله:

یہ روایت ترجمہ میں مختصر تھی یہاں تفصیل کے ساتھ ہے۔ میرے پیارو! دین کتنا آسان ہے کون نہیں جانتا کہ بیوی بچوں کا خرچ، شوہر کے ذمہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کتنی آسانی فرما دی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو کچھ کھلاوے پلاوے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے مگر ان سب چیزوں میں اصل شرط اخلاص ہے اللہ کے لئے ہو ورنہ اگر دنیا کے لئے ہوگا تو وبال بنے گا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لو کہ حنفیہ کے نزدیک عدم نیت سے حکم تو ثابت ہو جائے گا۔ لیکن ثواب حاصل نہ ہوگا لہٰذا اگر کوئی اللہ کے لئے نفقہ نہ دے بلکہ ریا یا کسی خوف وڈر کی وجہ سے دے تو نفقہ تو ادا ہو جائے گا یعنی عدم نیت کی صورت میں حکم تو ثابت ہے لیکن ثواب نہیں۔ نیز احناف کے یہاں مقاصد میں نیت

Maktaba Tul Ishaat. com

شرط ہوتی ہے وسائل میں نیت شرط نہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة

نصحت کے معنی اخلاص کے ہیں۔متاخرین کی ایک جماعت جس میں امام نووی وغیرہ شامل ہیں کی رائے یہ ہے کہ سارے دین کا خلاصہ صرف یہ حدیث ہے کیونکہ نصیحت کے معنی اخلاص کے ہیں اور یہی اخلاص تصوف کی جان ہے کیونکہ تصوف کہتے ہیں نیت کے خالص ہونے کو پھر اخلاص ونصیحت کی بہت سی صورتیں ہیں نصیحة للہ یہ ہے کہ اللہ کے خالق، مالک، رب ہونے پر ایمان لاوے اس کے احکام ماننے عبدیت کا اقرار اور اپنے کو غلام اور اس کو آقا سمجھنے کی کوشش کرتا رہے اور نصیحة للرسول یہ ہے کہ رسول کے لائے ہوئے اعمال اور اس کے خصائل اور اس کے اسوہ پر عمل کرے اور اس کے ہر عمل پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور جن اعمال کا متحمل نہ ہو جیسے جو کی روٹی کھانا وغیرہ ان کو دل سے پسند کرے اور ان پر عمل کی خواہش رکھے، اور درود شریف کا اہتمام رکھے۔نصیحة لائمة المسلمین یہ ہے کہ ان کے جو احکام شریعت کے موافق ہوں ان کی پابندی کرے اور ان کی معاونت کرتا رہے اگر وہ خلاف شرع کام کرنے لگیں تو ان کو حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے سمجھانے کی کوشش کرے اور نصیحة لعامة المسلمین یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے وہ پسند کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے جس کی ترغیب حدیث لایومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه میں کی گئی ہے۔یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے اس وجہ سے اللہ کے ساتھ اخلاص میں تمام عبادات آگئیں اور رسول کے ساتھ اخلاص میں محبت رسول آگئی ائمہ مسلمین اور عام لوگوں کے ساتھ اخلاص میں تمام معاشرت آگئی۔

بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

میں نے پہلے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بیعت اسلام، بیعت جہاد، بیعت احسان تینوں کو بتلایا تھا وہاں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو لوگ بیعت صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو جاہل ہیں یا متجاہل خود نبی کریم ﷺ سے بیعت لینا ثابت ہے۔بہر حال یہاں تم یہ سنو! کہ بیعت کے الفاظ مشائخ کے یہاں حسب موقع اور حسب مکان ہوتے ہیں جہاں یہ صوفیہ بیعت کرتے ہیں وہیں ان کے قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کے اندر کوئی خاص چیز ہوتی ہے تو اس پر خاص طور سے بیعت لیتے ہیں مثلا بعض سے بیعت لیتے وقت عہد لیتے ہیں کہ تعزیہ نہیں بنائے گا یہ نہیں کرے گا وہ نہیں کرے گا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ان کے احوال کے مطابق اور دوسرے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان کے احوال کے مطابق بیعت لی گئی ہے۔تو جس طرح نفس بیعت مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے اسی طرح یہ طریقہ بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ سے لیا گیا ہے چنانچہ حضور پاک ﷺ نے بیعت میں الفاظ عامہ کے ساتھ ساتھ الفاظ خاصہ سے بھی بیعت لی ہے بعض عورتوں سے اس پر بیعت لی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی اسی طرح یہاں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نصیحة للمسلمین کی بیعت لی، کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے اندر اس کی قوت دیکھی تھی۔

مات المغیرۃ بن شعبة:

حضرت مغیرہ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب آگیا تو انہوں نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو اپنا قائم مقام بنادیا اور یہ فرمایا کہ جب

Maktaba Tul Ishaat. com

تک کوئی دوسرا امیر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نہ آجائے تم امامت کے فرائض انجام دینا اس لئے کہ امارت کا معاملہ ہر شی سے مقدم ہوتا ہے بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے پہلے ہی امارت کا معاملہ طے کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے لئے جلسہ کیا اور اس میں تقریر فرمائی اور ان کو وقار اور سکینہ کی تعلیم دی کہ پیارو! تمہیں تو چاہئے تھا کہ نہایت وقار سے رہتے مگر تم ہو کہ شور وشغب کر رہے ہو۔ حتی یاتیکم امیر یعنی دار الخلافہ سے کوئی امیر متعین ہو کر آجائے۔ فانما یاتیکم الآن ۔میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب دوسرا امیر مقرر ہو کر آجائے گا۔ بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امیر سے مراد ان کی اپنی ذات ہے۔ یہ میرے نزدیک صحیح تو ہے لیکن بعید ہے۔ استغفروا لامیرکم یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جن کا انتقال ہو چکا ہے ۔

ثم استغفر ونزل:

یہاں میرا اور حافظ کا معرکہ ہے حافظ کے نزدیک امام بخاری کتاب کے آخر میں کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں تو گویا ثم استغفر سے براعۃ اختتام کے طور پر کتاب کے ختم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جب منبر سے اتر آئے تو جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ختم ہوا۔ اور میرے نزدیک کتاب کے اختتام کی طرف اشارہ نہیں بلکہ تیرے اختتام اور موت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ میں پہلے بھی ایک جگہ فکذلک آخر شان ھرقل کے تحت اس کو بیان کر آیا ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

کتاب العلم

ایمان کے بغیر کسی چیز کا اعتبار نہیں کیونکہ ایمان ہی اصل بنیادی شے ہے اس لئے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا اور ایمان کا مبدء وحی ہے اس لئے بالکل شروع میں وحی کا باب منعقد فرمایا تھا۔ ایمان کے بعد سب سے اہم درجہ صلوۃ کا ہے لہٰذا اسی کو ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن ان تمام کا محتاج الیہ علم ہے اس لئے اب علم کو بیان فرماتے ہیں۔

باب فضل العلم

میں نے پہلے بھی حضرت شیخ الہند کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت امام بخاری تراجم میں اللہ تعالیٰ کے اقوال کو بطور تبرک واستشہاد کے پیش فرماتے ہیں چنانچہ اس باب کے اندر بھی دو آیات ذکر فرمائی ہیں پہلی آیت وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ اس سے واضح طور پر اہل علم کا درجہ اور ان کی فضیلت معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کے درجات بلند فرمائیں۔ گے۔ دوسری آیت ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اس سے بھی علم کی فضیلت معلوم ہوئی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو باوجود سید البشر، افضل البشر، افضل الانبیاء فخر دو عالم اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہونے کے زیادۃ علم کے سوال کا امر فرمایا گیا تو معلوم ہوا کہ علم بہت ہی مہتم بالشان اور ذی فضل شے ہے۔

یہاں امام بخاری نے باب تو باندھا ہے مگر کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی بس دو آیات ذکر فرما کر باب کو ختم کر دیا۔ شراح ہر ایسے موقعہ پر جہاں بخاری شریف میں ترجمہ تو ہو مگر روایت نہ ہو تو چند توجیہات فرمایا کرتے ہیں۔ اول یہ ہے کہ لکھنے کا ارادہ تھا مگر کوئی روایت شرط کے مطابق نہیں ملی۔ دوسرے یہ کہ یہاں بیاض چھوڑ دی گئی تھی تا کہ جب کوئی روایت شرط کے مطابق مل جائے تو لکھدیں، لیکن جب امام بخاری کا انتقال ہو گیا تو شاگردوں نے وہ بیاض یہ سوچ کر ختم کر دی کہ اب امام بخاری رہے نہیں اب کون لکھے گا۔ تیسرے یہ کہ یہ کاتب کی گڑبڑی ہے کہیں کی روایت کہیں اور کہیں کا ترجمہ کہیں لکھدیا۔ چوتھے یہ کہ حضرت امام بخاری کا لکھنے کا ارادہ تھا لیکن اعجلته المنیة نظر ثانی کی نوبت ہی نہ آئی باوجودیکہ حضرت امام بخاری کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا اور میری تحقیق کے مطابق ۲۳۳ھ میں حضرت امام بخاری اپنی تصنیف سے فارغ ہو گئے تھے۔ شراح یہ تین چار جواب تو مستقل ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب دل بہلاوے کی باتیں ہیں بلکہ میری رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری ایسا جان بوجھ کر فرماتے ہیں تشحیذ اذہان کے لئے۔ جیسے کہ حضرت شیخ الہند کا ارشاد ہے کہ امام بخاری باب باندھ کر ترجمہ ذکر نہیں فرماتے تشحیذا للاذھان اسی طرح میری رائے ہے کہ گاہے گاہے ایسا بھی کر لیتے ہیں کہ ترجمہ تو باندھ دیتے ہیں لیکن روایت نہیں ذکر کرتے کیونکہ روایت تو ابھی ابھی گزری ہوتی ہے یا عنقریب آنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی باب دوبارہ صفحہ اٹھارہ پر آرہا ہے۔ اب خاص طور سے یہاں حضرت امام بخاری نے صرف دو آیتوں پر اکتفا فرمایا ہے اور کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی تا کہ فضیلت علم کا دائرہ تنگ نہ ہو جائے اس لئے کہ اگر مطلق رکھا جائے گا تو جتنی روایات اس موضوع کی ہوں گی سب اس کے اندر داخل ہو جائیں گی کیونکہ علم کی فضیلت اتنی کثیر نوع سے ہے کہ اس کے لئے ایک دو حدیثوں کا ذکر کر دینا اس کی فضیلت کو منحصر کر دینا ہے اور اس کے عموم کو محدود بنا دینا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ باب کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا ورنہ دراصل یہ باب یہاں کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مقام آگے ہے جہاں امام بخاری نے باب فضل العلم منعقد فرما کر روایت ذکر فرمائی ہے۔ اور رہ گئیں یہ

Maktaba Tul Ishaat. com

دو آیتیں تو یہ کتاب کے بعد کی ہیں کیونکہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ کتاب کے بعد آیات ذکر فرماتے ہیں۔ مگر میری رائے یہ نہیں ہے کیونکہ فضیلت تو ابتداء ہی میں بیان کی جاتی ہے اور جیسا کہ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ اگر ترجمہ کے الفاظ بدل جائیں اور مقصود ایک ہی ہو تو وہ ترجمہ مکرر کہلائے گا۔

جیسے کہ کتاب الایمان میں ایک جگہ یزید وینقص فرمادیا اور دوسری جگہ زیادۃ الایمان ونقصانہ فرمایا حالانکہ مقصد دونوں جگہ ایک ہی ہے اس لئے توجیہ کی ضرورت پیش آئی اور اس کے بالمقابل اگر ترجمہ کے الفاظ ایک ہوں لیکن غرض جدا جدا ہو جائے تو وہ تکرار نہیں کہلاتا تو اسی قاعدہ کے مطابق مجھے یہ کہنا ہے کہ اس ترجمہ سے تو علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور صفحہ اٹھارہ پر جو فضل آرہا ہے اس سے فضل بمعنی الفضیلۃ مراد نہیں بلکہ فضل بمعنی الباقی والفضیلۃ کو بیان کرنا ہے۔ اس توجیہ کی بناء پر دونوں بابوں کی غرض الگ الگ ہوگئی لہٰذا تکرار نہیں رہا۔ بعض شراح اس مقام پر ایک خاص جواب اور بھی دیتے ہیں وہ یہ کہ یہاں صرف استدلال مقصود ہے اور استدلال بالقرآن سے بڑی چیز کونسی ہے اس لئے قرآن سے استدلال کرنے پر قناعت کرلی۔

باب من سئل علما

اگر کوئی شخص بات میں مشغول ہے اور اس سے کوئی سوال کرلیا جائے اور وہ مشغول آدمی اپنی بات پوری کر کے پھر سائل کو جواب دے تو یہ جائز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاری نے یہی مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات ترجمۃ الباب کی غرض یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سے معلم کا ادب بتلا رہے ہیں کہ اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس سے سوال کرے تو وہ اپنی بات پوری کر کے پھر جواب دیدے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ متعلم کا ادب بتلا رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص بات کر رہا ہو تو اس سے اس وقت کوئی سوال نہ کیا جائے جب تک وہ اپنی بات سے فارغ نہ ہو جائے۔ اور حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ سائل کو جواب دینے میں اتنی دیر کرنا کہ پہلے اپنی بات پوری کرلے یہ کتمان علم میں داخل نہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مسئلہ کا جواب فوراً دینا ضروری نہیں۔

جاء اعرابی:

ایک اعرابی حضور پاک ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آتے ہی سوال کر دیا کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ نہیں دیکھا کہ پہلے سے حضور پاک ﷺ ایک بات فرما رہے ہیں اس کو ختم ہونے دیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراب آداب سے واقف نہیں ہوتے اس لئے انہوں نے اپنے سیدھے پن میں آکر سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ فقال بعض القوم چونکہ آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی طرح سے اپنے کلام مبارک میں مصروف رہے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں بعض نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے سن تو لیا ہے مگر ناگواری کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ حضور ﷺ نے سنا ہی نہیں کیونکہ حضور ﷺ تو ایسے لوگوں کو جلدی جواب دیا کرتے ہیں اگر سن لیا ہوتا تو کم از کم یہ ضرور فرمادیتے کہ ''ذرا ٹھہر جاؤ''۔

قال این اراہ السائل:

یہ لفظ ''اراہ'' راوی نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے کیونکہ اس کو اپنے استاذ کے الفاظ یاد نہیں رہے تھے۔ یہ تو متیقن تھا کہ استاذ

Maktaba Tul Ishaat. com

نے این فرمایا ہے مگراس کے بعد کیا فرمایا این الذی یسال عن الساعة فرمایایا اور کچھ کہا تھا اسی شک کی بناء پر "او ا ہ" بڑھا دیا۔ یہ ان حضرات محدثین کی کمال احتیاط ہے کہ اگر استاذ کے الفاظ میں شک ہو گیا تو اس کو شک ہی کے ساتھ ذکر فرمادیا۔ اسی طرح سے اگر استاذ نے صرف کسی راوی کا نام لیا اور اس کا نسب ذکر نہیں کیا تو یہ حضرات یعنی ابن فلاں کے ساتھ اس کو ذکر فرماتے ہیں تا کہ استاذ اور شاگرد کے الفاظ متمیز رہیں۔ قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اهله جب امارت نااہل کے ہاتھوں میں آجائے تو قیامت کا انتظار کرو، اور اسی کے افراد میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر باقی نہ رہے اور ہے بھی یہی بات کہ جب نااہل کے ذمہ گھر آتا ہے تو وہ برباد ہوتا ہے، دکان وہ برباد، مدرسہ وہ برباد، غرض کہ ہر چیز برباد ہوتی ہے۔ خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ نااہلیت لاعلمی سے پیدا ہوتی ہے اور دنیا کا نظام علم پر موقوف ہے اگر نااہلوں کے پاس انتظام چلا جائے گا تو سب نظام درہم برہم ہو جائے گا اس سے علم کی فضیلت خود بخود ثابت ہوگئی۔

باب من رفع صوته بالعلم

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن پاک میں آتا ہے وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ یہاں پر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو آہستہ بولنے کی نصیحت کی اور چیخ کر بولنے کو حمار کا خاصہ بتلایا تو اس سے ایہام ہوتا تھا کہ رفع الصوت بالعلم بھی کہیں اس میں داخل نہ ہو اس لئے امام بخاری نے اس باب کو باندھ کر تنبیہ فرمادی کہ علم اس سے مستثنیٰ ہے، اس کے اندر آواز کو بلند کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے اوصاف میں آتا ہے کہ لیس بصخاب فی الاسواق یعنی آپ ﷺ چیخ کر نہیں بولتے تھے اور یہاں حدیث میں ہے کہ فنادی باعلی صوته. جو عادت مبارکہ کے خلاف ہوا تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ یہ رفع الصوت بالعلم تھا جو اس میں داخل نہیں اور حضور پاک ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ چیخ کر نہیں بولتے تھے مگر تعلیم کے وقت زور سے ارشاد فرماتے تا کہ سب لوگوں تک آواز پہنچ جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ امام بخاری اساتذہ کو ادب سکھلا رہے ہیں کہ معلم کو چاہئے کہ علمی بات کو نہایت ڈٹ کر اور زور وشور سے کہے۔

عن عبدالله بن عمر وقال تخلف لنا النبی صلی الله علیه وسلم:

اس حدیث میں جو قصہ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کرام حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے نماز کو دیر ہو رہی تھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جلدی جلدی آگے بڑھے اور وضو کرنے لگے۔ عام طور سے جلدی کرنے میں ایسا ہوتا ہے کہ پاؤں وغیرہ خشک رہ جاتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کی ایڑیاں خشک رہ گئیں اس پر حضور ﷺ نے دور ہی سے پکار کر فرمایا ویل للاعقاب من النار اعقاب سے صاحب اعقاب مراد ہیں یعنی ان ایڑیوں والوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔

فجعلنا نمسح علی ارجلنا:

یہاں پر حقیقی مسح مراد نہیں بلکہ غسل ہی مراد ہے۔ قلت ماء اور تعجیل کی وجہ سے اس کو مسح سے تعبیر کر دیا۔

باب قول المحدث حدثنا واخبرنا

یہ مسئلہ چونکہ کتاب العلم کا ہے اس لئے امام بخاری اس کو یہاں ذکر فرماتے ہیں۔ سب سے پہلی بار جہاں بخاری میں لفظ حدثنا آیا

Maktaba Tul Ishaat. com

ہے میں وہاں متنبہ کر چکا ہوں کہ اس میں قدماء و متاخرین کا اختلاف ہے کہ ان الفاظ میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ قدماء کی رائے یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں حدثنا کی جگہ اخبرنا اور اخبرنا کی جگہ انبانا استعمال کر سکتے ہیں اور یہی رائے حضرات ائمہ ثلثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے، حضرت امام بخاری بھی انہیں کے ساتھ ہیں، چنانچہ امام بخاری اس باب سے اسی چیز کو ثابت فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی جگہ حدثونی کسی جگہ اخبرونی ایسے ہی حدثنا، اخبرنا کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال فرمایا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ان میں آپس میں کوئی فرق نہیں۔ اور علماء متاخرین جن میں مشارقہ اور امام شافعی، امام نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ خاص طور سے داخل ہیں یہ فرماتے ہیں کہ حدثنا تو اس وقت کہیں گے جب کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنے اور اخبرنا اس وقت کہیں گے جب کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے اور انبانا وہاں کہیں گے جہاں استاذ اوائل وغیرہ سن کر اجازت دیدے۔ یہ حدثنا اور اخبرنا میں اختلاف سب سے پہلے امام نسائی نے پیدا فرمایا تھا مشارقہ نے ان کی تائید کر دی۔

وقال الحمیدی:

حضرت امام بخاری اپنے استاذ حمیدی سے اپنے استاذ الاستاذ سفیان بن عیینہ کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ سارے الفاظ برابر تھے۔ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں چند مختصر احادیث بیان فرمائی ہیں جو مفصلاً اپنے اپنے مقامات پر آویں گی، ان میں کہیں حدثنا ہے اور کہیں عن ہے اور جہاں حضور ﷺ اپنے رب ذوالعلی سے نقل فرماتے ہیں وہاں یروی عن ربہ کہا ہے جس کو حدیث قدسی کہتے ہیں کوئی فرق نہیں کیا۔

ان من الشجر شجرۃ:

یہ روایت بخاری شریف میں دسیوں جگہ آئے گی اور امام بخاری اس سے بیسیوں مسائل ثابت کریں گے حضور اقدس ﷺ ایک بار تشریف فرما تھے آپ ﷺ نے بطور چیستاں اور پہیلی کے فرمایا ان من الشجر شجرۃ لایسقط ورقھا یعنی بتلاؤ وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے موسم خزاں میں نہیں گرتے لوگ یہ سن کر جنگلوں کے درختوں میں پڑ گئے کوئی کہتا فلاں درخت ہے کوئی کہتا کہ فلاں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے جی میں تو آ گیا کہ وہ نخلہ ہے مگر مجھے شرم آئی کہ اتنے بڑے بڑے لوگ تو خاموش ہیں میں کیا ٹانگ اڑاؤں، اس کے بعد جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا تو کہنے لگے حدثنا ماھی یا رسول اللہ! آپ ہی بتلا دیں کہ وہ کونسا درخت ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وہ نخلہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں گھر آیا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میرے جی میں تو آیا تھا کہ وہ نخلہ ہے مگر مجھ کو کہتے ہوئے شرم آئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس وقت کہہ دیتا تو میرے لئے یہ افضل ہوتا۔ اور ہے بھی یہی بات کہ اگر چھوٹوں سے کوئی اچھی بات صادر ہوتی ہے تو ان کے بڑوں کو خوشی ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں خود ان بڑوں کا اعزاز ہے کہ میرے بیٹے نے یہ کہا اور میرے بیٹے نے یہ کہا اب غور سے سنو! امام بخاری کا استدلال اس روایت سے بہت ہی دقیق ہے وہ یہاں پر دو لفظوں سے استدلال کرتے ہیں ایک تو یہ کہ یہاں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا فحدثونی ماھی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سمجھ میں جب نہ آ پایا تو انہوں نے عرض کیا حدثنا اور یہی روایت امام بخاری کتاب التفسیر میں صفحہ چھ سو اکیاسی (۶۸۱) پر ذکر فرمائیں گے وہاں حدثونی کے

Maktaba Tul Ishaat. com

بجائے اخبرونی وارد ہوا ہے اور بعض روایات میں انبئونی وارد ہوا ہے تو دیکھو اس ایک ہی حدیث میں کہیں اخبرونی ہے اور کہیں حدثونی اور کہیں انبؤنی معلوم ہوا کہ ان سب میں معانی کے اعتبار سے اتحاد ہے کوئی فرق نہیں۔

اب ایک بات اس حدیث کے متعلق یہ بھی سنو کہ یہاں حضور ﷺ نے جو کہانی بوجھی ہے کہ ایسا درخت بتلاؤ جو مثل المسلم ہو تو یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ جس طرح مسلمان اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ نافع ہے حتی الخراۃ اسی طرح کھجور کا درخت بھی بجمیع اجزاء نافع اور کارآمد ہے اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ نخلۃ بقیہ طینت آدم سے پیدا ہوا ہے اسی واسطے اطباء اس کو مفید بتلاتے ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر انسان کے کسی عضو کو کاٹ دیا جائے تو اس کا بقاء ہو سکتا ہے اور وہ کارآمد ہے لیکن اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتا ہے، بس یہی حال اس درخت کا بھی ہے کہ اگر اس کی کوئی ٹہنی کاٹ دی جائے تو وہ اس کے باوجود پھل لاوے گا لیکن اس درخت کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے جس کو ''سر'' کہتے ہیں تو وہ مثمر نہیں ہوگا اور بعض شراح یہ فرماتے ہیں کہ جیسے آدمی اگر تمام پانی میں ڈوبے بلکہ اس کا سر اور کوئی عضو پانی سے کھلا رہے تو وہ اس پانی میں زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر سر بھی ڈوب جائے تو آدمی مر جائے گا ایسے ہی کھجور کے درخت کا بھی حال ہے کہ اگر اس کے اوپر کے سرے تک پانی نہ پہنچے تو اس کی حیات باقی رہتی ہے لیکن اگر سرا بھی ڈوب جائے تو پھر یہ درخت ختم ہو جائے گا۔ بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں پر درخت کو جو آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ بقائے نوع انسانی کے لئے جو طور طریقہ آدمی اختیار کرتے ہیں یہ درخت بھی وہی طریقہ اپناتا ہے حتی کہ کھجور کے نر و مادہ میں جفتی نہ ہو تو پھل اچھا نہیں پیدا ہوتا۔

باب طرح الامام المسألة

اس باب کی غرض میں علماء کے چند اقوال ہیں:

اول یہ کہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہئے ہیں کہ استاذ کو چاہتے ہیں کہ وہ شاگردوں کا امتحان لیتا رہے اور ان سے پوچھتا رہے روایت وہی نخلہ والی ہے میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ امام بخاری اس حدیث کو دسیوں جگہ ذکر فرمائیں گے۔ دوسرے یہ کہ استاذ اگر تشحید اذہان کے طور پر کوئی مسئلہ طلبہ کے سامنے پیش کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی ایک حدیث ہے نهى النبى ﷺ عن الاغلوطات تو بظاہر اس روایت سے ایہام ہوتا تھا کہ بطور اختبار کے استاذ تلامذہ سے سوال نہ کرے اس لئے امام بخاری نے اس کا جواز ثابت فرمایا۔ اب رہا یہ کہ حدیث ابوداؤد میں جو اغلوطہ کی ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ مفتی سے دریافت کرنا ہو تو توڑ مروڑ کر غلط کر کے پوچھے یہ البتہ ناجائز ہے۔

باب القراءة والعرض على المحدث

یہاں سے امام بخاری قرأت شاگرد کا اثبات کرنا چاہتے ہیں تمہیں ماقبل میں معلوم ہو چکا کہ محدثین کے نزدیک شاگرد کا سننا اور استاذ کا پڑھنا افضل ہے اور فقہاء کے نزدیک اس کا عکس افضل ہے امام بخاری نے باب کے اندر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں ایک قراءت على المحدث جس کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سماعت کرے۔ یہ تو وہی ہے جو اخبرنا کے اندر ہے مگر اس کو خاص طور پر مستقل باب میں اس واسطے ذکر فرمایا کہ سلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے تو اس

Maktaba Tul Ishaat. com

باب سے ان لوگوں پر رد فرمایا۔ جمہور کی طرف سے ان کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہاں چونکہ شاگردوں کو ان کا علم نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ خود ہی سنایا کرتے تھے لہٰذا اس سے استدلال مشکل ہے۔ دوسری چیز عرض علی المحدث اگر تم نخبہ پڑھ چکے ہو گے تو اس میں تم نے عرض علی المحدث کی اصطلاحی تعریف پڑھی ہوگی وہ یہ کہ استاذ اپنی کتاب دیدے اور شاگرد نقل کر کے استاذ سے مقابلہ کرلے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ قراءت علی المحدث اور عرض علی المحدث میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ اول عام ہے چاہے اپنی کتاب ہو یا غیر کی، مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ۔ اور عرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اپنی ہو یا اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہو یہ تو حافظ کی رائے ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت نہیں بلکہ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں لہٰذا عرض سے مراد عرض اصطلاحی نہیں بلکہ استاذ کے سامنے ایک تو پڑھنا ہے وہ تو ہے قرات علی المحدث اور وہ جو سنتے ہیں وہ کیا ہے؟ میرے نزدیک امام بخاری نے بتلادیا کہ وہ عرض علی المحدث ہے واحتج بعضھم فی القراءۃ علی العالم بحدیث ضمام بن ثعلب یہ حدیث عنقریب آرہی ہے اور اس سے استدلال اس طرح ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آللّٰہ امرک بھذا کہتے جاتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صرف نعم فرماتے تھے جیسے شاگرد پڑھتا جائے اور استاذ ہاں، ہاں کرتا رہے۔

واحتج مالک بالصک:

امام بخاری اس کو بھی بطور دلیل کے پیش فرماتے ہیں کہ دستاویز پر ایک شخص کا بیان لکھا جاتا ہے اور اس پر بہت سے لوگ دستخط کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اشھدنا فلان ایسے ہی اگر کوئی کسی سے قرآن شریف پڑھے تو وہ کہتا ہے اقرانی فلان یعنی فلاں شخص نے مجھ کو قرآن پڑھایا ہے حالانکہ اس شخص نے نہیں پڑھایا بلکہ تو نے خود پڑھا ہے لیکن جیسے وہاں نسبت استاذ کی طرف ہوتی ہے باوجود شاگرد کے پڑھنے کے ایسے ہی حدیث میں بھی جائز ہے کہ استاذ کی طرف نسبت کر کے شاگرد پڑھے۔ دخل رجل یہ رجل ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

ثم قال لھم ایکم محمد:

اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے مل کر بیٹھتے تھے۔ کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے، یہی ہمارے مشائخ کا طریقہ تھا اس زمانہ کی طرح نہیں کہ ممتاز جگہ پر بیٹھیں۔ رہا یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ تو ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے لگایا ہو اور پھر تکیہ لگانے سے کوئی امتیاز بھی تو نہیں ہوتا بالخصوص جب کہ آدمی مل کر بیٹھا ہوا ہو۔

بین ظھرانیھم:

شراح کرام اس لفظ کے متعلق لکھتے ہیں ھذا مقحم یعنی یہ لفظ زائد ہے لیکن میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ اس لفظ کو زائد قرار دینے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ بہت بامعنی ہے کیونکہ جب ایک آدمی درمیان میں ہوتا ہے اور چاروں طرف لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہوں تو اس حلقہ کی ایک تو سطح ظاہری ہے اور ایک سطح باطنی۔ باطنی تو ان لوگوں کے چہرے ہیں اور اس کی سطح ظاہری ان

Maktaba Tul Ishaat. com

لوگوں کی پشتیں ہیں تو بین ظھرانیھم سے اس حلقہ کی سطح ظاہری کی طرف اشارہ ہے کہ ہم لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔

یاابن عبدالمطلب:

اس آنے والے آدمی نے یاابن عبدالمطلب سے حضور پاک ﷺ کو خطاب کیا بعض روایات میں ہے کہ اس نے یامحمد کہا ممکن ہے کہ اولا یامحمد کہا ہو اور پھر یاابن عبدالمطلب کہا ہو اور چونکہ عرب میں عام طور پر دادا کی طرف نسبت ہوتی ہے اس لئے اس میں کوئی استعجاب بھی نہیں۔

قداجبتک:

سائل کے سوال کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں تجھ کو جواب دے چکا ہوں تو اب اعتراض یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ابھی جواب کہاں دیا ابھی تو اس نے نام ہی سے پکارا ہے؟ اس اشکال کے تین جواب تو شراح کے ہیں اور ایک میرا ہے۔ شراح کے نزدیک یہاں اجبت، سمعت کے معنی میں ہے یا اجابت سے مراد انشاء اجابت ہے بعض شراح یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے آداب مجلس اختیار نہیں کئے تھے اور بجائے یارسول اللہ کے یاابن عبدالمطلب کہا آپ نے بھی اسی طرح جواب دیدیا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ابتداء جب اس نے ایکم محمد کہا تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا ''کیا ہے؟'' اور ساتھ ہی ساتھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بتلا دیا کہ محمد (ﷺ) یہ ہیں تو اس نے پھر دوبارہ کہا یاابن عبدالمطلب۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تجھ کو پہلے ہی جواب دے چکا ہوں تو گویا اس صورت میں یہ کلمہ تنبیہ نہیں ہے بلکہ اس سے اجابت حقیقی مراد ہے فمشدد علیک یعنی میں مسائل خوب سختی سے اور کھول کھول کر پوچھوں گا ناراض مت ہو جانا نھینا فی القرآن اس سے مراد آیت کریمہ لَاتَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ الآیۃ ہے۔ فجاء رجل یہ وہی ضمام بن ثعلبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اتانا رسولک یعنی جس کو آپ نے تبلیغ کے واسطے روانہ فرمایا تھا لاازید علیھن ولا انقص یعنی تبلیغ اس لئے کہ یہ مبلغ تھے۔ امام بخاری نے اس باب میں ایک ہی مضمون کی دو روایات ذکر فرمائی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات میں کہیں اختصار ہوتا ہے کہیں زیادتی اور ایسا ہونا قرین قیاس بھی ہے اس لئے امام بخاری نے دوسری روایت تکمیل کے لئے ذکر فرمائی کیونکہ اس میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو پہلی روایت میں نہیں تھے۔

باب مایذکر فی المناولة

مناولة کے معنی ہیں کہ استاذ اپنی کتاب شاگرد کو دیدے اور اس سے کہہ دے کہ میری اس کتاب سے تجھ کو روایت کرنے کی اجازت ہے۔ یہ صورت جائز ہے اور چونکہ اسی کے قریب قریب ''کتاب اھل العلم بالعلم الی البلدان'' بھی ہے اس لئے ایک ہی باب میں دونوں کو ذکر کردیا اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی کے پاس اپنی مرویات لکھ کر بھیجے اس صورت میں روایت کرنا جائز ہے حضرات محدثین کے یہاں ان دونوں میں سہولت ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک کتاب اھل العلم الخ میں تنگی ہے امام صاحب کا مسلک اس میں وہی ہے جو کتاب القاضی الی القاضی میں ہوتا ہے یعنی دو گواہوں کا ساتھ ہونا ضروری ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ اس کا خط ہے اور ہمارے سامنے اس نے لکھا ہے اور یہ شرطیں اس وجہ سے ہیں کہ الخط یشبہ الخط انہی شرائط کی بنا پر امام صاحب کی روایات کم ہیں کیونکہ یہ شرطیں اور محدثین کی شرائط کے اعتبار سے سخت ہیں۔ ونسخ عثمان المصاحف قرآن پاک تین

Maktaba Tul Ishaat. com

مرتبہ جمع کیا گیا۔ اولاً حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں، پھر حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں امام بخاری اس سے کتاب اھل العلم بالعلم کے معتبر ہونے پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن منگا کر اس کی نقل تمام اطراف میں روانہ کی تھی اور یہاں اشتراط شاہدین وغیرہ کچھ نہیں تھا۔

حيث كتب لامير السرية :

امام بخاری پھر کتاب اھل العلم بالعلم کو ثابت فرما رہے ہیں۔ اور اس کا معتبر ہونا بتلاتے ہیں۔ اس سریہ کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ۲ھ کے اندر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پاک ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور ان کو خط دیا اور فرمایا کہ جب تم مدینہ سے دو منزل دور ہو جاؤ تو اس خط کو کھول کر اپنی جماعت کو سنا دینا اس خط میں یہ تحریر تھا کہ ایک مقام جس کا نام بطن نخلہ ہے وہاں تم لوگ چلے جاؤ اور قریش کی خبر کی تحقیق کر کے لاؤ۔'' اس خط کو حضور پاک ﷺ نے مدینہ سے باہر کھولنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ مدینہ کے اندر جاسوس و منافقین بہت کثرت سے تھے اگر خط کا مضمون مدینہ پاک ہی میں معلوم ہو جاتا تو منافقین بطن نخلہ جا کر اس سریہ کی آمد کی اطلاع پہلے ہی کر دیتے کہ تمہاری تلاش میں سریہ آرہا ہے، اور وہ لوگ چوکنا ہو کر مقابلہ کی تیاری شروع کر دیتے۔ حالانکہ ان حضرات کو صرف تحقیق کرنی مقصود تھی لڑنا مقصود نہیں تھا۔ الغرض عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط جا کر سنایا تو ان لوگوں نے اس کو مانا اور اس کا اعتبار کیا اس سے پتہ چلا کہ کتاب اہل العلم بالعلم صحیح اور معتبر ہے۔

وامره ان يدفعه الى عظيم البحرين:

جس طرح حضور اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد قیصر کے پاس والا نامہ ارسال فرمایا تھا اسی طرح اور بادشاہوں کو بھی خطوط لکھے تھے، ایک خط کسریٰ (۱) کے پاس بھی روانہ کیا گیا تھا، ہر ایک نے حضور اقدس ﷺ کے والا نامہ کے ساتھ الگ الگ معاملہ کیا۔ بعض تو فوراً مسلمان ہو گئے اور بعض نے نہایت احترام کیا۔ جیسے ہرقل کہ اس نے والا نامہ کو چاندی کی نلکی میں بند کر کے ہاتھی دانت کے ڈبہ میں رکھا، اور پھر اپنے خزانہ میں محفوظ کرا دیا۔ اس کے بالمقابل کسریٰ نے والا نامہ کے ساتھ سخت بے ادبی کی، اس کو پھاڑ ڈالا، حضور اکرم ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے بد دعا دی اور فرمایا ''اللہ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔'' چنانچہ بادشاہ کا لڑکا اپنے باپ کا دشمن ہو گیا اور اس نے کچھ لوگوں سے مل کر باپ کو سخت زخمی کر دیا۔ باپ کو معلوم ہوا کہ یہ بیٹے کی سازش ہے تو اس نے اپنے خزانے کے ایک خصوصی کمرہ کی ادویہ کی ایک شیشی میں زہر بھر دیا اور اس پر ایک چٹ اس مضمون کی لگائی الدّواء النافع للجماع. باپ کے بعد بیٹا تخت نشین ہوا، یہ نوجوان ایسی باتوں کے شوقین ہوتے ہی ہیں اس نے جو لکھا ہوا دیکھا تو ایک چمچہ کھا لیا کہ خوب قوت ہوگی اور ایک رات میں کتنی عورتوں سے صحبت کروں گا، مگر وہ تو سم قاتل تھا، اس نے اندر ہی اندر اپنا کام کیا اور سب کچھ کاٹ ڈالا اور مر گیا۔ اس کے بعد ایک عورت تخت نشین ہوئی جس کو بعد میں تخت سے اتارا گیا اور سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔ او اراد ان یکتب یہ شک راوی ہے۔

---

(۱) اس قسم کے خطوط اور فرامین کا ایک متعدبہ اور اچھا خاصا ذخیرہ ڈاکٹر حمید اللہ حال مقیم فرانس مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ کے نام سے جمع کر کے طبع کرا چکے ہیں جو دو سو اکیاسی مکاتیب و وثائق پر مشتمل ہے اس کے علاوہ اس مجموعے میں خلفائے راشدین کے تحریر فرمودہ خطوط وغیرہ بھی ہیں۔ مرتب شاھد غفرلہ۔

Maktaba Tul Ishaat. com

فاتخذ خاتما من فضة:

یہ حضور پاک ﷺ سے اس وقت کہا گیا تھا جب کہ آپ ﷺ نے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا، اس بنا پر حضور ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی۔ اب یہ کہ یہ انگشتری چاندی یا سونے کی تھی یا دونوں کی؟ اور اس کے بعد سونے کی انگوٹھی پھینکی گئی یا چاندی کی؟ یہ سب باتیں بـاب الـخـاتـم میں آئیں گی، البتہ اس حدیث سے یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاندی کی تھی، یہی انگشتری حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی حتی کہ بیر اریس میں گر گئی۔ یہ اتخاذ خاتم ٦ھ کا واقعہ ہے اور انگوٹھی بنوانا بھی اسی وجہ سے تھا تاکہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ کے خط کا اعتبار کیا جاتا اگر خط کا اعتبار ہی نہ ہوتا تو خاتم بنوانے سے کیا فائدہ ہوتا؟ تو جملہ انهـم لايـقـرؤن سے معلوم ہوا کہ خطوط کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر چہ اس پر مہر نہ ہونے کی وجہ سے اعتماد نہ کیا جاتا ہو۔ اس مسئلہ میں حضرات محدثین کے یہاں وسعت ہے اگر چہ حضرت امام اعظم سے ضیق وتنگی مروی ہے۔ كـانـي انظر الـى بيـاضـه قاعدہ یہ ہے کہ جب چاندی کے زیور نئے نئے بنتے ہیں تو ان میں چمک بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ بھی بالکل نئی تھی، اس کی چمک ان کو اب تک یاد آ رہی ہے۔

باب من قعد حيث ينتهي به المجلس:

امام بخاری نے اس باب میں طلب علم کے لئے استاذ کی مجلس میں حاضر ہونے کے دو ادب بتلائے ہیں، ایک یہ کہ اگر استاذ کی مجلس میں مجمع زیادہ ہو تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے، اور اگر قریب بیٹھنے کی خواہش ہو تو پہلے سے آیا کرے۔ اور دوسرا ادب یہ بتلایا ہے کہ اگر پہلے ہی بیٹھنے والے اس طرح بیٹھے ہوں کہ اگلی صف میں یا بیچ میں جگہ خالی ہو تو پھاند کر آگے جا سکتا ہے اگر چہ تخطی رقاب سے منع کیا گیا ہے مگر یہ اس لئے جائز ہے کہ پہلے سے بیٹھنے والوں ہی نے خود بے تمیزی کی کہ آگے جگہ چھوڑ دی۔ مسئلہ سنو! اگر لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور درمیان میں جگہ خالی ہو تو اب اگر کوئی آئے تو کیا کرے؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جہاں مجلس ختم ہوئی ہے وہاں بیٹھ جائے، یا آگے اگر جگہ خالی ہو تو وہاں بیٹھ جائے، دونوں جائز ہیں۔ اور بھائی یہی حال صفوف کا ہے کہ اگر لوگ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر بیٹھیں تو آنے والے کو جائز ہے کہ ان کو پھاند کر خالی جگہ میں بیٹھ جائے کہ انہوں نے خود کو ذلیل کیا، کیوں نہیں آگے جا کر بیٹھے۔ امام بخاری نے اس باب کے اندر جو روایت ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک بار اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور کچھ گفتگو فرما رہے تھے اس حال میں تین آدمی آئے، ایک نے آگے خالی جگہ دیکھی اور وہاں بڑھ کر بیٹھ گیا، اور دوسرا وہیں مجلس کے ختم پر بیٹھ گیا، اور تیسرا چلا گیا۔ حضور اقدس ﷺ جب گفتگو سے فارغ ہوئے تو ہر ایک کے متعلق ایک ایک بات ارشاد فرمائی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں تینوں آدمیوں کے متعلق خبر دوں"، پھر فرمایا اما احـدهـما فاوى الى الله ان میں سے ایک اللہ کی طرف جھکا اور اس کی طرف مائل ہوا تو اللہ نے اس کو جگہ دی یعنی اسے ثواب عطا فرمایا و اما الاخر فاستحى فاستحى الله منه اور دوسرے نے شرم کی اللہ نے بھی اس کے ساتھ شرم کا معاملہ فرمایا۔ اس جملہ کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اول نے تو آگے مجلس میں جگہ دیکھی اور وہاں بڑھ کر بیٹھ گیا مگر اس کے دوسرے ساتھی کو اس کی شرم آئی کہ لوگوں کی گردنیں پھاند کر آگے جائے اس بناء پر وہ وہیں بیٹھ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹھنے کا بھی ثواب عطا فرمایا کیونکہ اس نے ایـواء الـى الـلـه کیا، اور حیا کا ثواب بھی عطا فرمایا۔ اس صورت میں یہ

Maktaba Tul Ishaat. com

دوسرا اول سے بڑھ جائے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جی تو اس کا یہی چاہ رہا تھا کہ چلا جائے جس طرح تیسرا چلا گیا، مگر اس کو شرم آئی کہ حضور اقدس ﷺ کیا فرمائیں گے اور یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیا کہیں گے اس لئے شرم کی وجہ سے وہ بھی بیٹھ گیا، اس پر اللہ کو بھی شرم آئی کہ وہ میرا بندہ تو شرما کر بیٹھ گیا میں تو اس سے زیادہ کریم ہوں لہٰذا اسے ثواب دوں گا۔ اس صورت میں یہ حدیث **هم قوم لایشقی جلیسهم** کے تحت ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شرم کا بدلہ عنایت فرمایا، اس صورت میں یہ اول سے مرتبہ میں گھٹ جائے گا اس لئے کہ پہلا آدمی تو برضا و رغبت خاطر بیٹھا اور دوسرا صرف لوگوں کی شرم سے۔ اب شراح حدیث کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ان دونوں آدمیوں میں کونسا افضل ہے قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ جو شرما کر پیچھے بیٹھ گیا وہ افضل ہے کیونکہ **الحیاء شعبة من الایمان** تو اس کے تحت وہ آگے جانے سے شرمایا۔ اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جو آگے جا کر بیٹھ گیا وہ افضل ہے اس لئے کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس دوسرے نے (مجلس سے) چلنا شروع کر دیا مگر پھر شرما کر آبیٹھا۔ **واما الثالث فاعرض فاعرض الله عنه** تیسرے نے اعراض کیا اللہ نے بھی اس سے اعراض کر لیا۔

باب قول النبی ﷺ رب مبلّغ

بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول موضوعہ میں سے یہ ہے کہ جب کسی روایت کے الفاظ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتے اور اس روایت کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو امام بخاری اس روایت کو باب میں ذکر فرما کر پھر اپنی روایت کو تائید میں پیش کرتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ یہ روایت جو امام بخاری نے باب میں ذکر فرمائی ہے وہ ترمذی شریف کی روایت ہے معنی تو اس کے عندالامام بخاری صحیح ہیں لیکن الفاظ شرط کے مطابق نہیں، اس لئے امام بخاری نے اپنی روایت **فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی منه** سے تائید فرما دی، مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ اور اصل جو بیان کی گئی یہ تو مسلم ہے کہ امام بخاری ایسا کرتے ہیں مگر یہاں پر یہ اصل و قاعدہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ روایت صرف ترمذی ہی کی نہیں بلکہ بخاری میں صفحہ ۲۳۵ پر بھی آرہی ہے وہاں بجائے **فان الشاهد عسی ان یبلغ من هو اوعی منه** کے **رب مبلغ اوعی من سامع** کے الفاظ ہیں، لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ چونکہ یہ الفاظ مختصر اور جامع تھے اور جلدی سے یاد ہو جانے والے تھے، اوقع فی الفہم تھے، اس لئے حضرت امام بخاری نے اس کو ترجمہ گردان دیا۔ یہ تو باب کے معنی و مفہوم کے متعلق تھا، اب یہ کہ ترجمہ کی غرض کیا ہے؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ تبلیغ کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص معانی حدیث کو نہ سمجھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ ان کو محفوظ کرلے اور پھر دوسروں کو سمجھا دے، ممکن ہے کہ کوئی اس کے شاگردوں میں اس سے زیادہ سمجھدار ہو اور ان میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہما جیسے مجتہدین ہوں اور وہ ان احادیث کو سن کر ان سے مسائل کا استنباط کریں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری اس بات پر تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی طالب علم بڑا فہیم وذکی ہو اور استاذ اس جیسا ہوشیار نہ ہو تو اس کو اس استاذ سے **استنکاف فی طلب العلم** نہ کرنا چاہیے کہ میں تو اتنا فہیم اور یہ ایسا؟ بھلا میں اس سے علم حاصل کرلوں؟ ایسا ہرگز نہ سوچے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا ادھر ارشاد ہے **رب مبلغ اوعی من سامع** کہ بہت سے مبلغ طالب علم سامع سے اوعی ہوتے ہیں اور ادھر یہ ارشاد ہے کہ شاہد غائب کو تبلیغ کرے تو معلوم ہوا کہ بعض طالب علم فہیم ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کا مقولہ اوجز (۱) میں میں نے نقل کیا ہے کہ **اربع فی اربع عن اربع علی اربع** الخ یہ سولہ اربع یعنی چوکڑے ہیں اور انہی میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک

---

(۱) فلیراجع الی مقدمة اوجز المسالک صفحہ ۱۹۰ (مرتب)

Maktaba Tul Ishaat. com

محدث نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ علم اپنے بڑے اور ساتھی اور چھوٹے اور کتابوں سے حاصل نہ کرے۔

عن عبدالرحمن بن ابی بکرة :

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے حالات بیان کررہے تھے اور بھئی یہی ان حضرات کا شغل تھا کہ حضور ﷺ کے حالات بیان کریں ہماری طرح نہیں کہ بس خرافات ہی میں لگے رہیں اسی کے درمیان انہوں نے یہ بیان کیا کہ حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر بیٹھے تھے یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔

قال ایّ یوم هذا :

حضور پاک ﷺ نے جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ پوچھا کہ یہ کونسا دن ہے؟ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش ہوگئے اور وجہ یہ ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذہن میں یہ آیا کہ حضور ﷺ کو دن معلوم، مکان اور گھڑی سب معلوم ہے پھر بھی دریافت فرمارہے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات دریافت فرمانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش ہوگئے **فان دماء کم واموالکم واعراضکم بینکم حرام** چونکہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اجتماعی طور پر اشہر حرم میں تو قتل وقتال نہیں کرتے تھے مگر باقی دنوں میں خوب کرتے تھے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی اشہر حرم کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ تمہارے دماء واموال واعراض ایسے ہی حرام ہیں جیسے کہ اس مقام میں اس دن میں حرام ہیں۔

باب العلم قبل القول والعمل

یعنی علم قول اور عمل سے پہلے ہے اور علم سیکھنا وعظ اور عمل کرنے سے مقدم ہے ترجمہ تو بالکل ظاہر ہے لیکن امام بخاری کی اس سے غرض کیا ہے؟ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ تعلّم کی ترغیب دے رہے ہیں اور علم کی اہمیت بیان فرمارہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ اعمال چاہے کتنے ہی اہم ہوں خواہ ایمان کا جز ہی کیوں نہ ہوں لیکن علم ان سب پر مقدم ہے اور حافظ فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث پاک میں ایسے علم پر وعید آئی ہے جس پر عمل نہ کیا جائے اور بہ نسبت جاہل کے عالم کو دوگنی سزا عمل نہ کرنے پر ملے گی تو اس سے وہم ہوتا تھا کہ علم کو نہ سیکھنا ہی اچھا ہے، تو امام بخاری اس باب سے یہ وہم دفع فرمارہے ہیں کہ ایسا نہ سوچے بلکہ آدمی علم پہلے حاصل کرلے اس کے بعد عمل کا درجہ ہے، کیونکہ زمانہ علم میں تعلم میں مشغولیت ہوتی ہے عمل نہیں کرسکتا تو یہ عمل نہ کرنا اس وعید میں داخل نہیں۔ تیسری غرض میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا ذکر شروع باب العلم میں آچکا ہے کہ بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کے بعد اس کے لیے کیا چیز مناسب ہے آیا علم یا عبادت؟ آگے فرماتے ہیں: **لقول اللّٰہ عز وجل فاعلم انه لا اله الا الله** اس سے بھی یہ بات ثابت کی کہ پہلے علم ہے اس کے بعد قول ہے کیونکہ خود خدا کا پاک ارشاد ہے کہ **لا اله الله** کو جان لو اور یہ کلمہ علم اس کے بعد فرماتے ہیں **فاستغفر لذنبک** یعنی اس علم کے بعد اب یہ عمل ہے کہ استغفار کرو **ان العلماء ورثة الانبياء** یہ روایت ابوداؤد، ترمذی کی ہے۔ اس سے بھی علم کی فضیلت ثابت ہوئی اس جملہ سے اگرچہ علامہ عینی کے قول کی تائید ہوتی ہے لیکن حافظ کی غرض بھی اس سے ثابت ہوسکتی ہے کہ جیسے مال وراثت بغیر عمل کے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح علم بھی بغیر عمل کے حاصل ہوسکتا ہے **انما يخشى الله من عباده العلماء** اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کو اس وجہ سے نہ چھوڑا جائے کہ عمل نہیں ہوگا بلکہ اگر علم کے بعد خشیت کسی

Maktaba Tul Ishaat. com

وقت حاصل ہو جائے تو یہ بھی فائدہ دے گی، لو کنا نسمع او نعقل یہاں پر نسمع سے تعلم مراد ہے کہ وہ لوگ علم نہ ہونے پر تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی عالم ہوتے اس جملے سے بھی علم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

انما العلم بالتعلم:

یوں فرماتے ہیں کہ علم تعلم سے حاصل ہوگا مطالعہ سے حاصل نہیں ہوگا۔ یہ بالکل دھوکہ ہے کہ صرف کتب وشروح دیکھ کر بغیر استاذ سے پڑھے علم حاصل ہوسکتا ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جو باقاعدہ تعلیم یافتہ نہ ہو تو وہ صرف کتابیں دیکھ کر فتوی نہ دے۔ ملا علی قاری نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے نہی رسول اللہ ﷺ عن الحلق یوم الجمعة قبل الصلوة او کما قال ﷺ تو یہاں حدیث میں حلق بکسر الحاء وفتح اللام حلقہ جمع ہے لیکن ایک شخص نے اس کو حلق بمعنی استروں سے مونڈنا پڑھا اور کہنے لگے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں کیونکہ حضور پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ تو اگر وہ زانوئے تلمذ طے کئے ہوئے ہوتے تو ایسی غلطی نہ کرتے۔ قال ابو ذر لو وضعتم اس سے بھی حدیث پاک کی اہمیت کو بتلانا ہے کہ ایک حدیث بھی اگر اس وقت یاد آئے گی تو میں بیان کردوں گا کیونکہ وہ علم ہے۔ اب یہاں پر وہی اشکال ہے جو کتاب العلم پر ہوا تھا کہ مصنف نے باب میں کوئی حدیث نہیں ذکر کی اس کے تین جواب تو وہاں پیش دئے گئے تھے، وہی سب جوابات یہاں بھی چلیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں ایک خاص جواب یہ بھی ہے کہ چونکہ اس باب کے ترجمہ میں بہت سی احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بہت سی قرآنی آیات ذکر فرمائی ہیں اس لئے یہ ساری چیزیں استدلال واستشہاد کے لئے کافی ہوگئیں اور بہت ممکن ہے کہ امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث نہ ملی ہو۔

باب ما کان النبی ﷺ یتخولهم

پہلے دو تین بابوں میں تبلیغ اور علم حاصل کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے تو اس سے وہم ہونے لگا تھا کہ آدمی کو ہر وقت علم ہی میں لگا رہنا چاہیے اس لئے امام بخاری اب یہ فرماتے ہیں کہ علم تو ضرور حاصل کرنا چاہیے مگر ایسا طریقہ اختیار کرے کہ مفضی الی الملال اور موجب نفرت نہ ہو چنانچہ نبی کریم ﷺ کے یہاں ہر چیز کے اوقات مقرر تھے اس لئے ہر وقت ایک ہی طرح کا کام کرنے سے دل اکتا جاتا ہے۔ یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا یہاں استدلال ولا تنفروا سے ہے اور تنفیر عدم التخول میں ہے لہذا تخول ہونا چاہیے۔

باب من جعل لا هل العلم

یہ باب سابق کا تکملہ ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ ملال نہ پیدا ہو جائے اس باب سے امام بخاری اس بات کا جواز ثابت فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص وعظ تبلیغ کے لئے کوئی خاص دن مقرر کرلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جائز ہے۔ اس اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا کیونکہ بدعت میں تعیین کے ساتھ اس تعیین میں ہی ثواب سمجھا جاتا ہے اور یہ اگر اس دن نہ ہو تو پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا ایسے ہی چہلم وغیرہ بدعت ہے کیونکہ عوام کالانعام اس تعیین سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس دن یا اس وقت میں کوئی خاص ثواب ہے اسی وجہ سے وہ ان اوقات کو تبدیل نہیں کرتے۔ قاعدہ طبعی یہ ہے کہ ایک چیز سے طبیعت اکتا جاتی ہے اسی لئے مشائخ درس میں مختلف کتابیں ایک ایک دن

Maktaba Tul Ishaat. com

میں رکھتے ہیں تاکہ تنفر نہ پیدا ہو البتہ میرا توجی رمضان میں قرآن سے نہیں اکتا تا یہ میرے نزدیک مستثنیٰ ہے۔

حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے لہذا ثابت ہوا کہ اگر کوئی دن متعین کرلیا جائے تو درست ہے۔ ایک اشکال یہاں یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے امام بخاری نے اس سے استدلال کیسے کرلیا ان کی تو شرط کے خلاف ہے؟ لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور ﷺ کے فعل سے استنباط کیا ہے اور پھر مقرر فرمایا ایسی ہی ہم بھی اس سے استنباط کر کے دن کی تعیین اگر کرلیں تو درست ہے۔

باب من یرد اللہ بہ خیر ایفقہ فی الدین

اس باب کی ایک غرض تو یہ ہوسکتی ہے کہ اس سے علم کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے خاص طور سے فقہ کی اہمیت اور اس کے تعلم پر تحریض ہے اور میرے رائے یہ ہے کہ یہاں پر روایت کے الفاظ ہیں انما انا قاسم واللہ یعطی تو امام بخاری تنبیہ فرمارہے ہیں کہ عطا فرمانا تو اللہ کا کام ہے تم اپنی کوشش جاری رکھو اور اس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کرتے رہو خود حضور ﷺ کا اپنے بارے میں ارشاد ہے انما انا قاسم کہ میں تو صرف تقسیم کا حقدار ہوں ورنہ اصل عطا فرمانے والا تو خدا ہے لہذا محض اپنی محنت پر اعتماد نہ کرے بہت سے محنتی کچھ نہ کرسکے اور بہت سے محنت نہ کرنے والوں کو بہت کچھ مل گیا۔

باب الفہم فی العلم

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ عطا فرمانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور کوئی نہیں لیکن صرف اس پر اعتماد کر کے نہ بیٹھو بلکہ اپنی کوشش اور فہم سے کام لینا بھی ضروری ہے تو گویا یہ پہلے باب کا تتمہ اور تکملہ ہے اور شراح کی رائے یہ ہے کہ اس سے فہم علم کی ترغیب بیان کرنی مقصود ہے اور یہ کہ طالب علم کو مطالعہ کرنا چاہئے اور قوت مطالعہ بڑھانی چاہئے۔ لیکن میری رائے کچھ اور ہے وہ یہ کہ مصنف یہاں سے مطالعہ کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ مطالعہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر علم کی مناسبات کو دیکھے اور غور کرے اور مطالعہ کرتے وقت اوپر نیچے سب طرف نظر رکھے۔ چنانچہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے نخلہ کا سوال فرمایا کہ ایسا درخت بتلاؤ جس میں فلاں فلاں خصوصیت ہو اور حضور ﷺ اس وقت جمار کھا رہے تھے تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمار کو دیکھ کر نخلہ سمجھ لیا۔ جمار کھجور کے تنے کو کھود کر اس کے اندر سے جو سفید برادہ نکلتا ہے اس کو کہتے ہیں یہ لذیذ بہت ہوتا ہے۔

باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ

حسد کہتے ہیں دوسرے کہ نعمت کے زوال کو چاہنا اور غبطہ کہتے ہیں دوسرے کی نعمت کا مثل طلب کرنے کو بغیر اس کے کہ زوال کی تمنا کرے یہ ترجمہ یا تو شارحہ ہے کیونکہ حدیث میں لا حسد الا فی اثنین کا لفظ وارد ہے تو امام بخاری نے باب سے تنبیہ فرمادی اور شرح فرمادی کہ حسد سے مراد غبطہ ہے اور دوسری غرض یہ ہے کہ مصنف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ علم میں بھی رشک کرنا چاہئے اپنے سے اونچے والوں پر تو گویا قابل رشک علم وحکمت ہے نہ کہ یہ دنیا کی چیزیں، یہ نہیں کہ فلاں کا کرتہ اچھا ہے اور میرا نہیں بلکہ علم وحکمت قابل

Maktaba Tul Ishaat. com

غبطہ ورشک ہیں۔ نیز حدیث میں چونکہ حکمت کا لفظ آیا ہے تو مصنف نے باب میں اغتباط فی العلم بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ حکمت کی تفسیر علم ہے۔

وقال عمر رضی اللّٰہ عنہ تفقھو اقبل ان تسودوا

مطلب یہ ہے کہ بڑے اور سردار بننے سے پہلے فقاہت حاصل کرلو اس لئے کہ بڑے ہونے کے بعد علم جلدی نہیں حاصل ہوسکتا اور عوائق وموانع علم حاصل کرنے سے روک دیں گے۔ اب چونکہ اس قول سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ سیادت کے بعد علم حاصل نہ کرے تو امام بخاری نے بطور دفع دخل مقدر کے فرمایا۔ قال ابو عبد اللّٰہ بعد ان تسودوا یعنی اگر بڑا ہو جائے تو بھی علم وقرآن کو ضرور حاصل کرنا چاہئے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کبر سن میں علم سیکھا جب کہ وہ اپنے گھروں کے مالک وذمہ دار ہو چکے تھے مگر پھر بھی اس کا بہترین اور اعلیٰ وقت سردار بننے سے پہلے ہے اس اثر کی مناسبت ترجمہ سے یہ ہے کہ جو شخص سردار بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرتا ہے اس میں غبطہ کیا جاتا ہے۔

رجل آتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق

ایک آدمی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مال عطا فرمایا ہے پھر اس کو اس کے ہلاک کرنے پر مسلط فرمادیا۔ ہلاک کرنے پر مسلط فرمادینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جمع کر کے نہیں رکھتا بلکہ اس کو طرق خیر میں خرچ کرتا ہے۔ پیارو! ہمارے مشائخ اور بزرگوں کا یہی رویہ رہا ہے کہ وہ جمع نہیں فرماتے تھے بلکہ جو آیا خرچ کردیا۔ بڑے حضرت رائے پوری یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا طریقہ یہ رہا کہ جو آتا بس اس کو دے ڈالتے تھے پھر کہیں سے کچھ آجاتا فرماتے یہ دوسرا آگیا اس کو بھی خرچ کردیتے۔ میرے والد صاحب مقروض بہت تھے اگر کہیں سے روپے آجاتے تو اس کو قرض خواہوں کو دیدیتے اور اگر پیسے وغیرہ ہوتے تو وہ بچوں کو دیدیتے اور فرمایا کرتے تھے جی نہیں چاہتا کہ اس مصیبت کو لے کر سوؤں اور میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ نے ایک بار فرمایا کہ بکریوں کی تجارت کروں گا سنت ہے چنانچہ بکریاں خرید کر مضاربت پر دیدیں کچھ دنوں بعد جب میں دلی گیا تو فرمایا کہ بکریاں تو مرگئیں۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں روپیہ رکتا ہی نہ تھا۔ یہ قدرت کی طرف سے تھا سلطہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے اور علی ھلکتہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے۔ اب سند کے متعلق سنو۔ قال سفیان حدثنی اسماعیل بن ابی خالد سفیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے اسماعیل بن ابی خالد نے زہری کی سند سے بیان نہیں کیا بلکہ دوسری سند سے بیان فرمایا ہے زہری تو روایت کرتے ہیں عن سالم عن ابن عمر اور زہری کی یہ روایت بخاری صفحہ گیارہ سوتیئیس (۱۱۲۳) جلد ثانی میں کتاب کے ختم پر آئے گی کیونکہ کتاب صفحہ گیارہ سواٹھائیس (۱۱۲۸) پر ختم ہے اور اسماعیل بن ابی خالد نقل کرتے ہیں قیس بن ابی حازم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غرض اس سند کے بتلانے سے یہ ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد نے ہمیں جس طریقہ سے حدیث سنائی وہ غیر ہے امام زہری کے طریقہ سے یعنی یہ سند اور ہے اور زہری والی سند اور ہے۔ اور یہ تنبیہ اس لئے فرمائی تاکہ کوئی مختلف سندیں دیکھ کر اضطراب کا شبہ نہ کرنے لگے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ علیہ السلام

قرآن پاک کی آیت ہے فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا الآیة اس آیت پاک کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسی وخضر علیہما السلام دونوں ساتھ سمندر میں سوار ہوئے اور یہی مضمون حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام خضر علیہ السلام سے ملے تو ان سے کہا کہ مجھے علم سکھلائے اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے لیکن عہد و پیمان کر کے چلے دریا کے کنارے چلتے رہے ایک کشتی جارہی تھی اس کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بلا کرایہ لئے ہوئے سوار کرلیا اور جب حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سوار ہوئے اور کشتی چلنے لگی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کو توڑنا شروع کر دیا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ انہوں نے بلا کرایہ سوار کیا ہے اور پھر بھی تم ان کی کشتی کو توڑتے ہو۔ الغرض اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات ساتھ سوار ہو کر سمندر میں چلے۔ لیکن امام بخاری باب باندھ رہے ہیں فی ذهاب موسی علیہ السلام فی البحر الی الخضر علیہ السلام اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام سمندر میں ہو کر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف چلے اور پھر ان سے ملاقات کی تو بعض علما نے امام بخاری کے ترجمۃ الباب کی یہ توجیہ کی کہ الی بمعنی مع ہے اور بعض حضرات نے الی الخضر علیہ السلام سے پہلے حرف عطف واو کو مقدر مانا اور تقدیری عبارت یہ نکالی ما ذکر فی ذهاب موسی علیہ السلام فی البحر والی الخضر علیہ السلام اب مطلب یہ ہوا کہ حضرت موسی علیہ السلام کے سمندر میں جانے اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے دونوں واقعات اس باب میں مذکور ہوں گے اور چونکہ یہ حقیقت میں دو واقعے ہیں اس لئے حرف عطف صحیح ہو جائے گا۔ اور بعض علماء نے ایک تیسری توجیہ کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ چلے تو چلتے ہوئے ایک جھولا ساتھ لے لیا تھا جس میں ایک بھنی ہوئی مچھلی تھی۔ جب موسی علیہ السلام ایک جگہ پر ٹھہر گئے اور وہاں سو گئے تو مچھلی وہاں کود کر سمندر میں چلی گئی اور جہاں وہ مچھلی کودی تھی اس مقام پر بطور معجزہ کے ایک طاقچہ (کوہ) بن گیا۔ حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھی اس منظر کو دیکھ رہے تھے ان کا ارادہ تھا کہ جب موسی علیہ السلام بیدار ہوں گے تو ان کو اطلاع کریں گے مگر حضرت موسی علیہ السلام جاگے تو فوراً چلنے کے لئے تیار ہو گئے ادھر ان کے ساتھی سامان سفر تیار کرنے کی جلدی میں کہنا بھول گئے خبر نہ کی جب حضرت موسی علیہ السلام آگے چلے اور ان کو بھوک لگی تو فرمایا آتنا غداء نا ساتھی نے کہا کہ میں تو بھول گیا تھا اور پورا واقعہ بیان کیا حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا ہم تو یہی تلاش کر رہے تھے اور الٹے قدم لوٹے اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں مچھلی سمندر میں کودی تھی تو دیکھا کہ ایک طاقچہ بنا ہوا ہے حضرت موسی علیہ السلام اس میں داخل ہو کر حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اب اس تقریر کے بعد ذهاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر علیہ السلام ٹھیک ہو گیا۔ اب ترجمۃ الباب کی غرض کیا ہے حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں طلب علم کیلئے سفر معتاد نہ تھا اس لئے اس کا اثبات فرماتے ہیں اس پر اشکال یہ ہے کہ امام بخاری اس کے لئے مستقل باب الخروج فی طلب العلم کا ترجمہ منعقد فرمادیں گے چنانچہ اس اعتراض سے بچنے کے لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ غرض ترجمہ خروج فی البحر لطلب العلم کے جواز کو بیان کرنا ہے اور آنے والے باب سے خروج فی

Maktaba Tul Ishaat. com

البر کو بیان کرنا ہے مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ سمندر کا سفر مشقت کا سفر ہے بہ نسبت خشکی کے سفر کے تو جب سمندری سفر کا جواز ثابت ہوگیا تو خروج فی البر تو بدرجہ اولی ثابت ہوگیا اس لئے چکی کا پاٹ یوں ہے کہ ابوداؤد شریف میں کتاب الجہاد میں ایک روایت ہے لا یرکب البحر الا حاج او معتمر او غاز فی سبیل اللّٰہ چونکہ اس روایت سے رکوب بحر کا جواز سوائے حاج اور معتمر اور غازی کے نہیں معلوم ہوتا اس لئے امام بخاری نے اس کے عموم کو مقید کرنے یا اس سے مستثنی کرنے کو یا اس پر رد کرنے کو باب باندھا اور میری اس رائے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے کتاب البیوع میں باب باندھا ہے باب التجارۃ فی البحر تو امام بخاری کو جہاں جہاں اس کے خلاف روایات ملیں وہاں وہاں اس کے عموم کو مقید فرمادیا یا استثناء فرمادیا اور بعض علماء نے غرض یہ بیان فرمائی کہ علم حاصل کرنے میں جو مشقت اور تکالیف آئیں ان کو برداشت کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے میں مشقت اور تکالیف برداشت کیں کہ سمندر کے اندر تک تشریف لے گئے اور ایک غرض یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے قبل مصنف نے قال ابو عبد اللّٰہ الخ کہہ کر یہ فرمایا تھا کہ سردار بننے کے بعد بھی بے فکر ہوکر نہ بیٹھنا چاہئے بلکہ تعلیم حاصل کرے تو اس کی تائید اس باب سے فرماتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام نبوت (سرداری) کے مل جانے کے باوجود کلیم اللہ اور نبی مرسل اور دیگر خصوصیات کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے تشریف لے گئے جن کی نبوت میں بھی اختلاف ہے ھل اتبعک علی ان تعلمن حضرت امام بخاری نے ساری سورت میں سے یہ آیت منتخب کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر صرف علم حاصل کرنے کے لئے تھا ملاقات وغیرہ کے لئے نہیں تھا۔

انہ تماری ھو والحر بن قیس

حضرت عبداللہ بن عباس اور حر بن قیس رضی اللہ تعالی عنہما دونوں صحابی ہیں ان دونوں میں اس بات میں جھگڑا ہوا کہ حضرت موسی علیہ السلام جس کے پاس گئے تھے وہ کون تھے حضرت خضر علیہ السلام تھے یا اور کوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ یہاں اس روایت میں تو اسی طرح ہے لیکن آگے بخاری میں صفحہ تیئیس (۲۳) جلد اول پر اس طرح ہے قلت لا بن عباس ان نوفا البکالی یزعم ان موسی علیہ السلام لیس موسی علیہ السلام بنی اسرائیل انما ھو موسی علیہ السلام اخر اس کا مطلب یہ ہے کہ نوف بکالی اس بات کا انکار کررہا تھا کہ جو موسی علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے علم سیکھنے گئے تھے وہ موسی علیہ السلام بنی اسرائیل تھے بھلا اتنا بڑا نبی بھی خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے جائے گا لہذا وہ اور کوئی موسی علیہ السلام ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ روایت باب سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب موسی علیہ السلام میں جھگڑا ہوا اور اس روایت اخیر سے معلوم ہوا کہ حضرت موسی علیہ السلام ہی کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ میں نے تنبیہ اس لیے کردی کہ کہیں تم خلجان میں نہ پڑ جاؤ یہ دونوں دو قصے ہیں یہاں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے ممارات کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ صاحب موسی علیہ السلام غیر خضر علیہ السلام ہیں یہ حر بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اور وہاں یہ بات کہنے والے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے موسی، موسیٰ بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ اور کوئی تھے یہ نوف بکالی ہیں خلاصہ اس مضمون کا یہ ہوا کہ یہ حدیث بعینہ صفحہ ۲۳/۱ پر آرہی ہے وہاں بھی ان دونوں صاحبوں کے درمیان مناظرہ ہے لیکن وہاں مناظرہ حضرت خضر علیہ السلام کے ہونے نہ ہونے کے متعلق نہیں بلکہ مناظرہ حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ یہ کون سے موسی علیہ السلام ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

قال موسیٰ علیہ السلام لا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال ہوا کہ آپ اپنے سے زیادہ کسی کو عالم جانتے ہیں؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور ظاہر ہے کہ نبی کا علم اوروں سے زیادہ ہوا کرتا ہے مگر چونکہ انانیت اللہ کو پسند نہیں بلکہ تواضع پسند ہے اس لئے عتاب ہوا بلی عبدنا خضر ہاں ہمارا بندہ خضر تم سے اعلم ہے اور اس سے مراد بعض خاص جزئیات ہیں اہل علم کو علم کی قدر ہوتی ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو بہت ہی ہوتی ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملیں گے اللہ نے ان کو ایک مچھلی لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے، بس سمجھ لو کہ یہیں خضر علیہ السلام ملیں گے۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ انانیت اللہ کو پسند نہیں تو اس پسند نہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ الکبریاء ردائی کے مطابق کبریائی اللہ کی ذات میں ہے وہاں پستی نہیں ہے وہاں عظمت ہی عظمت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں جو چیز نہیں ملتی وہاں اس کی بڑی قدر ہوتی ہے اسی لئے تواضع کی وہاں بڑی قدر ہے اور چونکہ وہاں علو ہی علو، عظمت ہی عظمت ہے اس لئے اس کی کوئی قدر نہیں خوب سن لو پیارو! جو اللہ کے لئے اپنے کو ذلیل سمجھے اس کو اللہ اور بلند فرما دیتے ہیں من تواضع للہ رفعہ اللہ کا مطلب یہی ہے۔

فکان موسیٰ علیہ السلام

یہاں یہ قصہ مختصر ہے دوسری جگہ تفصیل آئے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی لی اور ساتھی کے ساتھ دریا کے کنارے چلنے لگے اور ساتھی سے کہدیا کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہاں اطلاع کر دینا ایک جگہ پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے وہ مچھلی تڑپی اور پانی میں کود پڑی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آگے چل پڑے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنا بھول گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی ساتھی سے کہا، انہوں نے کہا کہ میں تو بھول گیا وہ تو وہیں پانی میں کود پڑی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم تو یہی تلاش کر رہے تھے الٹے قدم واپس ہوئے اور پھر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شراح کے نزدیک باب کی غرض یہ ہے کہ چونکہ باب سابق کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حر بن قیس پر غلبہ ہونا معلوم ہوا تو امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اس غلبہ کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہوا۔ اور مشائخ کی رائے یہ ہے کہ باب سابق کی روایت سے غلبۂ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ معلوم ہوا تو حضرت امام بخاری اس باب سے اشارہ فرماتے ہیں کہ محض ذہانت پر اعتماد نہ کرے اور محنت پر بھروسہ نہ رکھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ اور میری رائے ان سب کے ساتھ یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ غلبۂ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علت کی طرف اشارہ ہے اور دعاؤں کی ترغیب ہے مگر حضرت امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کیوں کی؟ اس کی علت اور سبب کی طرف اشارہ فرمانا وہ یہ کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کرنے کے لئے تشریف لے گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

Maktaba Tul Ishaat. com

استنجے کے لئے لوٹا بھر کر رکھدیا حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ بتلایا گیا کہ ابن عباس نے رکھا ہے اس پر حضور اقدس ﷺ نے ان کو دعا دی اللھم فقه فی الدین یہ حدیث صفحہ چھبیس (۲۶) پر باب وضع الماء عند الخلاء میں آرہی ہے۔ تو امام بخاری نے بتلا دیا کہ یہ دعا خدمت کی وجہ سے تھی لہذا مشائخ کی خدمت کرنا چاہئے۔ اور اگر اولیاء اور بزرگوں سے دعا لینا چاہتے ہو تو ان کی خوب خدمت کرو اور یہ اصول موضوعہ میں سے ہے کہ استاذ کی خدمت اس کا احترام وغیرہ علم میں برکت کا سبب ہوتا ہے اور نافرمانی وغیرہ علم میں کمی کا باعث ہے اور والدین کا احترام وسعت رزق کا باعث ہے اور عدم احترام موجب تنگئی رزق ہے۔

باب متی یصح سماع الصغیر

مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم وتدریس تو بعد البلوغ معتبر ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ کس زمانے کی روایتیں بیان کرسکتا ہے۔ یحیی بن معین وغیرہ محدثین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ تحمل کے لئے بلوغ یا مراہقت شرط ہے اور ان کا استدلال قدنا ھزت الا حتلام والی روایت سے ہے اور امام احمد وغیرہ کی رائے ہے کہ صبی ممیز کا تحمل صحیح ہے اور امام احمد سے اس بارے میں کصبی خمس منقول ہے اور ایک تیسری جماعت کی رائے ہے کہ پانچ سال میں تمیز کا پیدا ہوجانا کہیں کہیں ہوتا ہے ورنہ قاعدہ اکثری یہ ہے کہ سات سال میں تمیز ہوتی ہے اسی لئے امر بالصلوۃ سات سال کی عمر میں فرمایا ہے لہذا سات سالہ تحمل معتبر ہوگا اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عربی لڑکے کے لئے چار سال ہیں عجمیوں میں سات سال کیونکہ اہل عرب کا حافظہ قوی ہوتا ہے اور وہ چار سال میں اچھی طرح تحمل کرسکتے ہیں بخلاف اہل عجم کے امام بخاری نے باب باندھ کر کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دی بلکہ باب کی پہلی حدیث قدنا ھزت الاحتلام یحیی ابن معین کی تائید میں ذکر فرمائی ہے اور دوسری حدیث وانا ابن خمس سنین امام احمد کے لئے مؤید ہے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ تحمل کے لئے تو کوئی شرط نہیں ہے لیکن سماع کے لئے ادراک کی شرط ہے۔ باب کی دوسری حدیث سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ منہ کا پانی پاک ہے اور یہ کہ بچوں سے ہنسی مذاق کیا جاسکتا ہے۔ علی حمار اتان الاتان انثی الحمار یعنی گدھے کا میم صاحب ورسول اللہ ﷺ یصلی بمنی اس حدیث کا مطلب میں ابواب السترۃ میں بیان کروں گا یہ روایت وہیں کی ہے۔ اس کو امام بخاری متعدد جگہ مثلاً کتاب السترۃ، قطع الصلوۃ، مرور بین یدی الصف وغیرہ ابواب میں ذکر فرما کر مختلف مسائل ثابت فرمائیں گے۔

باب الخروج فی طلب العلم

اس باب میں امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ صحابہ اعلم الناس تھے حضور ﷺ سے علم حاصل کئے ہوئے تھے اور دیگر صفات کے باوجود ایک ایک حدیث کے لئے اتنے لمبے لمبے سفر کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ طلب علم کے لئے سفر کرنا مندوب ہے۔ حدثنا ابو القاسم خالد بن حلی امام بخاری نے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے جس کے اندر حضرت موسی علیہ السلام کے کوچ کرنے کا ذکر ہے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف، تو اس حدیث سے یہ ثابت فرمادیا کہ حضرت موسی علیہ السلام بھی تحصیل علم کی خاطر اپنے مقام سے نکلے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب فضل عَلِمَ وَعَلَّمَ

اس سے اگلا باب ہے باب رفع العلم وظهور الجهل چونکہ امام بخاری کی عادت اضداد کو جمع کرنا ہے اس لئے ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ تعلم کی فضیلت مسلم اور علم کے فضائل تسلیم مگر بقائے علم تعلیم سے ہوتا ہے تو گویا اس باب سے تعلیم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

مثل ما بعثنی اللّٰہ به من الهدی والعلم کمثل الغیث الکثیر

حضور اقدس ﷺ نے ایک مثال کے ذریعہ عالم وغیرہ عالم کے فرق کو سمجھایا ہے کہ جو علم وہدایت میں لے کر آیا ہوں اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جب نازل ہوتی ہے تو تین طرح کی زمینوں پر پڑتی ہے ایک تو وہ زمین جس میں نرماہٹ اور نرمی بہت ہے کہ بارش ہوئی اور اس نے پانی چوس لیا اور پھر گھاس سبزہ پھل پھول اگائے یہ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی مثال ہے کہ ان لوگوں نے احادیث کو پی لیا اور پھر اصول وفروع کے پھل پھول اگائے اور مسائل کے بیل بوٹے لگائے اب ان سے حدثنا کا سوال ہی نہ کرنا چاہئے انہوں نے تو سب کچھ تمہارے سامنے سنوار کر رکھدیا اور ترتیب دیدی اور دوسری زمین وہ ہے کہ جو نرم تو نہیں بلکہ سخت ہے مگر اس میں نشیب ہے جیسے تالاب وغیرہ کہ اس میں پانی جمع ہو گیا لوگ اس سے منتفع ہوئے یہ مثال محدثین کی ہے کہ وہ احادیث کے ذخائر جمع کر دیتے ہیں اور مجتہدین ان کو لے کر اور پی کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے امام بخاری وغیرہ اور تیسری زمین ایسی ہے کہ نہ تو پانی چوس کر پھل پھول اگاتی ہے اور نہ ہی پانی روکتی ہے بلکہ چٹیل میدان ہے یہ ان دونوں کے علاوہ کی مثال ہے۔ یعنی اس شخص کی جو نہ خود علم حدیث میں مشغول ہوا اور نہ اس علم کو پھیلایا۔ اب آگے چل کر روایت میں اختصار ہو گیا کہ حدیث میں مشبہ کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں ایک قسم وہ جس کو فکان منها نقية سے تعبیر کیا ہے اور دوسری قسم وہ جس کو مثل من لم يرفع بذلك راسا سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ مشبہ بہ کی طرح یہاں بھی تین انواع کا ذکر ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پیش نظر افادہ واستفادہ تھا اس لئے پہلی دونوں قسموں کو یعنی جس نے پانی پی لیا اور جس نے جمع کیا دونوں کو ایک شمار کر لیا کیونکہ یہ دونوں قسمیں نافع ہونے میں برابر ہیں کیونکہ علمی بارش سے دونوں سیراب ہیں اگر چہ نفع کی نوعیت مختلف ہے۔ اور تیسری زمین نے چونکہ کوئی نفع نہیں دیا اس لئے اس کے ساتھ ان کو تشبیہ دی جن سے کوئی افادہ واستفادہ نہیں اور یہ لوگ کافر وجاہل ہیں لہذا اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ جانب مشبہ میں تین چیزیں اور جانب مشبہ بہ میں صرف دو ہیں۔

قال ابو عبداللّٰہ

یہاں سے امام بخاری اختلاف روایات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں قیلت بالیاء التحتانیه ہے اور ایک دوسری روایت میں قبلت بالباء الموحدة دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ کہا جاتا ہے قيلت البعير الماء اونٹ نے پانی پیا تو قیلت کے معنی پانی کے پینے کے ہیں وہی یہاں قبلت سے مراد ہے والصف صف المستوی من الارض سنو! امام بخاری جس طرح بہت بڑے حافظ حدیث ہیں خوش قسمتی سے اس سے کہیں زیادہ حافظ قرآن ہیں تو حضرت امام بخاری کی عادت مستمرہ ہے کہ جب کوئی لفظ

Maktaba Tul Ishaat. com

حدیث میں آجائے اور کہیں آجائے اور اسی کے ساتھ وہ لفظ کہیں قرآن شریف میں بھی آیا ہو تو حضرت امام بخاری اس کی تفسیر فرماتے ہیں اور اس جدید لغت کے معنی و مفہوم سمجھا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جیسے مجھے قرآن حفظ ہے تو دوسرے پڑھنے والے بھی ایسے ہی حافظ ہوں گے اس لئے صرف اس لفظ کو جس کی تفسیر کرنا ہوتی ہے ذکر کر دیتے ہیں اور بقیہ کو یہ سوچ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ جب اور لوگ حدیث پڑھیں گے تو ان کے دل میں بھی یہی لفظ کھٹک پیدا کرے گا۔ چنانچہ حدیث باب میں **قیعان** کا لفظ آیا ہے اور اس کا واحد **قاع** ہے اور قرآن شریف میں آتا ہے **فیذرها قاعا صفصفا** اسلئے امام بخاری نے اولا **قاع** کی تفسیر **یعلوه الماء** سے فرمائی کہ جس پر پانی نہ رکتا ہو بلکہ گزر جاتا ہو اور چونکہ **صفصف** بھی اسی آیت میں مذکور ہے اسلئے اسکی بھی تفسیر فرمادی کہ **المستوی من الارض**

باب رفع العلم وظهور الجهل

چونکہ حضرت امام بخاری نے باب سابق میں یہ بتلایا تھا کہ بقاء علم تعلیم سے ہوتا ہے تو اب یہاں سے بقاعدہ مشہورہ **و بضدها تتبین الاشیاء** بطور توضیح کے فرماتے ہیں کہ بقائے علم اس وقت ہوگا جبکہ اس کے موانع کو رفع کر دیا جائے اور ظہور جہل اور رفع علم سے بچا جائے لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر اس کو پہلے باب کا تکملہ بنا دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہاں تو فضیلت علم و تعلیم بیان کی تھی اب یہاں یہ بتلاتے ہیں کہ تعلیم نہایت ضروری ہے ورنہ علم اٹھ جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

وقال ربيعة لا ينبغى لاحد عنده شئ من العلم ان يضيع نفسه

اضاعت نفس کے بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ تعلیم و تدریس نہ کرے اس سے وہ علم ضائع ہو جائے گا کیونکہ علم تدریس سے باقی رہتا ہے اور اضاعت علم میں اضاعت نفس ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صاحب فضل و کمال ہو تو اس کو اپنا فضل ظاہر کرنا چاہئے یہ نہ چاہئے کہ غلط تواضع اختیار کرے کہ میں تو حقیر فقیر ہوں مجھے کچھ نہیں آتا اور لوگ اس کے اس قول پر اعتماد کر کے اس سے تعلیم حاصل نہ کریں بلکہ ان سے کہنا چاہئے کہ مجھ سے بخاری پڑھو۔ اور تیسرا قول یہ ہے اور یہ میرے نزدیک زیادہ راجح ہے کہ اہل علم کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو زر خیز نہ سمجھیں اور تنخواہوں پر نہ مریں کہ اگر تنخواہ نہ ہو تو تعلیم ہی چھوڑ دیں بلکہ تعلیم و تدریس اللہ کیلئے ہو اور تنخواہ یہ سمجھ کر لے کہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کفاف کیلئے لیتا ہوں۔ اگر تم دنیا کو ٹھوکر مارو گے تو یہ دنیا خود تمہارے قدموں میں آ کر رہے گی اور چوتھا قول یہ ہے کہ ایسوں کے سامنے علوم بیان کرے جو ان کے اہل نہ ہوں اور وہ انکو سمجھ نہ سکیں یہ گویا خود علم کو ضائع کرنا ہے یہ توجیہ اگر چہ اس مقام کے مناسب نہیں لیکن اس عبارت کا یہ ایک اچھا مطلب ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ اپنے علم پر عمل کرے کیونکہ دس بارہ سال میں حاصل ہونے والے علم کو ضائع کر دینا خود اپنے آپ کو ضائع کر دینا ہے۔

عن انس قال لاحد ثنكم حديثاً لايحدثكم احد بعدى

یہ جملہ اکثر جگہ آجاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہی اس حدیث کو تم سے بیان کروں گا اور کسی کو یہ حدیث معلوم نہیں تا کہ وہ بیان کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے میرے بعد یہاں بصرہ میں کوئی **سمعت رسول اللہ** ﷺ کہہ کر حدیث نہیں بیان کرے گا اور اس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت صرف چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ادھر ادھر رہ گئے تھے اور بصرہ میں ان کے علاوہ کوئی نہ تھا

Maktaba Tul Ishaat. com

کیونکہ یہ آخر ھم موتا بالبصرہ ہیں وتکثر النساء یعنی عورتیں زیادہ ہوں گی اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخر زمانہ میں لڑائیاں ہوں گی رجال قتل کئے جائیں گے عورتیں رہ جائیں گی یہاں تک کہ ایک آدمی کے ذمہ بہت سی عورتیں آجائیں گی کیونکہ اعزہ واقرباء سب قتل ہو جائیں گے ان کے بیوی بچے سب اسی کے ذمہ ہوں گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تک مردوں میں قوت زیادہ ہوگی تو مردوں کی پیدائش ہوگی لیکن بعد میں لوگوں کی آوارگی کی وجہ سے قوت کمزور ہو جائے گی تو عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی تو گویا مردوں کی آوارگی کی طرف اشارہ ہے۔

باب فضل العلم

یہاں جو حدیث مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خواب میں دودھ کا ایک پیالہ دیکھا جسے آپ ﷺ نوش فرمارہے ہیں اور اتنا نوش فرمایا کہ اس کی تراوٹ انگلیوں تک پہنچ گئی پھر آپ ﷺ نے بچا ہوا دودھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیدیا۔ اب باب کے متعلق سنو! یہاں بعض شرح کی رائے یہ ہے (جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا) کہ اصل باب تو یہی ہے اور جو کتاب کے شروع میں آیا تھا وہ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا اور یہاں روایت بھی ہے لہذا تکرار نہیں ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ فضل فضیلت ہی کے معنے میں ہے مگر اول باب میں فضیلت علماء اور اس باب سے فضیلت علم ثابت فرمائی ہے۔ حضرت گنگوہی کا ارشاد یہ ہے کہ وہاں فضیلت کلیہ تھی اور یہاں فضیلت جزئیہ بیان کرنی مقصود ہے اور ان دونوں میں فرق ہے۔ میں نے بیان کیا تھا کہ وہاں فضل فضیلت کے معنی میں ہے اور یہاں فضلہ اور زائد کے معنی میں ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اول کتاب میں جو فضل آیا ہے اس سے فضل بمعنی الفضیلة مراد ہے اور یہاں زیادتی اور بہتات کے معنی میں ہے۔ اب جب کہ یہاں پر فضل سے زیادتی اور بہتات مراد لی گئی ہے تو پھر علماء قائلین بمعنی الزیادۃ کے دو گروہ ہو گئے، ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہاں فضل کے معنی مصدری مراد ہیں یعنی زیادہ ہونا۔ اس صورت میں باب فضل العلم کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز میں قناعت محمود ہے مگر علم میں محمود نہیں بلکہ اس کو خوب زیادہ حاصل کرنا چاہئے جیسے حضور پاک ﷺ کہ تھوڑا سا کھانا نوش فرمانے والے اور جب دودھ پینا شروع کیا تو اتنا پیا کہ ناخن سے نکلنے لگا اور اس کی چکنائی کا اثر انگلیوں تک میں آگیا اور دودھ کو حضور پاک ﷺ نے علم سے تعبیر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ علم میں زیادتی مطلوب ہے اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ فضل بمعنی الزیادہ ہے مگر یہاں مفعول کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس علم زیادہ ہو تو کسی اور کو دیدے مثلا حاجت سے زائد کتابیں ہوں تو کسی مدرسے میں دیدے کسی کو پڑھا دے جیسے حضور اقدس ﷺ کی حاجت سے دودھ زیادہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیدیا۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ فضل زیادہ کے معنی میں ہے مگر باب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا ہو کہ اس کو کسی خاص علم کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو وہ اس سے اعراض نہ کرے بلکہ اس کو حاصل کر کے دوسرے کو سکھا دے مثلا مقعد ہے کہ اس کو جہاد کرنے کی تو طاقت نہیں اور یہ سمجھ کر کہ مجھ کو جہاد تو کرنا نہیں پھر کیا ضرورت جہاد کا علم سیکھنے کی ایسا نہ کرے بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے اسی طرح عتاق کا مسئلہ ہندوستان میں کہ یہاں تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ترقیق قانونا بند ہے۔ مگر یہ سوچ کر کہ یہاں کیا ضرورت ہے ایسا نہ کرے بلکہ سیکھے اور دوسروں کو سکھادے اور ممکن ہے کہ آئندہ کام آجائے۔ اس باب کی پانچ وجوہ ہوگئیں ایک تو وہی شراح والی کہ اصل یہی باب ہے اور باب اول وہم اور دوسری علامہ عینی کی۔ تیسری حضرت گنگوہی کی اور چوتھی ان کی جو فضل کو زیادۃ کے معنی میں لیتے ہیں پھر ان میں دو گروہ ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب الفتیا وھو واقف علی الدابة وغیرھا

اس باب کی کیا غرض ہے؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی ذی علم راستہ میں جارہا ہو یا سوار ہو تو لوگوں کو اس سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے اور بعض کی رائے ہے کہ امام بخاری مفتی کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کوئی اس حال میں مسئلہ پوچھے کہ وہ سوار ہو کر کہیں جارہا ہو تو مسئلہ بتادینا چاہئے اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام مالک سے منقول ہے کہ علم کو وقار اور سکینہ کے ساتھ سکھلانا چاہئے ایسے راستہ چلتے ہوئے فتوی نہ دے تو امام بخاری اس پر رد فرماتے ہیں کہ اگر اتنی شروط لگاؤ گے تو بسا اوقات مسئلہ ہی معلوم نہ ہو سکے گا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے جس کو تم مشکوۃ شریف میں پڑھ چکے ہوگے کہ حضور اقدس ﷺ نے جانور پر سوار ہونے کی حالت میں بات چیت کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ اگر کسی نے بات کرنی ہو تو اتر کر کرے تاکہ اتنی دیر جانور آرام کرلے تو حضرت امام بخاری اس سے اس صورت کو مستثنیٰ فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھے اور اس میں سوال وجواب میں کچھ دیر ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور بعض علماء کی رائے ہے کہ امام بخاری اس باب سے قضاء وافتاء میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قاضی اگر راستے چلتے ہوئے فیصلہ کرلے تو وہ معتبر نہیں ہوگا بلکہ اسکو دار القضاء میں فیصلہ کرنا ضروری ہے بخلاف فتوی کے کہ وہ جائز ہے۔

ان رسول الله ﷺ وقف فی حجة الوداع

یہ روایت کتاب الحج کی ہے وہاں پر آئے گی۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ ترجمہ روایت کے کس جز سے ثابت ہوا کیونکہ وقوف سے تو وقوف علی الدابۃ لازم نہیں آتا اور روایت میں وقوف علی الدابة کا کہیں ذکر نہیں اسلئے بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ امام بخاری کے ترجمہ کے دو جز تھے ایک وقوف علی الدابة دوسرا او غیرھا تو یہاں پر دوسرا جز او غیر ھا ثابت ہوگیا اور جز اول کو قیاساً ثابت فرمادیا مگر بعض شراح کی رائے ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ امام بخاری تشحیذ اذہان بھی کرتے ہیں۔ وہ تمہیں محدث بنانا چاہتے ہیں اور تمہارے اندر قوت مطالعہ بیدار کرنا چاہتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کے اندر وقف عام ہے ممکن ہے کہ اس سے وقف علی الدابة مراد ہو یا وقف علی غیر الدابة تو گویا عموم سے استدلال کیا گیا ہے ان سب جوابوں کے بعد میرا جواب سنو کہ بخاری میں صفحہ دوسو چونتیس ۲۳۴ پر یہی حدیث پھر آرہی ہے اور وہاں وقف علی ناقة پورا جملہ آیا ہے تو امام بخاری نے یہاں روایت مختصر ذکر فرمائی ہے ورنہ وقف سے مراد یہاں بھی وقف علی الناقة ہے۔

باب من اجاب الفتیا باشارة الید والراس

اس باب کے منعقد کرنے کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ ہمیشہ ایک بات کو تین تین مرتبہ فرمانے کی تھی اور اشارہ بالید اس کے خلاف ہے تو یہاں سے اس کا جواز اور ثبوت بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری غرض جیسا کہ میں نے پہلے باب میں بھی بیان کیا تھا کہ ایک قول یہ ہے کہ فتوی اور قضا کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ ہاتھ اور سر کے اشارے سے نفیاً و اثباتاً فتوی دینا تو جائز ہے مگر قضا میں جائز نہیں۔ روایت وہی ہے جو باب سابق میں گزر چکی امام بخاری اس سے نہ معلوم کتنے مسئلے ثابت فرمائیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat. com

حدثنا موسی بن اسمعیل

اس حدیث سے امام بخاری جو از اشارۃ الید والراس پر استدلال فرماتے ہیں حالانکہ یہ حدیث موقوف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فعل اس میں مروی ہے تو یہ حدیث گویا امام بخاری کی شرط کے خلاف ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے انی اراکم من خلفی تو یہاں نماز میں حضور پاک ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس معاملہ کو دیکھ لیا ہے تو تقریر ثابت ہوگئی اور جس فعل پر آپ کی تقریر ثابت ہو جائے وہ معتبر اور قابل استدلال ہے قلت آیۃ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ کوئی علامت حادثہ کی تو پیش نہیں آئی؟ فاشار برأسھا یہ اشارہ بالراس ہوگیا مامن شی لم اکن اریتہ الا رأیتہ یعنی اس وقت مجھ کو عالم ملکوت کی اشیاء نظر آئیں مثل او قریب لا ادری ای ذلک قالت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شاگردہ حضرت فاطمہ رحمہا اللہ تعالیٰ کہتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میری استانی حضرت اسماء رحمہا اللہ تعالیٰ نے مثل فتنۃ الدجال کہا تھا یا قریب من فتنتہ الدجال کہا۔ اور فتنۂ دجال کے قریب یا مثل ہونے سے اس لئے تشبیہ دی کہ یہ فتنہ مشہور فتنہ ہے حضرت نوح علیہ السلام ہی کے زمانے سے انبیاء علیہم السلام اس فتنہ سے ڈراتے ہیں۔

ماعلمک بھذا الرجل

یہ مسئلہ ہے تو کتاب الجنائز کا مگر اسے یہیں سن لو۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس اشارہ کا مشار الیہ کیا ہے؟ بعض کی رائے ہے کہ ھذا الرجل سے مراد محمد ﷺ ہیں اور وہ فرشتہ ماعلمک بمحمد ﷺ کہے گا، جیسا کہ خود بعض روایات میں لفظ محمد ﷺ کی تصریح ہے تو ھذا الرجل راوی کی اپنی تعبیر ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ وہ یوں ہی سوال کرے گا جیسا کہ اس روایت کے الفاظ ہیں یعنی فرشتہ ماعلمک بھذا الرجل کہے گا اور اس ابہام کے ساتھ اس وجہ سے کہے گا کہ وہ مقام مقام امتحان ہے اور امتحان میں تعمیہ کیا جاتا ہے جس طرح ممتحن اپنے سوالات میں ابہام پیدا کرتا ہے لیکن اگر وہ فرشتہ یوں ہی کہہ دے کہ "محمد ﷺ کون ہیں" تو وہ تو جان ہی جائے گا اور آسانی سے جواب دیدیگا۔ اس لئے فرشتہ بات کو چھپائے گا مگر مومن چونکہ جانتا ہوگا کہ یہاں بجز ربوبیت باری اور رسالت محمدی ﷺ کے اور کسی چیز کا سوال نہیں ہوتا اس لئے فوراً سمجھ جائیگا اور جواب دے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ عالم برزخ میں چونکہ ہر شے سامنے ہوتی ہے درمیان میں کوئی حائل نہیں ہوتا اور تمام پردے دور کر دئے جاتے ہیں تو حضور پاک ﷺ اپنے روضۂ اقدس سے نظر آئیں گے جیسے کہ چاند اگرچہ اپنے مستقر پر ہے لیکن اسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے اور پھر فرشتہ حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا کہ یہ کون ہیں مسلمان جواب دے گا کہ یہ "محمد ﷺ ہیں" اور بعض کی رائے یہ ہے کہ شبیہ مبارک یعنی فوٹو سامنے لایا جائیگا اور فرشتہ اس کی طرف اشارہ کر کے سوال کرے گا ویسے تو ہر مومن نے آپ ﷺ کی زیارت نہیں کی لیکن قوت ایمانی کی وجہ سے اس وقت آپ ﷺ کو پہچان لے گا جیسے کہ خواب میں پہچان لیتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضور اقدس ﷺ خود بنفس نفیس تشریف لائیں گے اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ جس طرح منکر نکیر اور ملک الموت قبر میں آسکتے ہیں حضور ﷺ بھی تشریف لا سکتے ہیں اسی حال کے مناسب کسی نے کہا ہے۔

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدیناں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

اس روایت کی تفصیل آئندہ آئے گی یہاں بقدر ضرورت ذکر کر دی گئی۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب تحریض النبی ﷺ

چونکہ نئے نئے مسائل مستنبط کرنا امام بخاری کا مقصد ہے اس لئے احادیث مکرر آتی رہتی ہیں چنانچہ یہ وفد عبدالقیس کی حدیث پہلے بھی گزر چکی۔ شراح حدیث نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سے تبلیغ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کیونکہ حضور پاک ﷺ نے اس وفد کو چند باتوں کی تعلیم دیکر فرمایا احفظو هن و اخبر وابهن من ورائكم تو گویا یہ بات بتلادی کہ علم حاصل کرے تو اس کو یاد رکھے اور دوسروں تک پہنچائے جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے وفد عبدالقیس کو دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دی۔ لیکن میرے نزدیک یہ غرض صحیح نہیں کیونکہ یہ غرض تو بخاری میں صفحہ اکتیس ۳۱ پر باب لیبلغ الشاهد الغائب کے ذیل میں آرہی ہے۔ باقی یہ کہ امام بخاری کا مقصد میرے نزدیک اس باب سے یہ ہے کہ اگر کوئی پورا عالم نہ ہو اور وہ تبلیغ کرے تو جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے جن لوگوں کو یہ فرمایا ہے۔ واخبروابهن من ورائكم وہ لوگ تمام دینی باتوں سے واقف نہ تھے اور ان کو صرف چار باتوں کا حکم اور چار سے منع فرما کر اس کی تبلیغ کا حکم فرمادیا لہذا آج کل جو لوگ "تبلیغی جماعت" پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے اندر اکثر جاہل ہوتے ہیں یہ کیوں تبلیغ کرتے ہیں اور کیسے تبلیغ کرتے ہیں ان لوگوں کے اعتراض کا جواب خود امام بخاری اس باب سے دے گئے ہیں اور بعض نے جو یہ غرض بتلائی ہے کہ دوسری حدیث بلغو اعنی و لو آیة سے جو ایہام ہوتا تھا کہ صرف آیت قرآنی کی تبلیغ کی جائے تو اس کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز کی تبلیغ کرو۔ خواہ آیت قرآنی ہو یا حدیث نبوی وہ تو مستقل باب کی غرض ہے جو آگے آرہا ہے اور بعض مشائخ نے یہ باریکی بیان فرمائی ہے کہ امام بخاری کی طرف سے اساتذہ کو تنبیہ ہے کہ طلباء کو حفظ کرنے پر ابھارتے رہیں۔

قال مالک بن الحویرث قال لنا النبی ﷺ ارجعوا الی اهلیکم :

یہ کتاب الصلوۃ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے اور چونکہ اس کا اتنا ٹکڑا ہی یہاں کے مناسب تھا اس لئے اسی کو ذکر فرمادیا اور مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس مالک بن الحویرث کے ساتھ ایک وفد آیا جب بیس ۲۰ دن گزر گئے اور حضور اقدس ﷺ نے دیکھا کہ ہم جوان ہیں اور ہماری رغبت عورتوں کی طرف ہوگئی ہے تو حضور ﷺ نے ہم کو روانگی کا حکم فرمادیا اور فرمایا کہ جب نماز کا وقت آئے تو اذان و اقامت کہنا اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور یہ باتیں جا کر ان لوگوں کو سکھلاؤ جو وہاں ہیں۔ کنت اترجم یہاں سے ابو جمرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قیام کا سبب بیان کیا ہے کہ مجھے زبانیں آتی تھیں اس لئے میں ضرورت کے لئے ان کے پاس رہا کرتا تھا۔

قال شعبة وربماقال النقير

اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے استاذ ابو جمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کبھی تو صرف تین ہی چیزیں حنتم، دباء، مزفت کو ذکر کیا کرتے تھے اور گاہے گاہے النقیر بڑھا کر چار چیزیں بیان کیا کرتے تھے یعنی پہلے تین لفظ تو ہمیشہ کہا کرتے تھے اور کبھی کبھی چوتھا لفظ نقیر کو بھی ذکر کردیا کرتے تھے۔ آگے شعبہ فرماتے ہیں وربما قال المقیر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نقیر کی جگہ کبھی کبھی مقیر کہہ دیا کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہے گاہے مزفت کے بدلہ مقیر فرمایا کرتے تھے کیونکہ مزفت اور مقیر دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat. com

باب الرحلة فی المسئلة النازلة

اب تک تو خروج لطلب العلم کو بیان فرمار ہے تھے کہ وہ خروج تو مطلق اور عام علم کے لئے ہوتا تھا اب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ وقتی طور پر پیش آجائے اور وہاں کوئی بتلانے والا نہ ہو تو اسکے واسطے سفر کرنا واجب ہے یہ نہ سوچے کہ ایک ہی مسئلہ تو ہے اس کے لئے سفر کرنے کی کیا ضرورت۔

انی قد ارضعت عقبة والتی تزوج بها

یہ مسئلہ کتاب الرضاع اور کتاب الشہادہ کا ہے یہ روایت امام بخاری وہاں ذکر فرمائیں گے مختصراً یہاں اتنا سن لو کہ یہاں جو ایک عورت کی شہادت سے یہ حکم جاری کرادیا گیا کہ مفارقت ہوگئی تو یہ تقوی پر محمول ہے ورنہ حنفیہ کے نزدیک دو عورتیں اور ایک مرد کا شہادت میں ہونا ضروری ہے اور امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کا ہونا کافی ہے امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اسحاق بن راہویہ اور امام احمد کے نزدیک ایک ایک عورت کی شہادت کافی ہے باب کی یہ حدیث انہی لوگوں کا مستدل ہے۔

فرکب الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:

یہاں پر صرف ایک مسئلہ پیش آیا تو حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کو معلوم کرنے کے لئے مکے سے مدینے آئے۔

باب التناوب فی العلم

چونکہ طلب علم فرض ہے لہٰذا امام بخاری اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مشغول ہو تو اس کو علم روزانہ سیکھنا ضروری نہیں بلکہ تناوب کرسکتا ہے تو گویا امام بخاری نے تناوب کا جواز ثابت فرمادیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی مشغول ہو تو اس کے لئے تناوب فی العلم مستحب ہے حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ باب میں امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشربہ والی طویل روایت مختصراً ذکر فرمائی ہے طویل تو جہاں آئے گی وہ تین صفحوں میں ہوگی مگر یہاں مختصر ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے ایک کنارے پر رہا کرتے تھے تو روزانہ مشغولی کی وجہ سے خدمت اقدس میں آنے سے معذوری تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات چیت کررکھی تھی کہ ایک دن تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جایا کرو اور وہاں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کریں وہ مجھ کو آکر سنادیا کرو اور دوسرے دن میں جایا کروں گا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنوں گا تم کو بتلادیا کروں گا۔ یہ تناوب فی العلم ہوگیا ایک دن وہ انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر کہنے لگے کہ کیا عمر ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا اور ان کے پاس آیا فقال قد حدث امر عظم یہاں پر روایت میں اختصار ہوگیا، ہوا یہ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے تو انہوں نے فرمایا کہ کیا غسانی آگیا؟ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا امر پیش آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی طرح رات تو گزر گئی صبح ہوتے ہی آیا تو مسجد میں دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رو رہے ہیں۔ میں حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور پوچھا اطلقکن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم؟

Maktaba Tul Ishaat. com

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مشربہ میں قیام فرما ہیں ان سے پوچھ لو۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ کیا آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کو طلاق دیدی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''نہیں'' میں نے خوشی سے اللہ اکبر کہا۔

باب الغضب فی الموعظة و التعلیم اذا رای ما یکرہ

یوں فرماتے ہیں کہ اگر استاذ طلباء سے کوئی ناگوار بات دیکھے تو ان کو تنبیہ کردے، ڈانٹ دے۔اور میری رائے یہ ہے کہ یہاں بھی مصنف کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ قضاء اور فتوی کے درمیان فرق ہے کہ اگر فتوئی اور درس حالت غضب میں ہو تو جائز ہے لیکن اگر قضاء حالت غضب میں ہو تو جائز نہیں کیونکہ ابوداؤد شریف کی ایک حدیث میں آتا ہے **لا یقضی القاضی وھو غضبان** اسی حدیث کی بناء پر حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ قضا بحالت غضب نافذ نہیں ہو سکتی اور اگر وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہو وہ شہود کے ذریعہ ثابت کردے کہ قاضی نے جس وقت یہ فیصلہ کیا تھا فلاں وجہ سے غصہ میں تھا تو قضا باطل ہو جائے گی تو حضرت امام بخاری اس سے استثنا فرماتے ہیں کہ استاذ غصہ کرسکتا ہے اور ڈانٹ سکتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تنبیہ کرنی ہے کہ استاذ کی یہ ڈانٹ ڈپٹ حدیث **یسروا و لا تعسروا وبشروا و لا تنفروا** کے خلاف نہیں اور اس میں تنفیر نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضور پاک ﷺ کے حالات میں آتا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غضب کرنا آپ ﷺ کی شان نہیں ہے تو امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم کے وقت میں جو حضور پاک ﷺ سے غضب کرنا ثابت ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہے بلکہ وہ اس خاص مصلحت کیوجہ سے ہوتا تھا **لا اکاد ادرک الصلوة** یہ کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں۔

ممایطول بنافلان:

فلاں شخص کے نماز طویل کردینے کی وجہ سے اس فلاں کے تحت بین السطور میں لکھا ہے **ھو قیل معاذ و قیل ابی** یہ دونوں احتمال یہاں تو صحیح ہیں کیونکہ یہاں نماز کی تعیین نہیں کہ کونسی نماز کا ذکر ہے اور جن احادیث میں نماز کی تعیین ہے وہاں دونوں احتمال ہوں گے بلکہ ایک ہی متعین ہو گا لہذا جہاں مغرب وعشا کی نماز میں اطالت کا ذکر ہو وہاں فلاں سے مراد حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اور جہاں اطالت صلوۃ فی الفجر کا ذکر ہو وہاں فلاں کے مصداق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اور جہاں کہیں بالا جمال اطالت کا ذکر ہو اور کسی خاص نماز کی تعین نہ ہو وہاں فلاں سے مرد دونوں ہو سکتے ہیں جس کو چاہے لکھدو۔اس کے خلاف جو کہے وہ غلط ہے یہاں بعض شراح کو وہم ہو گیا اور کہیں کہیں علامہ قسطلانی سے بھی سبقت قلم ہو گئی کہ اس کا عکس لکھدیا۔

فقال اعرف وکائھاثم عرفھاسنة :

یہ مسئلہ **کتاب اللقطه** کا ہے اور وہیں یہ بحث بھی آئے گی کہ ایک سال تعریف ضروری ہے یا تین سال ایک ماہ ایک ہفتہ کافی ہے یا دس دن ضروری ہیں **لک و لا علیک** کے معنی وہیں آئیں گے **ثم استمتع بھا** یہ استمتاع **استمتاع** ملک نہیں ہے جیسا کہ **فادھا الیه** اس پر دلالت کرتا ہے جو آرہا ہے **قال فضالة الابل فغضب** یہی مقصود باب ہے اور حضور اقدس ﷺ کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور اس کی وجہ کی طرف **مالک و لھا معھا حذاء ھا الخ** سے اشارہ فرمادیا۔

Maktaba Tul Ishaat. com

مالک ولها ومعها سقاء ها

کہتے ہیں کہ اونٹ کے پیٹ میں ایک مشک ہوتی ہے جس کو وہ پانی سے بھر لیتا ہے اور جب اس کو پانی نہیں ملتا تو وہ اس مشک میں سے تھوڑا تھوڑا نکال کر پیتا ہے اور سات دن تک اس کو نئے پانی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فقال رجل من ابی انہوں نے اپنے باپ کے متعلق سوال اس وجہ سے کیا کہ منافقین ان پر ولدالزنا ہونے کا الزام لگاتے تھے۔

فلمارای عمر مافی وجهه

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پاک ﷺ کا غضب دیکھا تو دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا ومحمد ﷺ نبیا پڑھنے لگے یہ جتلانے کے لئے کہ ہم میں سے جو ایک نے یہ سوال کیا ہے وہ آپ پر اعتراض کے واسطے نہیں بلکہ غلطی ہو گئی حضور ﷺ تو ہمارے سب کچھ ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رکبتین پر بیٹھنا یہ طالب علم کی ہیئت ہے کہ محدث کے سامنے اس طرح بیٹھنا چاہئے۔

باب من برک علی رکبتیه عند الامام او المحدث

اس باب کا مقصد وہی ہے جو ابھی بیان ہوا کہ ائمہ ومشائخ واساتذہ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ یہی اولیٰ وبہتر ہے۔

باب من اعاد الحدیث ثلثا لیفهم

حضور اقدس ﷺ کی عادات مبارکہ میں مذکور ہے اذا تکلم تکلم ثلثا واذا سلم سلم ثلثاً یعنی آپ ﷺ جب کوئی بات فرماتے تو تین مرتبہ بیان فرمایا کرتے تھے اور جب سلام فرماتے تو تین مرتبہ کرتے۔ سلام کا ذکر اور اس کا مسئلہ تو کتاب الاستیذان سے متعلق ہے وہاں آئے گا یہاں تکلم سے بحث ہے کہ تین مرتبہ بات فرمایا کرتے تھے لیکن یہ ظاہر کے اعتبار سے بہت مہمل معلوم ہوتا ہے اور سمجھدار آدمی کی شان کے خلاف ہے کہ ہر بات کو بار بار کہے اسی وجہ سے بعض شراح نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ جو تین تین مرتبہ فرماتے تھے وہ اس اعتبار سے تھا کہ ایک مرتبہ دائیں جانب اور ایک مرتبہ بائیں جانب منہ فرما کر اور ایک مرتبہ سامنے کی طرف متوجہ ہو کر کلام فرمایا کرتے تھے لیکن یہ صورت بھی ہر کلام میں بعید از عقل معلوم ہوتی ہے اگرچہ پہلی صورت کے اعتبار سے ادون ہے تو امام بخاری نے اس کا اور مطلب بیان کرنے کے لئے یہ باب قائم فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ ہر بات کو تین تین مرتبہ نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر وہ بات جو اہم اور ضروری ہو اس کو تین مرتبہ فرماتے تھے اسی وجہ سے حدیث میں لیفهم کی قید ہے ابن المنیر ایک شارح بخاری ہیں وہ اس کی غرض بیان فرماتے ہیں کہ اس سے رد کرنا ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ استاذ کو ایک مرتبہ بات کہنی چاہئے اس سے زیادہ نہ کہے اور اگر طالب علم دوبارہ پوچھے تو وہ بلید ہے۔ اسکو نہ بتائے۔ ابن المنیر نے بات اگرچہ بہت معقول بتلائی لیکن میرے نزدیک یہ اس باب کی غرض نہیں ہے بلکہ اگلے صفحہ پر جو باب من سمع شیاء فلم یفهم فراجعه حتی یعرفه آرہا ہے اس کے مناسب ہے اعادها ثلثا حتی تفهم عنه یہی مقصود ترجمہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ اعادہ وہاں ہوتا تھا جہاں انہام ں ضرورت ہو معلوم ہوا کہ اذا تکلم تکلم ثلثا عام نہیں ہے بلکہ مواقع ضرورت کے ساتھ خاص ہے ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلثا یہی مقصود باب ہے اور مصنف نے

Maktaba Tul Ishaat. com

اس کو ذکر فرما کر اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ تکرار افہام کی غرض سے ہوتا تھا خواہ دو مرتبہ میں حاصل ہو جائے یا تین مرتبہ میں، تین مرتبہ کچھ ضروری نہیں ہے۔

باب تعلیم الرجل امته و اهله

حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمیوں کے لئے دوہرا اجر ہے ایک وہ غلام جس نے اللہ کا اور اپنے مولی کا حق ادا کر دیا۔ اور ایک وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر حضور اقدس ﷺ پر بھی ایمان لایا ہو۔ اور ایک وہ جس نے اپنی باندی کو تعلیم دی اور اچھی طرح ادب سکھلایا اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو امام بخاری نے ترجمہ سے تنبیہ فرمادی کہ آقا کے ذمہ ہے کہ وہ باندیوں کو تعلیم دے۔ اور چونکہ ظاہر حدیث سے باندی کی تخصیص معلوم ہو رہی تھی اس لئے و اهله بڑھا کر اشارہ فرمادیا کہ یہ کوئی باندی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اپنی بیوی کو بھی تعلیم دے تو گویا حدیث میں باندی کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں لہذا جب باندی کی تعلیم پر اجر ملے گا تو اہل کی تعلیم پر بدرجہ اولی ملے گا یہاں حدیث پاک میں باندی کو خاص طور سے اس واسطے ذکر کیا کہ باندیاں عام طور پر پکڑ کر لائی جاتی تھیں ان کو کوئی تعلیم و تربیت دینے والا نہیں تھا بخلاف حرائر کے کہ ان کے لئے تعلیم سے موانع نہیں ہوتے تھے۔

حدثنا محمد هو ابن سلام

یہ هو ابن سلام فربری کی طرف سے تفسیر ہے ثلثه لهم اجران اس کے اندر اختلاف ہے کہ یہ دوہرا اجر کس وجہ سے ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ بعض علماء کی تو رائے ہے کہ چونکہ ان میں سے ہر ایک کے دو دو کام ہیں اس لئے دوہرا اجر ہے مگر اس میں اشکال ہے کہ پھر ان کی کیا خصوصیت رہی جو بھی دو کام کرے گا اس کو دو اجر ملیں گے۔ اور دوسرا قول اس کی بالکل ضد یہ ہے کہ ان تینوں کو ہر ہر کام پر دوہرا اجر ملے گا اس میں اشکال یہ ہے کہ ان تینوں نے کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا کہ اب جو کام بھی اس کے بعد کریں اس پر دوہرا اجر ہے اس لئے میرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ جن افعال میں تزاحم ہوتا ہو ان میں دوہرا اجر ہے مثلاً جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر حضور پاک ﷺ پر ایمان لایا۔ اب یہ شخص پہلے سے اپنے نبی کی شریعت پر عمل کرتا تھا اب جب حضور ﷺ پر ایمان لے آیا تو اس کو نفس کے خلاف کرنا پڑا اور پھر نئے سرے سے احکام سیکھنے پڑے تاکہ ان پر عمل کرے تو اب یہاں پر نئے دین کی شرائط اور عبادات کو لازم کرنے میں تزاحم ہے کہ پہلے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرتا تھا اب دوسرے مذہب نے جو عبادات بتلائیں ان کو کرنا ہوگا نیز یہ پہلے اپنے مذہب کا عالم تھا اب جو نیا مذہب اختیار کیا ہے اس کے اعتبار سے اب جاہل ہو گیا ایک دوسری مزاحمت یہ ہو گئی اور اسی قسم کی ہر مزاحمت پر اجر ہے۔ اس لئے اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ اسی طرح عبد مملوک ہے ادھر وہ نماز پڑھنے جاتا ہے تو حق مولی کا ٹکراؤ ہوتا ہے اب اس کو جہاں جہاں بھی مشقت ہو گی دوہرا اجر ملے گا کیونکہ یہاں بھی اس کو اپنے حقیقی مولی (خدا تعالی شانہ) اور مجازی مولی کی وجہ سے مزاحمت پیش آرہی ہے۔ لیکن جن افعال میں اس کو مزاحمت نہ ہوتی ہو مثلاً وہ ایسا وقت ہے کہ مالک کی خدمت سے چھٹی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور اب تہجد پڑھے تو یہاں دوہرا اجر نہیں ملے گا کیونکہ مجازی مولی کا کام اس کے مزاحم نہیں ہے۔ اسی طرح آقا ہے اس نے باندی کو تعلیم و تربیت دی اور پھر آزاد کر دیا یہ بھی اس نے بِر کا کام کیا۔ اب مزاحمت یہاں بھی ہو گئی کیونکہ اس نے پہلے آزاد کر کے جو اس سے نکاح کیا تو گویا اس کو برابر کا حق دیدیا اس میں ٹکراؤ ہے کیونکہ شادی کرنے کے بعد جو اس کی غرض ہے وہ باندی ہونے کی حالت میں بھی حاصل تھی

Maktaba Tul Ishaat. com

مگر اس نے مملوکانہ حق کو ختم کر کے برابر کا حق دیدیا اور اس کو حرائر کا حق حاصل ہو گیا اس لئے اس کو دوہرا اجر یہاں بھی ملے گا یہ حدیث دوسری مرتبہ صفحہ چار سو نوے پر آئے گی۔

ثم قال عامر اعطینا کھابغیر شیئ

یہ خطاب کس کو ہے علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ صالح کو خطاب ہے جو شعبی کے شاگرد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ خطاب ایک خراسانی آدمی کو ہے جس نے سوال کیا تھا جیسا کہ کتاب الانبیاء میں صفحہ ۴۹۰ پر آرہا ہے فرماتے ہیں کہ بیٹھے بٹھائے ہم نے تجھے اتنی بڑی حدیث بتلادی ورنہ اس سے چھوٹی حدیث کے لئے مدینے آیا کرتے تھے۔ آج کل یہ مدارس بن گئے اور پھر ان میں سہولتیں کھانے پینے وغیرہ کا اہتمام ہو گیا یہی وجہ ہے کہ یہ طالب علم قدر نہیں کرتے اگر یہ سہولتیں نہ ہوتیں بلکہ اس میں مشقت اٹھانی پڑتی تو قدر کرتے لیکن اب تو یہ حال ہے کہ اگر پڑھانے میں بیس ملتے ہیں اور کھیتی میں سو، تو کھیتی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ بغیر مشقت کے حاصل ہو گیا اور اگر مشقت سے حاصل کرتے تو ہرگز یہ نہ ہوتا۔

باب عظة الامام النساء وتعلیمھن

امام بخاری اس باب سے ایک وہم کو دور فرماتے ہیں وہ یہ کہ پہلے باب سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ باندی و بیوی کی تعلیم آقا و شوہر کے ذمہ ہے تو امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام اور امیر کے ذمہ نہیں ہے بلکہ ان کے بھی ذمہ ہے لہذا ان کو چاہئے کہ مدارس کا انتظام کریں اور ان کی تعلیم کا بندوبست کریں تو گویا پہلے باب میں تو امام بخاری نے مولی تک کے لئے یہ باب کہی تھی اب یہاں سے ایک قدم اور بڑھاتے ہیں کہ امام اور امیر بلدہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کریں۔ کیونکہ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی رعایا یعنی اہل وعیال کو تعلیم دے۔ اس تقریر کی بناء پر یہ باب پہلے باب کا تکملہ ہوگا **او قال عطاء اشھد علی ابن عباس** یہ اوشک راوی ہے راوی کو شک ہو گیا کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ پر قسم کھائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا یا عطا نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قسم کھائی کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر یہ **اشھد علی النبی** ﷺ ہو تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہوگا اور اگر **اشھد علی ابن عباس** رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو تو عطا کا مقولہ ہوگا۔ **فظن انه لم یسمع النساء** کیونکہ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر تو تھا نہیں اور عورتیں دور تھیں مرد آگے آگے تھے۔

فجعلت المراۃ تلقی القرط والخاتم

چونکہ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں ذراسی بات ان پر اثر کر جاتی ہے چنانچہ حضور ﷺ نے وعظ فرمایا فوراً ہاتھ کے ہاتھ دینے لگیں۔ ایک بار مشرقی پاکستان سے کچھ علماء نے جو یہاں سے پڑھ کر گئے تھے میرے پاس یہ لکھا کہ یہاں انگریزیت کا اتنا غلبہ ہے کہ لوگ زیوروں کو معیوب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اضاعت مال ہے اگر کہیں حدیث میں زیوروں کا ذکر ہو تو لکھیں میں نے ان کے پاس چند حدیثیں لکھ کر بھیجدیں اور لکھدیا کہ جہاں جہاں حدیث میں عید کے خطبے ہوں وہاں دیکھ لیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ یہ میں نے اس لئے تنبیہ کردی کہ کہیں تم کو ضرورت آجائے۔ حدیث میں بالی اور ہاتھوں کے زیور وغیرہ کا ذکر ہے۔ **وبلال یاخذ فی**

Maktaba Tul Ishaat. com

طرف ثوبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کپڑے کے کونے میں لے رہے تھے اور کہہ رہے تھے اعطین فداکن ابی وامی ۔ اس حدیث سے مدارس کے لئے چندہ مانگنے کی اصل معلوم ہوتی ہے مگر اپنے لئے نہیں۔ قال اسمٰعیل بن ایوب عن عطاء پہلے چونکہ تردد ہو گیا تھا کہ اشہد کس کا قول ہے اس لئے یہاں سے اس کی تعین کر رہے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔

باب الحرص على الحديث

یہ تخصیص بعد التعمیم ہے اب یہاں سے خاص طور سے علم حدیث کی اہمیت اور فضیلت بیان کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان علوم میں علم حدیث سب سے افضل واعلیٰ ہے اور یہ بہت ہی مہتم بالشان ہے۔ حدیث باب میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا من اسعد الناس بشفاعتک تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ہریرہ! میں سمجھتا تھا کہ تمہارے سوا اس کے متعلق کوئی بھی سوال نہیں کریگا کیونکہ میں تمہاری حرص حدیث پر دیکھتا ہوں۔ اس سے حدیث پر حرص کی فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے موجود تھے اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تمہاری حدیث پر حرص دیکھ کر میرا خیال یہ تھا اس کے متعلق اور کوئی سوال نہ کرے گا صاف بتلا رہا ہے کہ اسکی خاص فضیلت ہے کہ جس کو منہمک دیکھا اسی کے ساتھ خیال فرمایا۔

انه قال قيل يارسول الله

یہاں سوال یہ ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرنے والے تھے پھر مبہم کیوں رکھا جب کہ خود آخر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان آرہا ہے لقد ظننت یا ابا ھریرۃ! یعنی ابو ہریرہ! میں سمجھتا تھا کہ تمہارے سوا اور کوئی اس بارے میں سوال نہیں کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اپنی تعریف ہو وہاں ایک گونہ حیا سی آجاتی ہے اور آدمی خود کہنا نہیں چاہتا اس لئے اولاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غائب سے تعبیر کیا مگر جب آگے کوئی چارہ نہ ملا تو مجبوراً ظاہر کر دیا یہ تو تاویل ہے ورنہ یہی حدیث دوسری جلد میں صفحہ نو سو بہتر ۹۷۲ پر بھی آرہی ہے وہاں قیل کے بجائے "قلت" ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیل کسی راوی کا تصرف ہے۔

باب كيف يقبض العلم

میں نے شروع کتاب میں کہہ دیا تھا کہ امام بخاری نے "کیف" سے تیس باب شروع فرمائے ہیں بیس جلد اول میں اور دس جلد ثانی میں ان میں کا یہ دوسرا ہے۔ اور میں نے وہاں یہ بھی بیان کیا تھا کہ میرے نزدیک امام کی غرض کیفیت کا اثبات مقصود نہیں ہوتا بلکہ جہاں مسئلہ میں اختلاف یا احادیث میں اختلاف ہوتا ہے تو وہاں اہتمام پر تنبیہ کرنے کے لئے کیف سے باب باندھتے ہیں۔ امام بخاری اس باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے قبض علم کی کیفیت معلوم ہوتی ہے مثلاً کتابت کے ترک کرنے سے علم کے ختم ہونے کا اندیشہ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ علم کا رفع ایسے ہوگا کہ علماء اٹھا لئے جائیں گے۔ وکتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن حزم یہ بھی میں نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے امر سے کتابت حدیث شروع ہوئی۔ اور مدون اول علی القول المشہور امام زہری ہیں اور محققین کی رائے میں ابو بکر بن حزم ہیں

Maktaba Tul Ishaat. com

چونکہ یہ بخاری کی روایت ہے اور نیز امام زہری کی وفات ۱۲۵ھ میں ہے اور ابوبکر بن حزم کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے اس سے بظاہر تقدم معلوم ہوتا ہے اور مصنف کا تفنن ہے کہ مسئلہ اس کی مشہور و مناسب جگہ کے بجائے دوسری جگہ ذکر فرماتے ہیں۔

فان العلم لایھلک یعنی لوگ علم کی اشاعت نہ کریں۔ اسی وجہ سے میرے یہاں سے جو بھی نقل کرنا چاہے میں منع نہیں کرتا۔

حدثنا العلاء بن عبدالجبار:

یہ اوپر جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر بیان فرمایا ہے تو اس کی سند بیان فرمادی ان اللہ لایقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء شراح کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث سے قبض علم کی کیفیت بیان کردی کہ قبض علم اس طرح نہیں ہوگا کہ قلوب میں قرآن وحدیث موجود ہوں اور پھر قلوب سے اللہ تعالیٰ ایک دم محو فرمادیں بلکہ یہ صورت ہوگی کہ علماء مرتے جاویں گے اور ان کے ساتھ علم بھی ختم ہوتا جاوے گا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے قریب جب آدمی سوئے گا اور صبح کو اٹھے گا تو قرآن اس کے قلب سے صاف ہوگا سب کچھ بھول گیا ہوگا اور اسی طرح رات کو قرآن پاک صحیح وسلامت رکھے گا لیکن جب صبح کرے گا تو صرف سادے کاغذرہ جائیں گے تو مجھے کہنا یہ ہے کہ امام بخاری کے اصول میں سے ہے کہ جو روایت ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی اس پر رد فرماتے ہیں تو امام بخاری اس روایت پر رد فرماتے ہیں کہ قبض علم اس طرح نہ ہوگا کہ اچانک قلب سے صاف ہوجائے گا بلکہ قبض علماء سے ہوگا۔ اور محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ یہ قرب قیامت میں ہوگا اور اچانک رفع قرآن قیامت کے قریب ہوگا کیونکہ قیامت تو اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ کوئی مومن باقی ہے۔

قال الفربری:

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ ہمارا نسخہ جو ہے وہ فربری کی روایت سے ہے لیکن قال الفربری کا کیا مطلب؟ اس میں بہت سے علماء کو تحیر ہوگیا مگر تحیر کی کوئی بات ہی نہیں فربری اپنی ایک سند ذکر کرتے ہیں کہ جیسے مجھ کو یہ روایت بواسطہ امام بخاری کے پہنچی ہے اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے استاذ سے بھی پہنچی ہے۔ اس دوسرے واسطہ کو ذکر کرنے کا مقصد امام بخاری کی روایت کی تقویت ہے۔ لیکن یہ سند قاعدہ کے اعتبار سے حاشیہ پر ہونی چاہئے تھی مگر طابعین نے یہ سوچ کر کہ نسخہ بھی تو فربری کا ہے ان کے اس نوٹ کو اصل کتاب میں ہی طبع کردیا۔

باب ھل یجعل للنساء یوم علیحدۃ فی العلم:

امام بخاری یہاں سے اس کا جواز ثابت فرماتے ہیں چنانچہ اس باب میں جو حدیث شریف ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کے لئے دن متعین فرمایا تھا۔ اب اشکال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ سے تعیین یوم ثابت ہے تو ترجمۃ الباب میں لفظ ھل امام بخاری کیوں لائے یہ تو تردد پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ جب حضور ﷺ سے ثابت ہے تو اب تردد کیسا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک واقعہ خاص کا ذکر ہے اور ایک گویا واقعہ جزئیہ ہے اس سے کلی واقعات پر استدلال کرنے میں تردد تھا کیونکہ یہ واقعات ایسے ہیں کہ ان سے فتنہ وفساد زیادہ ہوتا ہے تو امام بخاری نے لفظ ھل بڑھا کر متنبہ فرمادیا کہ ذرا دیکھ کر اس کو کرنا اور سوچ سمجھ کر عورتوں کو اجازت دینا بلا تردد اجازت نہ دینا۔ غلبنا علیک الرجال یعنی یہ مرد ہر وقت آپ کے پاس لگے رہتے ہیں ہم کو کوئی وقت ہی نہیں ملتا تاکہ ہم بھی

Maktaba Tul Ishaat. com

کچھ پوچھ لیں اس لئے آپ ہمارے واسطے کوئی خاص دن مقرر فرمادیں۔

ما منکم من امراۃ تقدم ثلثة من ولدھا:

یہ مسئلہ کتاب الجنائز کا ہے اور وہاں بھی یہ آوے گا کہ یہ لڑکے جو حجاب ہوں گے وہ تین ہوں گے، دو ہوں گے یا ایک ہی ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے اور جس کا کوئی لڑکا نہ مرا ہو اس کا کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ، مرنے والا لڑکا فی نفسہ ماں باپ سب کے لئے آڑ ہوگا لیکن جہاں روایات میں امرءۃ کی تخصیص ہے تو اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ماں کو بچے سے بہت محبت ہوتی ہے بڑی مشقت اٹھاتی ہے ولادت کے وقت اگر ذرا سی سمیت اثر کر جائے مر جاوے اور کچھ کا کچھ ہو جاوے مگر اللہ نے اولاد کی محبت دل میں ڈالدی کہ اگر اولاد نہیں بھی ہوتی تو تعویذ کراتی ہیں قال ثلثة لم یبلغوا الحنث چونکہ روایات سابقہ میں مطلقاً لڑکے کا حجاب ہونا مذکور تھا خواہ بالغ ہو، یا نابالغ ہو تو حضرت امام بخاری نے یہ روایت ذکر فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ ان لڑکوں کے بارے میں ہے جو قبل البلوغ مر گئے ہوں۔

باب من سمع شیئا فلم یفھمه فراجعه حتی یعرفه

تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے باب من اعاد الحدیث میں ابن منیر کی ایک غرض بیان کی تھی کہ اگر طالب علم ایک مرتبہ میں بات نہ سمجھے تو وہ بلید ہے اس کو دوبارہ مت بتلائے لیکن میری رائے جیسا کہ میں اس گزشتہ باب میں بھی بیان کر چکا یہ ہے کہ ابن منیر کی وہ غرض اس باب کے زیادہ موافق ہے اور اس گزشتہ باب کی غرض جس میں حضور اقدس ﷺ کے تین بار کلام فرمانے والی روایت ہے اس کے متعلق امام کا تنبیہ فرمانا ہے کہ حضور ﷺ تکرار وہاں فرماتے تھے جہاں یہ خوف ہو کہ مخاطبین سمجھے نہیں اور بعض دوسرے حضرات نے اس باب کی غرض یہ بیان فرمائی کہ قرآن پاک کی آیت وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتبہات کی تحقیق نہ کرنی چاہئے اور اسی قسم کا مضمون حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے اور بعض کا مذہب بھی یہی ہے۔ تو امام بخاری یہاں سے ان لوگوں پر رد فرما رہے ہیں کہ متشابہات قرآنیہ کی تحقیق تو واقعی نہ کرنی چاہئے لیکن ان کے علاوہ بقیہ چیزیں جو سمجھ میں نہ آئیں ان سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

من نوقش الحساب یھلک:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو ضرور مراجعت کرتیں اب یہیں سے ترجمۃ الباب کا ثبوت ہو گیا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مراجعت کر لے چنانچہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا من حوسب عذب تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا او لیس یقول اللہ عزوجل فسوف یحاسب حسابا یسیرا یعنی آپ ﷺ تو فرما رہے ہیں من حوسب عذب اور خدائے تعالیٰ مومن ناجین کے بارے میں فرماتا ہے فسوف یحاسب حسابا یسیرا تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ذلک العرض یعنی حساب یسیر سے مراد عرض ہے نامۂ اعمال کا کہ ورق گردانی کر کے بلا کچھ پوچھے معاف فرما دیا جائے کہ بھاگ جا بڑا نالائق تھا معاف کر دیا اور من حوسب سے مراد من نوقش ہے کہ اگر اس نے سوال شروع کر دیا یہ کیوں کیا؟ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ سو گیا کیوں سو گیا؟ رات کو دیر میں سویا؟ کیوں دیر میں سویا؟ تو وہاں

Maktaba Tul Ishaat. com

چھٹکارا ملنا مشکل ہو جائے گا۔

باب لبليغ العلم الشاهد الغائب

چونکہ حدیث پاک میں آتا ہے بلغوا عنی ولو آیۃ تو اس سے تبلیغ آیت قرآنی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے اس لئے امام بخاری نے یہ باب باندھ کر اشارہ فرمادیا کہ تبلیغ آیت قرآن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقصود تبلیغ علم ہے خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث پاک ہو عن ابی شریح انه قال لعمرو بن سعید ۔غور سے سنو روایت اتنی ہی ہے یہ عمرو بن سعید یزید بن معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد جب یزید خلیفہ بنا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بیعت سے انکار فرمادیا اس کی وجہ سے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تو میدان کربلا میں جو کچھ پیش آیا وہ آیا البتہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ ہی میں ٹھہر گئے یہ عمرو بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ایک لشکر بھیج رہا تھا اس پر حضرت ابو شریح جو صحابی بھی ہیں نے اس کو نصیحت فرمائی سمعته اذنای ووعاه قلبی یعنی مجھ کو خوب اچھی طرح سے یاد ہے میرے کانوں نے سنا ہے اور قلب نے محفوظ کرلیا اور بھولا نہیں وابصرته عینای میری آنکھوں نے دیکھا ہے مجھ کو کوئی اشتباہ بھی نہیں ہے فان احد ترخص بقتال رسول اللہ ﷺ یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ حضور پاک ﷺ نے مکہ میں قتال کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لئے مکہ حلال ہوگیا تھا اور اب کوئی بتلانے والا نہیں رہا کہ کس وقت کس کے لئے حلال ہے اور کب حرام ہے وہ تو نبی تھے ان کو معلوم ہوگیا۔ ولیبلغ الشاهد الغائب یعنی حضور اقدس ﷺ نے شاہد کو تبلیغ غائب کا امر فرمایا تھا اور اے عمرو! تو اس وقت غائب تھا اور میں حاضر تھا اس لئے میں نے پہنچادیا تاکہ حضور پاک ﷺ مجھ سے سوال نہ کریں۔

فقيل لابی شريح ماقال:

یعنی جب ابو شریح نے یہ حدیث بیان کی تو ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے اس کہنے پر عمرو نے کیا کہا اور کیا جواب دیا قال انا اعلم منک ابو شریح نے فرمایا کہ اس نے یہ کہا کہ مجھے تم مت سمجھاؤ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں میں بھی تابعی ہوں لاتعیذ عاصیا ولا فارا بدم یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہے اور وہاں یہ روایت بھی آئے گی اور اسی طرح یہ روایت فتح مکہ میں بھی آئے گی۔ شوافع اور مالکیہ کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ گزین ہو جائے تو اس کو وہیں قتل کر دیا جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک اس کو خروج عن الحرم پر مجبور کیا جائے گا گویا حدیث جمہور کے مذہب کے موافق اور حضرات حنفیہ کے خلاف ہوئی۔ اس کے علاوہ دو مسئلے اور ہیں ایک یہ کہ قاتل نے قتل ہی حرم میں کیا ہو یا قطع اطراف غیر حرم میں کر کے داخل ہوا ہو تو ان دونوں مسئلوں میں احناف جمہور کے ساتھ ہیں کہ قصاص وہیں حرم میں لیا جائے گا۔ رہا عمرو بن سعید کا یہ مقولہ تو یہ کلمة حق اريد به الباطل کے قبیل سے ہے۔

وكان محمد يقول صدق رسول الله ﷺ:

محمد سے ابن سیرین مراد ہیں اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حضور پاک ﷺ کے کس قول اور کس چیز کی تصدیق فرمائی؟ بعض کی رائے ہے کہ جملہ الاهل بلغت کی تصدیق کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے خوب تبلیغ فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحیح فرمایا فليبلغ الشاهد الغائب چنانچہ انہوں نے خوب تبلیغ کی۔ اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی رائے لامع

Maktaba Tul Ishaat. com

میں یہ ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو سفک دم سے منع فرمایا تھا وہ اسی لئے منع فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو خوف تھا کہ یہ چیز مکہ میں ہو کر رہے گی چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا خیال مبارک پورا ہو کر رہا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ یہی روایت دوسری جلد کے آخر میں آئے گی اس میں رب مبلغ اوعی من سامع ہے تو ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ٹھیک فرمایا تھا کہ بہت سے مبلَّغ سامع سے اوعیٰ ہوتے ہیں۔

باب اثم من كذب على النبي ﷺ

چونکہ اب تک حرص فی الحدیث کی فضیلت تعلیم و تعلم پر تحریص وغیرہ بیان فرمائی تھی تو اب یہاں سے امام بخاری بریک لگاتے ہیں کہ یہ سارے فضائل اپنی جگہ پر مگر حضور اکرم ﷺ کی احادیث بیان کرنے میں احتیاط کرنا کہیں حضور اکرم ﷺ پر کذب نہ ہو جائے اور پھر وعید میں داخل ہو جاؤ۔ لاتکذبوا علي من كذب علي يلج النار یہ روایت معنی متواتر ہے اور بعض کے نزدیک الفاظ کے اعتبار سے متواتر ہے۔ اس باب کی احادیث کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے یہاں احادیث کے ذکر میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے کہ پہلے تو کذب علی النبی ﷺ سے منع فرمایا اور دوسری حدیث میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توقی فی الحدیث یعنی احتیاط ناقلین کو ذکر فرمایا اور تیسری حدیث میں اس احتیاط کی تشریح فرما دی کہ یہ توقی فی الحدیث اکثار احادیث سے تھی اگرچہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بکثرت روایات بیان کرتے تھے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ورنہ عامہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکثار سے توقی کرتے تھے اور اگر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توقی کر لیتے تو ہم تک یہ روایات کیونکر پہنچتیں۔ اور چوتھی حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں جھوٹا خواب بھی من كذب علي میں داخل ہے۔

حدثنا المكي بن ابراهيم:

میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ بخاری شریف کے خصائص میں سے یہ بھی شمار کرایا جاتا ہے کہ اس میں بائیس (۲۲) احادیث ثلاثیات ہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ فقہ حنفی کا مدار ثنائیات پر ہے۔ اب اس حدیث باب کے متعلق سنو کہ اس حدیث قال سمعت کے تحت بین السطور میں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ هذا اول الثلاثيات میں نے بہت تتبع اور تلاش کے بعد یہ بات حاصل کی کہ ان بائیس ثلاثیات میں سے بیس احادیث میں سند کے اندر جن کا نام آ رہا ہے وہ حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں یا امام زفر کے۔ لامع کے مقدمہ میں ان کے حالات بھی آ گئے ہیں۔ چنانچہ یہ مکی بن ابراہیم بھی امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں اور ثلاثیات بخاری میں سے گیارہ روایات انہیں سے مروی ہیں لہٰذا سوائے دو کے تمام حنفی حضرات سے یہ احادیث مروی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جب امام بخاری کی روایات ثلاثیات ہو سکتی ہیں تو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی احادیث کا ثنائیات ہونا تو یقینی ہے اور اگر میں یوں کہوں کہ وحدانی ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا اس اعتبار سے یقیناً فقہ حنفی بہت مضبوط ہے۔ قال الامام ابوحنيفه مانقل عن النبي ﷺ على الراس والعين ومانقل عن الصحابة نختار ونرجح ومانقل عن التابعين هم رجال ونحن رجال. بہرحال ثلاثی وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں حضور پاک ﷺ اور محدث کے درمیان تین واسطے ہوں ایسی حدیث کی بڑی اجلال شان کی جاتی ہے اور موٹے خط میں اول الثلاثیات ثانی الثلاثیات لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ادھر تو صحابی بیچ میں تابعی وہ خیر القرون میں سے اور شاگرد اپنے استاذ کے

Maktaba Tul Ishaat. com

حالات سے خوب واقف۔

تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی:

یہ مسئلہ کتاب الادب کا ہے وہاں کچھ تفصیل سے آجائے گا مختصراً یہاں سن لو! اس حدیث پاک کا شان ورود یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ بازار تشریف لے جارہے تھے راستہ میں کسی نے آواز دی یا اباالقاسم! آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں بلایا بلکہ فلاں کو بلایا ہے۔

اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام تو رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت کے ساتھ تم کسی کو تعبیر نہ کرو اور کسی کی کنیت نہ رکھو۔ یہاں پر تو اس طرح ہے لیکن بعض روایات میں اس کا عکس وارد ہوا ہے کہ میرا نام نہ رکھو البتہ کنیت رکھ لیا کرو۔ اس وجہ سے اب علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں امام شافعی سے منقول ہے کہ مطلقاً آپ ﷺ کی کنیت شریف رکھنی جائز نہیں خواہ آپ ﷺ کی حیات میں ہو یا بعد الممات ہو لیکن جمہور کے نزدیک یہ ممانعت آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھی اب جائز ہے۔

من رانی فی المنام فقد رانی:

یہ مسئلہ کتاب تعبیر الرؤیا کا ہے تفصیل کے ساتھ وہیں آئے گا اب یہاں یہ سنو! کہ اس پر علماء امت کا اجماع ہے کہ جس نے حضور کریم ﷺ کو دیکھا اس نے آپ ﷺ ہی کو دیکھا شیطان کے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شکل میں آکر یہ کہہ دے کہ میں محمد (ﷺ) ہوں البتہ وہ خدائے تعالیٰ کی شکل میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ کی دو صفتیں ہیں ہادی ومضل، اللہ کے اضلال کا مظہر شیطان ہے لہٰذا وہ صفت ضلالت کا مظہر بن کر سامنے آسکتا ہے۔ بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ آپ ہادی محض ہیں لہٰذا وہ آپ کی شکل میں نہیں آسکتا۔ نیز علماء نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر حضور پاک ﷺ خواب میں کسی خلاف شرع کا امر کا جواز بتلائیں تو وہ جائز نہیں ہوگا۔ نیز جو شخص آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی شایان شان شکل میں نہ دیکھے بلکہ کسی اور شکل میں دیکھے تو اس نے بھی یہ حقیقت میں آپ ہی کو دیکھا اور اس کا یہ خلاف شان دیکھنا خود اس کے اپنے نقص کی وجہ سے ہے اور اس شخص کے خیالات کے اعتقاد کی عینک ہے۔

باب کتابة العلم

میں نے اس باب کے متعلق کتاب کے شروع میں تیسرے نمبر پر جہاں میں نے اس علم کے مدون کا ذکر کیا ہے پوری بحث کی ہے۔ اور وہاں میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس میں علماء سلف کے تین مذہب ہیں ایک مذہب تو کتابت سے بالکل منع کرتا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی بنا پر جو مسلم (۱) میں موجود ہے جس میں کتابت سے بالکل منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ جو لکھا ہوا ہو اس کے بھی محو کا امر ہے یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اگرچہ روایات مجوزہ کثرت سے ہیں اس لئے کہ جب منع وجواز میں تعارض ہوا کرتا ہے تو منع کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ اور دوسرا مذہب بعض دوسرے سلف کا ہے کہ اولاً لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے یہ حضرات جمع بین الروایتین کرتے ہیں اور تیسرا مذہب ایک دوسری جماعت سلف کا ہے اور یہی اب متفق علیہ مذہب ہے کہ کتابت حدیث بالکل جائز ہے اور حفظ کے بعد مٹانے کی بھی ضرورت نہیں یہی غرض امام بخاری کی اس ترجمۃ الباب سے ہے اور اس کو حضرت امام بخاری نے

(۱) یہ پوری حدیث صفحہ (۱۰) کے حاشیہ پر تحریر کی جاچکی ہے۔ شاہد غفرلہ

Maktaba Tul Ishaat. com

متعدد روایات سے ثابت فرمایا ہے۔ باب سے تو اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا اور روایات مثبتہ کو ذکر فرما کر جمہور کے مذہب کو ثابت فرمایا ہے۔

قلت لعلي هل عندكم كتاب:

یہاں روایت کے الفاظ اسی طرح ہیں اور دوسری جلد میں صفحہ ایک ہزار اٹھائیس (۱۰۲۸) پر **هل عندكم كتاب من وحي غير القرآن** ہے ان الفاظ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے پاس قرآن کے علاوہ جو **ما بين الدفتين** ہے اور کوئی حصہ قرآن ہے جو اس قرآن پاک کے علاوہ ہو۔ منشاء اس سوال کا یہ تھا کہ اس زمانے سے ہی روافض نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ حضرت عمرو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے اعوان نے چالبازی کی قرآن پاک کے چالیس پارے تھے۔ دس پارے جو اہل بیت کے فضائل میں تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے متعلقات کی بہت سی قسم کی تعریفیں اور مدحیہ مضامین اس میں تھے اس کو انہوں نے قرآن کے اندر نہیں لکھا نیز یہ روافض یوں بھی کہا کرتے تھے کہ دراصل نبی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں فرشتہ جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا گیا تو ان باتوں کی وجہ سے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کیا لوگوں کا یہ خیال صحیح ہے؟ اور کیا آپ کے پاس کوئی خاص احکامات والی وحی ہے۔ یہ حدیث جس میں صراحۃً وحی کے متعلق سوال ہے آگے چل کر بخاری میں صفحہ چار سو اٹھائیس (۴۲۸) پر آوے گی۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ کتاب تو صرف کتاب اللہ ہے جو ما بین الدفتین ہے **او فهم اعطيه رجل مسلم** یہ فہم استنباط واجتہاد ہے جو حضرات مجتہدین کو حاصل تھا اور یہی آیت کریمہ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً سے مراد ہے۔

او ما في هذه الصحيفة:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کو انہوں نے اپنی تلوار کے نیام میں رکھ لیا تھا اس میں وہ احکام لکھے ہوئے تھے جو آگے آرہے ہیں۔ امام بخاری نے اپنا ترجمہ اسی جملہ سے ثابت فرمایا ہے کہ کتابۃ العلم کا وجود خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہے۔ **قال العقل** یعنی اس صحیفہ میں احکام دیات تھے کہ اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس کا کیا حکم ہے **وفكاك الاسير** اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکامات تھے کہ اگر مسلمان کو کفار قید کر لیں تو ان کا کیا جائے، آیا روپیہ دے کر چھڑا لیا جائے یا اگر ادھر کفار محبوس ہوں تو ان سے بدلہ کر لیا جائے اور اگر کفار مسلمانوں کے پاس محبوس نہ ہوں تو کیا یونہی چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے وغیرہ وغیرہ یہ مستقل مسائل ہیں جن کو امام بخاری کتاب الجہاد میں مستقل دو بابوں میں ذکر فرمائیں گے انشاء اللہ میں وہاں تفصیل سے کلام کروں گا۔ **ولا يقتل مسلم بكافر** یہ مسئلہ بھی کتاب الجہاد کا ہے وہاں امام بخاری اس پر مستقل باب باندھیں گے۔ یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے حنفیہ اور غیر حنفیہ کے درمیان۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور حنفیہ **انما بذلوا ليكون اموالهم كاموالنا ودمائهم كدمائنا** وغیرہ جیسی روایات کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت "**لا يقتل مسلم بكافر**" کافر حربی کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا تو اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا **بقتيل منهم اى من بني خزاعة قتلوا اى قتل بنو ليث قتيل بني خزاعة فضمير منهم يرجع الى بني خزاعة وضمير قتلوه الى بني ليث وضمير المفعول الى القتيل.**

Maktaba Tul Ishaat. com

ان الله حبس عن مكة القتل او الفيل قال محمد اجعلوه على الشک:

محمد کا مصداق خود امام بخاری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ القتل او الفیل اس کو شک ہی کے ساتھ رہنے دینا اس میں اصلاح نہ کرنا قال ابو نعیم القتل او الفیل وقال غیرہ الفیل یعنی میرے استاذ ابونعیم نے اسی طرح شک کے ساتھ بیان کیا تھا اور اگر چہ صحیح الفیل ہے کیونکہ ان کے علاوہ باقی سب جزم کے ساتھ اسی کو بیان کرتے ہیں۔ اب یہاں پھر وہی مسئلہ آ گیا جو میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کتاب میں غلطی خود اس لکھنے والے کی طرف سے ہو تو اس میں اصلاح کرنا جائز نہیں لیکن جب محقق طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ غلط ہے تو کیا کرے؟ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جب غلطی پر پہنچے تو یوں پڑھے الصحیح هکذا وفی الکتاب هکذا تا کہ ابتداء غلط پڑھ کر من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار میں داخل نہ ہو۔ اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ پڑھتا چلا جائے اور جب غلط پڑھ چکے تو اس کے بعد فوراً والصحیح هکذا پڑھے وسلط علیهم رسول الله ﷺ مطلب حضور اقدس ﷺ کے ارشاد مبارک کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے جابر بادشاہ ابرہہ کو جو اپنے ہاتھی لیکر کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا مکہ میں گھسنے نہ دیا بلکہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو کنکریاں دے کر سب کو ہلاک کرا دیا اس واقعہ کے ہی بیان میں سورۂ فیل نازل ہوئی مگر جناب نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو محض اپنے فضل وکرم سے ان پر مسلط فرما دیا۔

الا وانها لم تحل لاحد قبلی ولا لاحد بعدی:

یعنی خوب سن لو! یہ مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے۔ اب ممکن ہے کہ کوئی شخص یوں کہتا کہ پھر حضور اکرم ﷺ نے کیوں قتال فرمایا؟ اس لئے حضور اکرم ﷺ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں الا وانها حلت لی ساعة من نهار سن لو! جو میں نے قتال کیا تو مکہ میرے واسطے تھوڑی دیر کے لئے حلال کر دیا گیا تھا الا وانها ساعتی هذه حرام یہ اس وجہ سے کہا کہ یہ خطبہ فتح مکہ کے دوسرے دن ہوا تھا۔ یہاں ایک بات یہ سنو کہ اس میں اختلاف ہے کہ فتح مکہ صلحا ہے یا عنوۃ ہے۔ احناف کے نزدیک عنوۃ فتح ہوا ہے اور شوافع کے نزدیک صلحا فتح ہوا ہے۔

ولا تلتقط ساقطها الا المنشد:

یہ مسئلہ کتاب اللقطہ کا ہے اس کی تفصیل وہاں پر آئے گی البتہ ایک اعتراض یہاں پر یہ ہے کہ ہر شخص لقطہ کو انشاد ہی کے لئے اٹھاتا ہے لہٰذا مکی لقطہ میں یہ انشاد کی قید کیسی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ میں تعریف لقطہ بہت مشکل ہے اس لئے کہ حاجیوں کا مجمع بہت ہوتا ہے اور ان کا کہیں مستقل چند دن تک قیام بھی نہیں ہوتا۔ تو خاص طور سے انشاد کی اہمیت باقی رکھنے کے لئے ایسا فرمایا۔ فمن قتل فهو بخیر النظرین، هو کی ضمیر وارث مقتول کی طرف راجع ہے کیونکہ مقتول تو مر چکا ہے اب اس کے مخیر بین النظرین ہونے کا کیا سوال۔ خیر النظرین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وارث مقتول کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا وہ جس کو چاہے پسند کر لے ایک دیت اور دوسرے قتل۔ اسے اختیار ہے کہ چاہے قتل کر دے یا دیت لے لے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے اور کتاب الجہاد کا ہے کہ آیا اختیار صرف وارث قتیل کو ہوگا یا قاتل کو بھی اختیار ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو صرف وارث قتیل کو اختیار ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قاتل کو بھی اختیار ہے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ اولیاء مقتول دیت مانگیں اور وہ دیت دینے پر قادر نہ ہو بلکہ قتل ہونا پسند کرتا ہے یہ سوچ کر کہ کہاں

Maktaba Tul Ishaat. com

دیت کے لئے کماتا پھروں گا۔ اما ان یقتل واما ان یقاد اھل القتیل یہ خیر النظرین کی تفصیل ہے۔

فجاء رجل من اھل الیمن:

یہ آنے والے حضرت ابوشاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں تصریح ہے ان صحابی کا نام معلوم نہیں البتہ ان کی کنیت ابوشاہ ہے اکتب لی یارسول اللہ یارسول اللہ! (ﷺ) یہ گرانمایہ احکام جو آپ نے بیان فرمائے اس کو میرے واسطے لکھوا دیجئے کیونکہ خود پڑھے لکھے نہیں تھے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا اکتبوا لابی فلاں فلاں سے مراد ابوشاہ ہیں ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں اکتبوا لابی شاہ ہے یہاں بخاری کی روایت میں راوی کو نام یاد نہیں رہا۔اور یہی جملہ اکتبوا لابی فلاں امام بخاری کی غرض ہے کہ دیکھو یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے حضور اقدس ﷺ کے امر سے کتابت حدیث ہو رہی ہے۔

فقال رجل من قریش:

جب حضور اکرم ﷺ نے حرمت کے احکام بیان فرمائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا یارسول اللہ الا الاذخر یعنی اذخر کا استثناء فرما دیجئے رجل سے مراد حضرت عباس ہیں۔ فقال النبی ﷺ الا الاذخر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباس کے کہنے پر اذخر کا استثناء فرما دیا۔اب یہاں ایک مسئلہ علماء کے درمیان اختلافی یہ ہے کہ کیا حضور اکرم ﷺ کو احکام کے درمیان اختیار تھا کہ جو چاہے حکم فرما دیں اور جس سے چاہیں منع فرما دیں اور جس کو چاہیں حلال و حرام فرما دیں۔اس کے متعلق ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بالکل بھی اختیار نہ تھا ان کا استدلال آیۃ کریمہ وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی جیسی آیات سے ہے اور اس کے برخلاف ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اختیار تھا کیونکہ اگر اختیار کا نہ ہونا تسلیم کرلیں تو پھر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے پر استثناء کیوں فرما دیا؟ اور جب استثناء فرما دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ اختیار تھا ان حضرات کی دلیل حدیث پاک لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک اور باب کی یہ حدیث ہے۔رہ گئی آیۃ کریمہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے فوراً قلب میں القاء ہو گیا ہو کیونکہ وحی کی ایک قسم القاء فی الروع بھی تو ہے۔اور تیسرا مذہب توقف کا ہے کیونکہ روایات دونوں قسم کی ہیں اور متعارض ہیں۔اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ حروب میں اختیار ہے اور بقیہ احکام میں اختیار نہیں۔

حدثنا علی بن معبد:

اس سند میں وارد ہوا ہے اخبرنی وھب بن منبہ عن اخیہ اس اخ سے مراد ہمام بن منبہ ہیں اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرنے میں بہت مشہور ہیں ان کی ایک کتاب ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کے ساتھ مشہور ہے اس صحیفہ سے امام مسلم روایات نقل کرتے ہیں اور صحیفہ حیدرآباد میں بھی طبع ہو چکا ہے اور یہ مسند احمد میں بھی یکجائی ھمام عن ابی ھریرہ سے مروی ہے۔

فانہ کان یکتب ولا اکتب:

اس حدیث میں چند ابحاث ہیں ایک تو یہی فانہ کان یکتب ولا اکتب امام بخاری کی غرض بھی اسی جملہ سے ثابت ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا طریقہ یہ تھا کہ جیسے بعض مریدین مشائخ کے ملفوظات لکھ لیتے ہیں اسی طرح یہ بھی جو کچھ حضور اکرم ﷺ سے سنتے اس کو لکھ لیتے۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو ملامت کی کہ تم سب کچھ کیوں لکھتے ہو؟ کیونکہ حضور اکرم ﷺ بشر ہیں

Maktaba Tul Ishaat. com

غصہ میں بھی فرماتے ہیں خوش بھی ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس منہ سے حالت رضا وغضب میں سوائے حق کے اور کوئی بات نکلتی ہی نہیں تم سب کچھ لکھ لیا کرو۔ تو یہاں کتابت حدیث بامر رسول ﷺ ہوگئی۔ دوسری بحث یہ ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی احادیث بیان کرنے والا نہیں ہے سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ابن الجوزی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) بتلائی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بعض محدثین کے قول پر پانچ سو (۵۰۰) اور بعض کے قول پر کل سات سو (۷۰۰) ہیں تو ان کی مرویات زیادہ سے زیادہ سات سو (۷۰۰) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) پھر کس طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث زیادہ ہوئیں؟ اس کا جواب بعض علماء تو یہ دیتے ہیں کہ لکھنا اور چیز ہے اور اس لکھے ہوئے کا چل پڑنا اور چیز ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثرت سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور لوگ کثرت سے مدینہ منورہ ہی تحصیل علم کے لئے رحلت وسفر کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما طائف میں رہنے لگے تھے اور وہاں لوگ اس قدر جاتے نہیں تھے اسلئے ان سے اخذ کثرت سے نہیں ہوا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چونکہ کتب سماویہ کے عالم تھے اس لئے وہ کبھی کبھی اسرائیلیات بھی بیان کردیا کرتے تھے اس خلط ملط کی وجہ سے عام آدمی ان کی روایات کثرت سے نہیں لیتے تھے بخلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ وہ صرف احادیث رسول ﷺ ہی بیان کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اقدس ﷺ نے حفظ کی دعا فرمائی تھی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس صرف لکھی ہوئی تھیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حفظ سے خوب بیان فرماتے تھے۔ دوسرا اشکال یہاں یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا تو وہ مکان سے ایک صحیفہ نکال کر لائے جس میں احادیث تحریر تھیں اس سے پتہ چلا کہ وہ لکھا کرتے تھے لہٰذا ان کا ولا اکتب فرمانا کیسے صحیح ہوا؟ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ کس طرح پتہ چل گیا کہ وہ صحیفہ خود ان کا لکھا تھا بہت ممکن ہے کسی اور کا لکھا ہوا ہو اور وہ ان کو مل گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ولا اکتب فرمانا یہ حضور پاک ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد انہوں نے جمع کرلیں اور لکھ لیں۔

ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ:

حضور اقدس ﷺ کیا لکھتے اس کی تو کہیں تصریح نہیں ہے ہاں سیاق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ خلافت کے متعلق لکھتے کہ فلاں کو خلیفہ بنایا جائے پھر فلاں پھر فلاں کو یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور اس کے بعد دوشنبہ کی صبح آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور امام بخاری کی غرض بھی اسی جملہ سے ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مرض الوصال میں لکھنے کو قلم دوات طلب فرمایا اور حضور ﷺ جو کچھ لکھتے وہ سب حدیث ہی ہوتا لہٰذا کتابت حدیث ثابت ہوگئی۔

قال عمر ان النبی ﷺ غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا:

جب حضور اکرم ﷺ نے لکھنے کو قلم دوات طلب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو منع کردیا اور کہنے لگے کہ حضور

Maktaba Tul Ishaat. com

اقدس ﷺ کو تو تکلیف ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس ﷺ کے وزیر اور مشیر تھے خاصۃ اور دیگر امور میں دخیل تھے عامۃ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت حضور ﷺ کو تکلیف نہ دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کے جوتے لے کر جنت کی بشارت دینے چلے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راستے ہی میں ان کے سینے پر اس زور سے ہاتھ مارا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرین کے بل گر پڑے تھے یہ حضور ﷺ کے پاس شکایت کرنے چلے پیچھے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ لئے کہ حضور ایسا نہ فرمایئے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تو اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ حضور ﷺ کی حیات ہی میں حضور ﷺ کے سامنے ایسے کام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک بار ازواج مطہرات نان نفقہ طلب کر رہی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے یہ ساری ازواج آڑ میں چلی گئیں حضور پاک ﷺ مسکرائے اور فرمایا "عمر سے شیطان بھی بھاگتا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے واقعہ دریافت کر کے فرمایا: **یاعدوات انفسکن اتھبننی ولا تھبن رسول اللہ** ﷺ اور حضور اقدس ﷺ نے کچھ بھی ارشاد نہیں فرمایا لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بے ادبی کی بلکہ ان کو دلالۃ اجازت تھی اسی بنا پر انہوں نے منع فرمایا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس دن حضور اقدس ﷺ کو بہت تکلیف تھی اور تکلیف کی تیزی کی وجہ سے ڈول کے ڈول پانی کے آپ پر ڈالے جا رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تکلیف برداشت نہ ہوئی اس لئے انہوں نے منع فرمادیا کیونکہ لکھنے سے اور تکلیف ہوتی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پنجشنبہ کی شام کا ہے اور حضور اقدس ﷺ کا انتقال دوشنبہ کو ہوا تو اگر حضور اکرم ﷺ کو کچھ لکھوانا تھا تو جمعہ یا اتوار کو لکھوا دیتے کیونکہ اس دوران طبیعت مبارکہ ٹھیک ہوگئی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے خطبہ بھی دیا اور اس میں مہاجرین کے فضائل بیان فرمائے اور انصار کے متعلق بیان فرمایا کہ ان کے محسنین کے ساتھ اچھا معاملہ کریں اور انکے مسیئین سے تجاوز کریں اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قلم دوات لاؤ کچھ لکھدوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور زبان مبارک سے فرمادیں اس کو یاد کرلوں گا لکھنے کی ضرورت نہیں تو اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقول روافض بے ادبی کی تو ادھر بھی تو بے ادبی ہوئی۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے صحاح کی نہیں۔ اور پانچواں جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ہی کے متعلق لکھوانا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کچھ لکھوانے کا خیال ہی نہیں تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری جلد ثانی میں صفحہ ایک ہزار بہتر (۱۰۷۲) پر ایک روایت آ رہی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنه فاعهدا ن یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المومنون** الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی خلافت لکھوانی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو گویا رافضیوں کا بھلا کیا کہ حضور ﷺ کو لکھنے سے منع کردیا اگر لکھ دیتے تو یہ پھر یہ حکم قطعی ہو جاتا اور رافضیوں کو کوئی چارہ کار ہی نہ رہتا۔

فخرج ابن عباس یقول۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خروج حضور اقدس ﷺ کے پاس سے نہیں تھا بلکہ مراد وہ جگہ ہے جہاں حدیث بیان کر رہے تھے جب یہاں تک پہنچے تو **ان الرزیۃ کل الرزیۃ** کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے لکھنے دیا ہوتا

Maktaba Tul Ishaat. com

تو پھر حضور اکرم ﷺ ترتیب لکھ دیتے پھر واقعہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صفین و جمل ہی نہ پیش آئے ہوتے۔

باب العلم و العظة بالليل

اس علم میں سبق، تکرار، تقریر، مطالعہ سب ہی داخل ہے اور عظۃ کے معنی نصیحت کے ہیں۔ چونکہ ایک حدیث میں عشاء کے بعد نوم سے قبل و بعد بات کرنے کی ممانعت ہے تو یہاں سے ان اشیاء کا استثنا کرتے ہیں کہ ان کی ممانعت نہیں ہے میں اس باب پر مزید کلام اگلے باب میں کروں گا۔ سبحان الله مـا انـزل الليلة من الفتن و ماذا فتح من الخزائن حضور اقدس ﷺ کو یہ مکشوف ہوا کہ کثرت سے فتن نازل ہوئے اور خزائن کے متعلق بھی کشف ہوا تو اس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیونکہ جب فتن ظاہر ہوئے تھے تو اس کے ساتھ خزائن کا ظہور ضرور ہوا ہوگا۔ فـان مـع الـعسـر يسرا ايقظوا صواحب الحجر صواحب حجرات کو جگا دو کیونکہ یہ وقت قبولیت دعا کا ہے فتن سے بچنے کی دعا کریں۔ یہاں انـزل الليلة الخ تو علم کے اندر داخل ہے اور ايـقـظوا صواحب الحجر الخ اس کی مناسبت العظة سے ظاہر ہے تو باب کے دونوں جزء سے مناسبت ہوگئی۔

فرب كاسية في الدنيا عارية في الاخرة:

کاسیہ کے معنی کپڑا پہننے والی چونکہ ثوب بول کر بعض مرتبہ اس سے عمل و تعلق مراد لیا جاتا ہے اور عام طور سے عرب میں بولا جاتا ہے۔ سبعہ معلقہ میں ہے:

ان تک قـد سـاء تک مـنـی خـلـيـقـة

فـسـلـی ثـيـابـی مـن ثـيـابک تـنـسـلـی

تو یہاں ثیاب سے مراد تعلق ہے اب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں عمل کرنے میں خوب آگے آگے ہوتی ہیں وہ آخرت میں اعمال سے ننگی ہوں گی کیونکہ وہ اپنی عادت کے مطابق چغل خوری، غیبت، گالی گلوچ، اور جہالت کے سینکڑوں کام کرتی ہیں اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہنتی ہیں وہ شرعا معتبر نہیں ہوتا مثلا اندر سے بدن اس میں نظر آتا ہے تو ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ بہت سے دنیا میں اعمال کرنے والے آخرت میں اس کے اجر سے خالی ہوں گے اس لئے کہ ان اعمال میں اخلاص نہ ہوگا ریاء سے کیے ہونگے۔

باب السمر في العلم

یہ باب اور باب سابق بظاہر ایک معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سـمـر فی العلم بھی تو عظة بالليل ہے اس لئے حافظ کی رائے یہ ہے کہ باب اول سے عـظـة بـالـلـيل بعد الاستيقاظ من النوم ثابت فرمایا ہے اور اس باب سے عـظـة قبل النوم ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ دونوں وقت ہو سکتا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ ابھی قریب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گزری ہے يـتـخـولـنـا بالموعظة كراهة السآمة علينا اور باب اول کی روایت میں عظة بعد الاستيقاظ ہے اور جاگنے کے بعد طبیعت کسل مند ہوا ہی کرتی ہے تو باب سابق سے تنبیہ فرما دی کہ اگر سآمة نہ ہو اور طبیعت ہشیار ہو تو بعد الاستيقاظ عظة میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس دوسرے باب کی غرض یہ ہے کہ حدیث میں ہے حضور اقدس ﷺ نے عشاء کے بعد بات چیت اور سمر سے منع فرمایا ہے اور قرآن پاک میں ہے سـامـرا

Maktaba Tul Ishaat. com

تھجرون تو اس باب سے اشارہ فرمادیا کہ سمر بالعلم نہی میں داخل نہیں۔ سمر وہ باتیں کہلاتی ہیں جو رات میں کی جائیں۔

فان راس مأة سنة منها لایبقی ممن ھو علی ظھر الارض احد:

اس روایت کو جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سنا تو یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ انقضائے قرن مراد تھا۔ اب اس روایت کی وجہ سے محدثین کی رائے یہ ہے کہ جو شخص ۱۱۰ھ کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا صوفی ہو چاہے خواجہ رتن ہندی ہی کیوں نہ ہوں مگر بڑی مشکل صوفیا کو ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور یہ روایت اس کے خلاف ہے چنانچہ محدثین تو حیات خضر علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں اور صوفیا اثبات کرتے ہیں اور اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام وجہ ارض پر تھے ہی نہیں بلکہ سمندر وغیرہ میں تھے اور بڑی مشکل صوفیائے محدثین اور محدثین صوفیا کو ہے وہ کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زندہ نہ رہے گا اور علامات قیامت میں یہ ہے کہ جب دجال کا ظہور ہوگا ایک آدمی اس وقت حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے گا اور وہ آدمی حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے لہٰذا حکم قطعی نہیں لگاتے۔

بت فی بیت خالتی میمونة:

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں ان کو یہ شوق پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری میں ان کے یہاں تشریف لاویں گے تو یہ اپنی خالہ کے یہاں سوئیں گے اور دیکھیں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری آئی تو یہ جا کر سو رہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کچھ رات گئے اٹھے اور نماز شروع فرمادی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھے اور وضو کر کے نماز میں شریک ہو گئے مگر غلطی سے بائیں طرف کھڑے ہو گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کان پکڑ کر پیچھے سے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ ثم قال نام الغلیم غلیم غلام کی تصغیر ہے یہاں سوال یہ ہے کہ سمر بالعلم کہاں اور کس لفظ حدیث سے ثابت ہوا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نام الغلیم سے ثابت ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوا کہ کسی کو تصغیر کے ساتھ پکارنا جائز ہے اور یہ تحقیر پر دال نہیں تاکہ مذموم و ممنوع ہو۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل فصلی اربع رکعات سے ترجمہ ثابت ہو گیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جیسے سمر فی العلم میں داخل ہیں ایسے ہی افعال بھی سمر فی العلم میں داخل ہیں۔ اور میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے تشحیذ اذہان کے لئے خاص طور سے حدیث میں اختصار فرمایا ہے ورنہ بخاری جلد ثانی میں صفحہ چھ سو ستاون (٦٥٧) پر یہی حدیث ہے اس میں تصریح ہے کہ فتحدث مع اھلہ ساعة اس جملہ سے صاف طور پر ترجمہ سے مناسبت ہو گئی حتی سمعت غطیطه او خطیطه یہ اوشک کے لئے ہے۔ غطیط اور خطیط سونے والے کی آواز کو کہتے ہیں۔

باب حفظ العلم

شراح نے اس کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ اب تک علم کی فضیلت و تاکید مذکور تھی اب اس کے حفظ پر تاکید فرماتے ہیں لیکن میری

Maktaba Tul Ishaat. com

رائے یہ ہے کہ یہاں تاکیداً حفظ کے لئے باب نہیں باندھا گیا کیونکہ یہ تاکید تو ماقبل کی احادیث سے بھی مفہوم ہو رہی ہے بلکہ اس باب سے اس حفظ کے اسباب بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ہمہ تن علم میں لگ جائے۔ کیونکہ تمام دھندوں کو چھوڑ کر علم میں لگ جانے سے ہی علم آتا ہے جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حضور اکرم ﷺ پر تمام چیزیں قربان کر کے ہمہ تن لگ گئے تھے۔ ان الناس یقولون اکثر ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ روایات بیان فرماتے ہیں اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ولو لا ایتان فی کتاب اللہ ماحدثت حدیثاً فقط یعنی قرآن کی دو آیتیں جن سے کتمان علم کی وعیدیں معلوم ہوتی ہیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بھی نہ بیان کرتا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان اخواننا من المھاجرین یعنی یہ لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ ہم علم میں مشغول رہتے تھے اور مہاجرین صفق بالاسواق اور انصار اپنی کشت زار میں رہا کرتے تھے پھر وہ حدیثیں کس طرح یاد کر لیتے اور یہاں پیٹ بھر روٹی ہی پر پڑے رہتے تھے۔ اور بات بھی یہی تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو حدیثیں یاد کرتے تھے حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرما رکھا تھا کہ وتر پڑھ کر سو جایا کریں۔

و ان اباھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یلزم رسول اللہ ﷺ بشبع بطنہ:

عرف عام میں کسی شے کو کثرت سے کرنے کو شبع بطن سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں ''باتیں کرتے کرتے پیٹ بھر گیا'' یعنی بہت باتیں کیں اسی کثرت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شبع بطن سے تعبیر کر رہے ہیں۔ علماء نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ مجھے نہ کسی تنخواہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی وظیفہ وغیرہ کی بس روٹی پیٹ بھر کر دوسرے تیسرے دن مل جائے یہ کافی تھا یہ مطلب تو عام ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس لئے لازم پکڑا تھا کہ پیٹ بھر کر علم حاصل کروں یہ نہیں کہ اس سے غفلت برتوں۔ اور اس کی تائید اس خواب سے ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ میں نے پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ تو یہاں بھی شبع بطن سے مراد شبع بطن من العلم ہے۔

فمانسیت شیئا بعد:

یہی روایت کتاب البیوع میں صفحہ دو سو پچھتر (۲۷۵) پر آرہی ہے اور اس میں ہے فما نسیت من مقالۃ رسول اللہ ﷺ تلک من شیئ تو اب کہنا یہ ہے کہ روایۃ الباب کا ظاہر یہ ہے اس دعا کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر کچھ نہیں بھولے اور اس کتاب البیوع والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس وقت جتنا کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے تو یہاں پر دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا، بعض لوگوں نے تو اس کو تعدد واقعہ پر محمول کیا۔ اور کہا یہ دونوں دو واقعے ہیں مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ دونوں کا سیاق ایک ہے جو تو حد واقعہ کو مقتضی ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ کتاب البیوع والی روایت میں من مقالۃ رسول اللہ ﷺ میں جو ''من'' ہے وہ اجلیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی اس دعا کی برکت کے سبب پھر میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا۔ اب جبکہ کتاب البیوع والی روایت کو کتاب العلم والی روایت کی طرف راجع کیا گیا تو یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار حدیث لا یورد ممرض علی مصح بیان کی تو ان کے شاگرد ابو سلمہ نے کہا اب تم یہ کہہ رہے ہو اور اس سے پہلے لا عدوی و لا طیرۃ حدیث بیان فرمائی تھی تو آپ نے فرمایا مجھے یاد نہیں ہے۔ تو یہاں یاد سے نفی کر دی ہے۔ محدثین

Maktaba Tul Ishaat. com

اس روایت کو ''نسی بعد ماحفظ '' کی مثال میں پیش فرماتے ہیں اور محدثین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کی دعا کے بعد کوئی روایت نہیں بھولے سوائے اس حدیث کے۔ بہر حال اس اعتراض کا جواب ان لوگوں کے قول پر جو تعدد واقعہ کے قائل ہیں۔ یہ ہے کہ ممکن ہے یہ روایت حضور ﷺ کے اس مقالہ میں نہ ہو۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ کتاب العلم کی روایت کو کتاب البیوع کی طرف راجع کیا جائے اور وہ مطلب بیان کیا جائے جو کتاب البیوع کی روایت سے متبادر ہے اور اگر اس کو کتاب العلم کی روایت کی طرف راجع کیا جائے جیسا کہ میرے والد صاحب کی رائے ہے تو اس صورت میں جواب یہ ہوگا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بھولے ہوں بلکہ ابو سلمہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی اور ان کے شاگرد ہیں خود وہی بھول گئے ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہو اور اس کی نسبت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کردی ہو۔ میرے نزدیک یہی زیادہ اقرب ہے۔ اور ایک تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بھولے نہیں تھے بلکہ جب شاگرد کو دیکھا کہ کم فہم ہے اور روایات میں ٹکراؤ کرتا ہے تو انکار کردیا کہ جا میں نے نہیں بیان کیا تھا۔

حفظت عن رسول الله ﷺ وعائین:

میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے دو برتن بھر علم یاد کئے فاما احدهما فبثثته ان دونوں برتنوں میں سے ایک کو میں نے پھیلا دیا۔ یہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھیلایا یہ علم الحلال والحرام تھا۔ واما الاخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم اور دوسرے برتن کو اگر میں پھیلا دوں تو یہ بلعوم کاٹ دی جائے۔

قال ابو عبدالله البلعوم مجری الطعام:

ابو عبداللہ سے مراد خود امام بخاری ہیں۔ بلعوم مجری الطعام حلق کو کہتے یں۔ اس کے مصداق میں حضرات محدثین کا اختلاف ہے کہ وہ دوسرا علم کیا ہے؟ علماء تصوف کی رائے ہے کہ یہ علم الاسرار اور علم الباطن ہے اور چونکہ یہ علوم فہم عامہ سے بالاتر ہوتے ہیں اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بیان نہیں فرمایا اور علماء محدثین کی رائے ہے کہ یہ علم الفتن ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی طرف کہیں کہیں اشارہ بھی فرمایا ہے خود بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا هلاک امتی علی ایدی غلمة من قریش اور فرمایا کہ لو شئت ان اقول بنی فلان وبنی فلان لفعلت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض روایات میں یہ دعا منقول ہے کہ اے اللہ! مجھے ۶۰ھ سے پہلے پہلے اٹھا لے اسی ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ کی حکومت قائم ہوئی۔ ایک بار کسی صحابی نے حدیث بیان کی کہ ایک بادشاہ بنی قحطان میں سے ہوگا سیکون ملک من قحطان تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ جو لوگ ایسی ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ لوگ ایسی روایات جو الائمة من قریش کے خلاف ہیں اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ امارت میرے ہاتھوں سے چھن جائے حالانکہ روایت صحیح ہے اور قرب قیامت کے متعلق ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان کے خوف سے کتمان علم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ علوم علوم الاحکام علوم الحلال والحرام نہیں ہیں جس سے غرض عامہ متعلق ہو لہٰذا یہ اس کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ علم ان کی افہام سے بالاتر ہے۔ اب مثلاً علم الاسرار ہے اس کے متعلق ایسے شخص سے بیان کرنا

Maktaba Tul Ishaat. com

جو اس سے ناواقف ہوا ایسا ہی ہے جیسا کہ بچہ باپ سے پوچھے کہ شادی کس لئے کی جاتی ہے۔ اسی لئے علماء سلوک نے لکھا ہے کہ عوام کے سامنے تصوف کے حقائق وغیرہ کا افشانہ کرنا چاہئے۔

باب الانصات للعلماء

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب سے ادب بیان کرنا ہے کہ متعلم کو چاہئے کہ استاذ کے سامنے ادب سے خاموش رہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ طریق حفظ بیان کرر ہے ہیں کہ علم کس طرح محفوظ کیا جاتا ہے اور کس طور پر حاصل ہوتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب استاذ کچھ بیان کرے تو پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتوں کو سنے تاکہ کوئی بات سننے سے باقی نہ رہے اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ دوسری روایت میں ہے **لاتقطع علی الناس کلامهم** تو اس سے انصات کی مخالفت معلوم ہوتی تھی تو حضرت امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت کسی کے کلام کو قطع نہ کیا جائے اور کسی کو علم کے واسطے خاموش کرنا اس کے اندر داخل نہیں اور **بشر وا ولا تنفروا** کے بھی خلاف نہیں بلکہ اگر عالم کوئی بات کہہ رہا ہو تو لوگوں کو اس کے سننے کے لئے خاموش کیا جاسکتا ہے۔ اس سے اجلال العلماء معلوم ہوا اور باب کی غرض تعظیم علماء ہوئی۔

قال له فی حجة الوداع:

شراح کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر جو لہ آیا ہے یہ غلط ہے کیونکہ یہ ضمیر راجع ہے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اور وہ حضور اقدس ﷺ کی وفات سے دو ماہ قبل مسلمان ہوئے لہٰذا حجۃ الوداع میں موجود نہیں ہوسکتے تو ضمیر ان کی طرف کیسے راجع ہوگی۔ حافظ فرماتے ہیں کہ جہاں یہ مروی ہے کہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کی وفات سے دو ماہ قبل اسلام لائے ہیں وہیں یہ بھی مروی ہے کہ وہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں اسلام لائے تھے نیز بخاری میں صفحہ چھ سو بتیس (۶۳۲) پر ایک حدیث آرہی ہے اس میں بجائے **له** کے **لجریر** واقع ہوا ہے۔ استنصت الناس لوگوں کو خاموش کردو۔ یہی مقصود بالترجمۃ ہے۔ **فقال لا ترجعوا بعدی کفارا**۔ جب جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو خاموش کردیا تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کافروں کے مثل مت ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹتے پھرو جس طرح وہ آپس میں کرتے ہیں۔

قال محمد صدق رسول الله صلی الله علیه وسلم:

اس کا ایک یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بالکل درست فرمایا۔

ہم نے خوب خوب خونریزیاں کیں۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

باب ما یستحب للعالم:

باب کی روایت گزر چکی۔ ترجمۃ الباب پر کلام یہاں باقی ہے۔ باب کا مطلب اور غرض یہ ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ کون اعلم ہے تو **الله اعلم** یا **فوق کل ذی علم علیم** کہہ دے یہ نہ کہے کہ لوگوں کی نظر مجھ پر ہی پڑتی ہے۔ جیسے کسی گیدڑی سے اس کے بچے نے پوچھا کہ اماں پری کسے کہیں؟ تو اس نے کہا چپ چپ! لوگوں کی نگاہ مجھ ہی پر ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ

Maktaba Tul Ishaat. com

علماء میں کبر زیادہ ہوتا ہے اسلئے امام بخاری تنبیہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بڑا علامہ نہ سمجھے جبکہ اللہ نے اتنے بڑے نبی کے متعلق یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو اعلم کہیں تو اوروں کا کیا منہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے **فوقع علی حرف السفینة فنقر نقرة او نقرتین** شراح کی رائے یہ ہے یہاں او شک راوی ہے اور میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ او تنویع کے لئے ہے اور نقرتین سے دوعلم مراد ہیں ایک علم موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا خضر علیہ السلام کا۔

باب من سأل وهو قائم:

یوں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھڑے کھڑے کسی بیٹھے ہوئے عالم سے مسئلہ دریافت کرے تو جائز ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ پہلے باب میں **بروک عندالمحدث** گزرا ہے اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت **فبرک عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ **علی رکبتیه** بھی گزری ہے تو امام بخاری نے یہاں یہ باب ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ **بروک عندالمحدث** واجب نہیں بلکہ ادب اور مستحب ہے لہٰذا اگر ضرورت پڑنے پر کھڑے کھڑے مسئلہ پوچھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات میں اس پر وعید وارد ہے کہ کوئی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوں چنانچہ ارشاد ہے **لاتقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضها بعضا** تو امام بخاری نے اس ممانعت کو اس سے مستثنیٰ فرمادیا۔

باب السوال والفتیا عند رمی الجمار

یعنی رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور فتویٰ پوچھنا جائز ہے اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث میں ہے **انما السعی والرمی والطواف لذکر الله تعالیٰ** او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ رمی کے وقت سوال نہ کرے اور فتویٰ نہ پوچھے کیونکہ یہ مخل بالذکر ہوگا۔ اس لئے امام بخاری نے تنبیہ فرمادی کہ اس وقت میں سوال وفتیا جائز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کی یہ غرض اس باب کے زیادہ مناسب ہے جو صفحہ دوسو چونتیس (۲۳۴) پر آرہا ہے اور وہاں پر امام بخاری نے یہی حدیث دوبارہ ذکر فرمائی ہے۔ اس لئے کہ اگر یہاں (کتاب العلم میں) یہ غرض مان لی جائے تو اس وقت یہ مسئلہ کتاب الحج کا ہوجائے گا کتاب العلم کا نہ رہے گا اور چونکہ کتاب الحج میں یہ مسئلہ مستقل آرہا ہے اس لئے پھر وہ مکرر ہوجائے گا اس لئے میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری ابوداؤد شریف کی حدیث **انما السعی والرمی** پر بحیثیت کتاب العلم کے تنبیہ فرمارہے ہیں کہ علم کا مرتبہ ذکر اللہ سے مقدم ہے لہٰذا اگر کوئی رمی جمار وغیرہ کے وقت مسئلہ پوچھے تو ذکر قطع کرکے جواب دیدے بعض جاہل صوفیہ کی طرح نہیں کہ سورج تو طلوع ہونے والا ہے اور وہ اپنے اوراد میں مشغول ہیں اب اگر ان سے کوئی وقت پوچھتا ہے تو زبان سے تو جتلاتے نہیں انگلی سے اشارہ کرتے ہیں حالانکہ وظیفہ وغیرہ کے دوران میں مسئلہ وغیرہ بتلانے سے وظیفہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

باب قول الله تعالیٰ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں علم قلیل دیا گیا ہے تو اپنے آپ کو بڑا علامہ مت سمجھو بلکہ علم کو اللہ کی طرف سپرد کردینا چاہئے یہ تو شراح کی رائے ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس باب کی یہ غرض نہیں کیونکہ یہ غرض تو باب سابق **مایستحب للعالم اذا سئل الخ** کی ہے اس لئے میرے نزدیک اس باب کی غرض ایک دیوبندی مسئلہ کو ثابت کرنا ہے وہ یہ کہ حضور

Maktaba Tul Ishaat. com

اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے کیونکہ ما اوتیتم کے خطاب میں حضور اکرم ﷺ بھی داخل ہیں یہاں یہ نہیں فرمایا قل ما اوتیتم کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا مرتبہ بہر حال اللہ کے بعد ہے لہذا عالم الغیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور باقی جتنے لوگ ہیں خواہ انبیاء ہوں، اولیاء ہوں کسی کو بھی علم غیب نہیں ہے۔

وهو يتو كأعلى عسيب معه:

لاٹھی لینے کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں سانپ وغیرہ بہت ہوتے تھے اور ممکن ہے کہ نماز میں سترہ وغیرہ کی ضرورت کے لئے یا استنجاء کے لئے ڈھیلا وغیرہ توڑنے کی وجہ سے ساتھ لے رکھی ہو۔ فلما انجلى عنه یعنی جب حضور اکرم ﷺ سے غشیان الوحی دور ہوگئی۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یعنی روح عالم امر کی چیزوں میں سے ہے تم اس پر مطلع نہیں ہو سکتے اور اس کی حقیقت سے تم کو واقفیت نہیں ہو سکتی، یہاں ایک بات سنو ایک عالم امر ہے اور ایک عالم خلق۔ امام بخاری کتاب التوحید میں اس پر مستقل باب قائم فرمائیں گے اس میں اختلاف ہے کہ عالم خالق و عالم امر کیا ہے؟ مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ عرش سے اوپر عالم امر ہے اور اس کے نیچے عالم خلق ہے قال الاعمش هكذا فى قراء تنا یعنی وما اوتوا من العلم الا قليلا مگر ہماری قرأت وما اوتيتم ہے اور اسی کو امام بخاری نے باب میں ذکر فرمایا ہے۔

باب من ترک بعض الاختیار

اس باب سے یہ بیان کرنا ہے کہ علماء اور اکابرین بعض مرتبہ پسندیدہ اشیاء کو اس وجہ سے ترک کر دیتے ہیں کہ عوام کے اذہان وہاں تک پہنچ نہ سکیں گے چاہے وہ بات مستحب ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے کسی گمراہ کن عقیدہ میں مبتلا ہو جائیں تو یہ کتمان علم میں داخل نہیں ہوگا۔ میں اس باب پر مزید کلام اگلے باب میں پہنچ کر کروں گا عن الاسود قال لى ابن الزبير كانت عائشة تسر اليك اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں تو دیکھو چونکہ حضرت اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ زیادہ ذہین تھے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے وہ بہت سی باتیں بیان فرمایا کرتی تھیں جو ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں بیان فرمائیں حتی کہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ خالہ جان تم سے کثرت سے چپکے چپکے کچھ کچھ فرمایا کرتی تھیں کیا کعبہ کے متعلق بھی کچھ ارشاد فرمایا ہے؟ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب کوئی طالب علم لائق ہوتا ہے تو وہاں اولاد وغیرہ کو نہیں دیکھا جاتا، یہ ایک ضمنی بات ہے اس کا ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں۔

لولا ان قومک حديث عهدهم:

یعنی اگر تمہاری قوم کے لوگ حدیث الاسلام نہ ہوتے اور یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ کعبہ کو توڑنے سے اعتراض کریں گے کیونکہ ان کے دلوں میں اس کی عظمت بہت زیادہ ہے تو میں کعبہ کو توڑ کر از سر نو تعمیر کرتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا اور اس کی چوکھٹ زمین سے ملا دیتا تو حضور اکرم ﷺ کو کعبہ اس طرح سے بنانا پسند تھا مگر لوگوں کی نادانی کا لحاظ کر کے حضور ﷺ نے اس کو ترک فرمایا۔ قال ابن الزبير بكفر اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک ہی بیان کیا تھا کہ

Maktaba Tul Ishaat. com

حدیث عهدهم تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ بکفر خود فرمادیا یہ بتلانے کے لئے کہ میں بھی اس حدیث کو جانتا ہوں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسود رحمۃ اللہ تعالی نے صرف یہاں تک حدیث بیان کی اور پھر آخر تک تمام حدیث ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھدی۔

ففعله ابن الزبير:

چونکہ حضور اقدس ﷺ کی یہ تمنا تھی اور ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ کی یہ تمنا معلوم تھی اس لئے جب ان کی امارت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی منشا کے مطابق اس کو بنادیا۔ اگرچہ لوگوں نے انکے زمانے میں بھی چہ مگوئیاں کیں مگر چونکہ اسلام پختہ ہو چکا تھا کچھ نہ ہوا۔ جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کر دیئے گئے تو حجاج نے عبدالملک کے زمانے میں یہ سوچ کر کہ ہمیشہ کے لئے یہ بات رہ جائے گی کہ یہ کعبہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنایا ہوا ہے اس لئے اس کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ یہ بدعت ہے ہم تو اس کو حضور ﷺ ہی کی بناء پر رکھیں گے یہ سوچ کر حطیم کو توڑ کر نکال دیا اور ایک دروازہ بند کر دیا اور پہلے کی جگہ دوسرا باقی رکھا اور اس کو اوپر کر دیا۔ یہ روایت اور بھی کئی جگہ مفصل آئے گی۔

باب من خص قوم دون قوم

یہ باب اور باب سابق من ترک بعض الاختیار الخ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے کہ یہاں پر و کراهية ان لا يفهموا ہے اور وہاں پر ان یقصر فهم بعض الناس اسی لئے میں نے وہاں یہ کہا تھا کہ باب سابق میں اس پر مزید کلام کروں گا بہر حال یہاں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اس باب اور باب سابق میں فرق کیا ہے؟ حافظ ابن حجر اور دوسرے شراح حدیث کی رائے تو یہ ہے کہ وہ باب افعال کے متعلق ہے اور یہ باب اقوال کے متعلق ہے اور میرے نزدیک پہلے باب کی غرض یہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ افعال کے قبیلہ سے ہو یا اقوال کے قبیلہ سے اگر لوگوں کے نہ سمجھنے کے خوف سے ترک کر دی جائے تو یہ جائز ہے تو باب اول قول وفعل دونوں کو شامل ہے اور اس باب کی غرض یہ ہے کہ اگر استاذ کسی ذہین وفطین شاگرد کو کوئی خاص وقت دیدے یا کسی خاص جماعت کو کوئی خاص وقت عنایت فرمادے کہ وہ اس وقت استفادہ کرایا کریں تو یہ جائز ہے اور تخصیص علم اور کتمان علم میں داخل نہیں۔ اور دوسروں کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو مجلسیں تھیں ایک عمومی اس میں ہر کوئی بیٹھ سکتا تھا دوسری خصوصی اس میں وہ لوگ شریک ہو سکتے تھے جو حافظ ہوں اور بعض علماء کی رائے ہے کہ باب اول تو ذکی وغبی میں فرق کرنے کے لئے تھا اور یہ باب شریف ورذیل میں تفریق کرنے کے لئے منعقد فرمایا ہے مگر میرے نزدیک یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اکثر علماء موالی اور عتقاء تھے سارے سادات ہی نہیں تھے تحبون ان یکذب الله ورسوله اس لئے کہ جب ان کے فہم سے اونچی بات ہوگی تو وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول نے نہیں کہی۔

حدثنا عبيدالله بن موسىٰ:

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کی سند بیان فرمارہے ہیں۔ لبیک یا رسول الله وسعدیک ثلثا۔ یہ تین بار تکرار تنبیہ کے واسطے فرمایا تاکہ بالکلیہ متوجہ ہو جائیں جیسے میں بھی کبھی کرتا ہوں۔ تو یہاں پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذہین سمجھا اس لئے ان کو خصوصیت سے فرمایا عام لوگوں سے ارشاد نہیں فرمایا واخبر بها معاذ عند موته تاثما. یعنی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

Maktaba Tul Ishaat. com

بخوف اثم اور یہ سوچ کر کہ اگر میں نے بیان نہ کیا تو یہ حدیث میرے ساتھ ہی چلی جاوے گی بوقت موت بیان فرمادی من لقی الله لایشرک به شیئا دخل الجنة یہ مستدل ہے مرجیہ کا کہ ایمان کے بعد کسی قول وفعل کی ضرورت نہیں۔ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حرمه الله علی النار میں حرمت مقید ہے خلود کے ساتھ نہ کہ دخول کے ساتھ لہٰذا اہم پر کوئی اشکال نہیں۔ اور میری رائے ہے کہ اگر کوئی آخر وقت میں خالص دل سے لا اله الا الله کہہ لے گا تو اسے جنت ملے گی اور جہنم اس پر حرام ہو جائے گی اور حدیث البطاقة کا میرے نزدیک یہی محمل ہے۔

باب الحياء فى العلم

کتاب الایمان میں حیاء کو شعب الایمان سے شمار فرمایا ہے۔ اب یہاں تنبیہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ حیاء شعب ایمانیہ میں سے ہے مگر علم میں حیاء محمود نہیں یہ شراح کی رائے ہے اور میرے مشائخ کی رائے ہے کہ حیاء ہر جگہ محمود ہے مگر علم میں اس کو مانع نہ ہونا چاہئے۔

قال مجاهد لا يتعلم العلم مستحى:

یہ وہ ہوا کہ علم میں حیاء نہ ہونی چاہئے۔

فغطت ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعنى وجهها وقالت يارسول الله! اوتحتلم المرء ة:

یہ وہ ہوا جو مشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حیا کی اور منہ چھپایا مگر یہ حیا مانع نہیں ہوئی۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ان کا یہ سوال اس وجہ سے تھا کہ یہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ہیں اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن احتلام سے پاک ہیں۔ لیکن یہ وجہ بیان کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس سے قبل ایک اور کے یہاں رہ چکی تھیں لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ ان کے سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کو احتلام بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ بعض فلاسفہ نے تو اس تک کا انکار کیا ہے کہ عورت کو منی ہوتی ہے بلکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک قسم کی لزوجت رحم میں ہوتی ہے جب مرد کی منی رحم میں پہنچتی ہے تو اس لزوجت سے چپک جاتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض فلاسفہ کی رائے ہے کہ منی تو ہوتی ہے مگر احتلام نہیں ہوتا لیکن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو احتلام بھی ہوتا ہے البتہ ان میں مردوں کی بہ نسبت کم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں برودت زیادہ ہوتی ہے اور مردوں میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فم رحم منکوس ہوتا ہے بخلاف مرد کے کہ اس کا آلہ سیدھا ہوتا ہے چونکہ اس کا فم رحم منکوس ہوتا ہے اس لئے وطی عورت کی ٹانگ اٹھا کر کرنی چاہئے اس سے عورت کو بھی لذت خوب آئے گی اور یہ بچہ پیدا کرنے میں بھی معین ہے اس لئے کہ جب ٹانگیں اٹھائے گا تو رحم کا منہ پیشاب گاہ کے قریب آ جائے گا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے مسائل کو حل فرمادیا۔

فبم يشبهها ولدها:

یعنی اگر اس کو منی نہیں ہوتی تو پھر لڑکا کبھی ماں کے اور کبھی باپ کے کیوں مشابہ ہوتا ہے کیونکہ اگر منی صرف باپ کے ہوتی ہے تو اولاد باپ کے ہی مشابہ ہونی چاہئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لڑکا کبھی باپ اور کبھی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی منی سابق ہو جائے اسی کے مشابہ ہوتا ہے یہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے اور مسلم کی

Maktaba Tul Ishaat. com

روایت میں ''غلبہ'' کا ذکر ہے وہ روایت جہاں آئے گی وہاں دونوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔ اطباء نے ایک اصول لکھا ہے کہ عورت صحبت کے وقت جس کا خیال کرے بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ ان من الشجر شجرة یہ روایت پہلے گزر چکی۔

باب من استحییٰ فامر غیرہ بالسوال

یہاں حضرت امام بخاری ایک درجہ اور نیچے اتر گئے کہ آدمی کو بعض مرتبہ کوئی حیاء کسی خاص عذر کی بناء پر اگر لاحق ہو تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سے اس کے متعلق سوال کرائے اس صورت میں باب سابق کی جو غرض میں نے بتائی تھی اس پر یہ باب بطور تکملہ کے ہوگا۔

کنت رجلا مذاءً:

جب آدمی میں قوت شہوت زیادہ ہوتی ہے اور حرارت بھی ہو تو ذرا سی حرکت سے مذی خارج ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت مشہور ہے یہ کثیر المذی تھے جب بھی گھر میں جاتے کوئی صورت پیش آتی تو مذی خارج ہوتی اور یہ اس کو منی کی طرح موجب غسل سمجھ کر غسل کرتے۔ انہوں نے یہاں تک غسل کیا مروی ہے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے سبب ان کی پیٹھ پھٹ گئی تھی تو انہوں نے اس کے متعلق دریافت فرمایا اب یہ کہ کیسے دریافت کیا؟ اس کے متعلق صحیحین وسنن وغیرہ میں تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔ امرت المقداد، امرت عمارا، سالت ، اس اختلاف روایات کی توجیہ میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم حضور اکرم ﷺ سے پوچھ لو اس لئے کہ ایسے مسائل میں خسر سے سوال کرنے میں داماد کو حجاب ہوتا ہے۔ ان حضرات نے ایسی مجلس میں پوچھا جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ اس لئے وہ کبھی سوال کرنے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں کیونکہ آمر تھے اور کبھی ان دونوں حضرات کی طرف کہ انہوں نے سوال کیا تھا چکی کا پاٹ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا لیکن انہوں نے دریافت کرنے میں جلدی نہ کی پھر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا لیکن بعد میں اس خیال سے کہ میرے ساتھ بعض احکام خاص ہیں جیسے کہ جنابت کی حالت میں انہیں مسجد سے گزرنے کی اجازت بھی تھی اس بناء پر انہوں نے از خود سوال کیا۔

باب ذکر العلم والفتیافی المسجد

چونکہ مسجد میں شور کرنے کی ممانعت ہے اور رفع صوت سے منع کیا گیا ہے اور فتوی دینے اور درس دینے میں شور ہوتا ہے اس لئے امام بخاری افتاء وتعلیم فی المسجد کو اس نہی سے مستثنیٰ فرما رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ اگر مسجد میں علمی مباحث میں رفع صوت ہو تو جائز ہے کوئی حرج نہیں .قال ابن عمر یزعمون ان رسول اللہ ﷺ قال ویھل اھل الیمن من یلملم یعنی مجھے تو یاد نہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ویھل اھل الیمن من یلملم فرمایا۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ یلملم ہم ہندوستانیوں کا بھی میقات ہے۔ جہاز یمن کی سرحد کو گزرتا ہے جب وہ موقع قریب آتا ہے تو جہاز ایک لمبی سیٹی دیتا ہے۔

باب من اجاب باکثر مما سالہ

چونکہ فصاحت اور بلاغت کی خوبی یہ شمار کی جاتی ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ جواب علی وفق السوال

Maktaba Tul Ishaat. com

ہونا چاہئے اور زیادتی علی الجواب خلاف قاعدہ ہے تو امام بخاری نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرمادیا کہ اگر ضرورت کی بناء پر زیادتی ہوجائے تو جائز ہے۔ اور قاعدہ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت بات نہ ہو۔ اور بعض شراح فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس کتاب کو کتاب العلم کے آخر میں ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا ہے کہ کتاب العلم میں جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ میں نے بیان کیا۔

مایلبس المحرم قال لا یلبس القمیص۔ یہاں سوال ملبوسات مباحہ کے متعلق تھا اور جواب ملبوسات محذورہ سے دیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملبوسات محذورہ معدود تھے بخلاف ملبوسات مباحہ کے، لہٰذا یہ طریقہ آسان تھا بہ نسبت اس کے کہ سارے ملبوسات کو شمار کراتے اور محذورات کے ذکر کے ساتھ ساتھ جن کا سوال نہیں تھا ان کو ذکر کردیا۔

ولیقطعهما حتی یکونا:

حافظ ابن حجر نے لفظ لیقطع سے اپنی عادت کے مطابق براعۃ اختتام کے طور پر اشارہ فرمادیا کہ اب کتاب العلم قطع یعنی ختم ہوگئی اور میری رائے تم کو معلوم ہی ہے کہ ہر باب کے آخر میں حافظ کی رائے کے ساتھ ساتھ میری اپنی رائے الگ ہوا کرتی ہے وہ یہ کہ کتاب کے ختم کی طرف نہیں بلکہ تیرے ختم (موت) کی طرف اشارہ ہے کہ احرام کی طرح کفن کے بھی ایسے ہی دو کپڑے ہوتے ہیں۔ ایک چادر اوپر اور ایک نیچے اس کا دھیان رکھ۔

تمت

﴿حصہ اول ختم شد﴾

Maktaba Tul Ishaat. com